صراط مستقیم

ناشر

ادارۂ الرشید دیوبند

۷۸۶

صراط مستقیم

مترجم اردو

از مولانا اسمٰعیل شہید قتیل لعنت اللہ علیہ

مولانا اسمٰعیل قتیل لعنت اللہ علیہ

ناشر

ادارہ الرشید دیوبند ضلع سہارنپور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و ثنا جو بے نیازِ مطلق کی بارگاہ کے شایانِ شان ہے۔ وہ اُسی کی ذاتِ پاک کے بیان کے سوا کسی کے بیان میں نہیں آسکتی اور اس دعوے کی دلیل فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ[1] سے روشن ہے اور ایسا شکر جو اس کی اَن گنت اور بے شمار نعمتوں کا حق ادا کرے۔ کسی مخلوق سے نہیں ہو سکتا کیونکہ خود شکر ایک ایسی نعمت ہے کہ اور کوئی نعمت اس کے ہم پلہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر تمام عالم "خلق و امر" جس کا نام دوسرے لفظوں میں "شخصِ اکبر" ہے اپنے جیسے ہزاروں عالموں کو ہمراہ لے کر شکر کے اس میدان کے درمیان نہایت جد و جہد سے دوڑ دھوپ کرے اور پھر نعمائے الٰہی کا پورا شکر بجا لانے کا خیال تک اس کے دل میں گزرے تو شرمندگی کے پسینے کے سوا اور کوئی اپنی پیشانی کا زیور نہ دیکھے اور ہزاروں زبان سے اپنی بے زبانی کا اقرار و اعتراف کرکے بندگی کے محکمہ میں اپنے عجز و ناتوانی کا اظہار علی الاعلان اس فرمانِ واجب الاذعان پیش کرے کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[2] پس مشتِ خاک سے اس کے حمد و شکر کا کچھ حصہ ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنی عام مہربانی سے حکم فرما دے ناچار اس بے چارہ کا یہی چارہ ہے کہ اپنی قوت و طاقت سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[3]۔ کہہ کر کبھی قصور کے گریبان سے سر نکالے اور اس حکمِ حقیقی کی وکالت اور ولایت کے حکم سے جس نے اس ناچیز مخلوق کو خود حمد و شکر کی تعلیم کی "ہمیشہ اس نعمتِ عظمیٰ کی لذت مذاقِ جان میں پہنچاتا رہے اور کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ[4] اور کلمۂ تمجید سُبْحَانَ اللّٰهِ

---

[1] یعنی تیری حمد و ثنا کا شمار احصار میں نہیں کر سکتا۔ تیری ذات پاک ایسی ہے جیسے خود تو نے اپنی ذات پر ثنا کہی ہے ۱۲۔ [2] یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو ان کو گن نہ سکو گے ۱۲۔ [3] یعنی سب طرح کی حمد اور تعریف، اللہ تعالیٰ ہی کیلئے خاص ہے، جو تمام جہان کا پروردگار ہے ۱۲۔ [4] یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بندگی کے لائق نہیں اور اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے ہیں ۱۲۔ [5] یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے اور اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ برتر بزرگ کے سوا کسی میں نیکی کی طاقت اور گنا-

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" کو اپنا ہمدم و ہم نفس اور اپنی جان کا مونس بنائے رکھے اور درودِ نامحدود صاحبِ مقامِ محمود پر نازل ہو یعنی احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ الصلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ وارثیہ واتباعہ الیٰ یوم الدین وعلینا معھم وفیھم برحمتک یا ارحم الراحمین اما بعد عاجز ذلیل خداوندِ جلیل کی رحمت کا امیدوار بندہ ضعیف محمد اسمٰعیل عرض کرتا ہے۔ کہ اس کمترین پر خدا تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں۔ اور سب سے بڑی نعمت ہادیِ زمانہ مرشدِ یگانہ حضرت سید احمد صاحب کی محفلِ ہدایت منزل میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ کے دیر تک زندہ رکھنے سے فائدہ دے۔ اور آپ کے اقوال اور افعال اور احوال کے ساتھ سب طالبانِ قربِ الٰہی کو نفع پہنچا دے اور چونکہ یہ عاجز اس مجلسِ عالی میں حاضر ہونے کے وقت کلماتِ ہدایت آیات کے سننے سے کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبانِ قربِ الٰہی کی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوضِ الٰہیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں اور اس کا طریق بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ان بلند پرواز مضامین کو تحریر کے پنجرے میں قید کر دیا جاوے اگرچہ بحکم

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

حضور اور غیبت میں بڑا فرق ہے اور حدیث اَلشَّاهِدُ يَرٰى مَالَا يَرَاهُ الْغَائِبُ۔ اس مدعا پر شاہد عادل ہے لیکن تاہم مقولہ مَالَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ کے اس امر کے تمام کرنے پر کمر ہمت کو چست باندھ کر تہ دل بازگشت سے نیت خالص کر کے پوری پوری کوشش کی اور اس کتاب کی انشائے تحریر میں چند اوراق جناب افادت مآب قدوۂ فضلائے زمان زبدۂ علمائے دوران مولانا عبد الحیٔ دام اللہ برکاتہٗ جو حضرت سید صاحب بارگاہِ عالی کے ملازموں کے سلک میں منسلک ہیں کے لکھے ہوئے جن میں چند مضامینِ ہدایت آگین حضرت سید صاحب کی زبان سے سن کر مولانا صاحب نے تحریر کیے تھے لے پس

لہ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام نازل ہوں آپ پر اور آپ کی تمام اولاد اور سب اصحابوں پر اور روزِ قیامت تک جتنے ان کے وارث ہوں اور تابعداروں پر بھی اُن پر اور اُن کے ساتھ ہم کو اور ان کے زمرہ میں داخل کر کے ہم پر بھی نازل ہوں تیری رحمت سے اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔ کہ یعنی حاضر ایسے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جنھیں غائب نہیں دیکھتا سہ جو شئے تمام حاصل نہ ہو سکے وہ ساری کی ساری چھوڑ بھی نہیں دینی چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن کی برکتیں ہمیشہ رکھے ۱۲

اسمٰعیل ... کے میاں ... کی نگاہ میں ہدایت دینا ... اللہ ... ہے

اِن اوراق کو حلوائی بے دود اور غنیمت بے مشقت سمجھ کر اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہٖ درج کر دیا اگرچہ اس کتاب کی تالیف میں مناسب یہی تھا کہ جس طرح اس کتاب کے اکثر مضامین کی تحریر کرنے میں صرف جناب سید صاحب کے فرمائے ہوئے کلمات کے ترجمہ ہی پر اکتفا کیا۔ اسی طرح تمام کتاب کے مضامین میں یہی طریق اختیار کیا جاتا لیکن چونکہ آپ کی ذات والا صفات ابتداءِ فطرت سے رسالتمآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے آپ کی لوحِ فطرت علومِ رسمیہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے دانشمندوں کی راہ و روش سے خالی تھی۔ پس ان گہرے مضامین اور اسرار غامضہ کا سمجھنا تو تمہید مقدمات اور تمثیلات کے وارد کرنے کے سوا اور سلف متقدمین کی اصطلاح سے ان مضامین کے مطابق کئے بغیر اہلِ زمان کے اذہان پر "جو کہ علوم رسمیہ کے عادی ہو گئے ہیں" محض آپ کی زبان برکت نشان سے صادر ہوئے کلمات کے ترجمہ سے نہایت دشوار معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا سامعین کے سمجھانے کی سہولت کے لئے بعض مقامات میں کسی قدر تقدیم و تاخیر اور بعض جگہ چند مقامات کی تمہید اور تمثیلات کے وارد کرنے اور سلف کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کی ضرورت پڑی۔ خاص کر قطب المحققین فخر العرفاء، المکملین اعلمہم باللہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کی اصطلاح سے مطابق کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ معہٰذا اس عاجز نے کتاب کے ہر ہر حصہ کو املاء کے بعد حضرت سید صاحب کے گوش گذار کر دیا۔ تاکہ مقصود غیر مقصود سے ممتاز ہو جائے اور جو نقصان اس ہیچمدان کی مداخلت عقل کے باعث اس کتاب میں آگیا ہو آں جناب کی اصلاح کی وجہ سے اس کا جبر نقصان ہو جاوے اور اس کتاب کا نام صراطِ مستقیم رکھا۔ اور ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر اس کو مرتب کیا اور بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو ہدایات پر اور ہدایات کو تمہیدات اور افادات پر تقسیم کیا۔ اور مبادی کو لفظ تمہید سے اور مقاصد کو لفظ افادہ سے شروع کیا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ[۱]۔

مقدمہ اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے۔ پہلا افادہ جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت کا ثمرہ اور حقیقت اور معرفت کی بنیاد حضرت حق جل و علا کی محبت کو حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ فقرۂ حدیث مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا الخ یعنی جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور

لہ یعنی مجھے کچھ توفیق نہیں۔ مگر ساتھ اللہ کے اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ۱۲ منہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب ماسوا کی نسبت زیادہ تر محبوب ہیں (اس نے ایمان کا مزہ چکھا)، اس امر کی تصریح ہے۔ اور آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ تر مضبوط ہیں) اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ تمام صوفیائے کرام اور جمیع طوائف انام کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی اور متفق علیہ ہے۔ لیکن اس مقام میں ایک نہایت باریک نکتہ ہے۔ جس سے اکثر اہل زمان غافل اور چوکے ہوئے ہیں اور وہ نکتہ یہ ہے کہ حب نفسانی جس کو دوسرے لفظوں میں لقب عشق سے نامزد کرتے ہیں" اور حب ایمانی "جو حب عقلی سے مشہور ہے" ان دونوں کے درمیان فرق کیا جاوے، کیونکہ پہلی محبت مبادی سلوک کی واردات سے ہے۔ اور دوسری محبت انبیاء کرام کے کمالات اور اولیاء عظام کے مقامات میں سے ہے۔ اکثر عوام صوفیاء قسم اول کو دوسری کی جا بجا رکھ کر اور اسی کو اشارات شرعیہ کا مشار الیہ سمجھ کر انبیاء اور اولیاء کی سیر کو اہل عشق و وجد کے احوال سے تطبیق دینے میں ناحق کی سردردی اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اُن بزرگواروں کی سیر کو ان سالکوں کی واردات سے کسی طرح کی مطابقت نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عشق اس گھبراہٹ اور بیقراری کا نام ہے جو مقصود کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے اور وہ باقی تمام قوائے باطنہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کیفیت کا انجام اور اس کی نہایت اُس مقصود کا پا لینا اس محبوب کا وصال ہے اولاً اس کیفیت کا موقع قلب ہے جو تمام کیفیات نفسانیہ کا محل ہے پھر ثانیاً تمام قوائے باطنہ اور اس کا نہایت درجہ طالب کا مطلوب کے یافت میں اپنے آپ سے غائب اور مضمحل ہو جانا ہے پھر جب یہ غایت مرتب ہو جاتی ہے تو اس بیقراری اور پریشانی کی شورش فرو ہو جاتی ہے اور وہ کیفیت جو عشق سے نامزد ہے زائل ہو جاتی ہے اور حب عقلی سے یہ مراد ہے کہ طالب کے دل میں اس چیز کی طلب کا ارادہ جوش مارتا ہے۔ جس کے فوائد اور منافع اس کی طرف اپنے محتاج ہونے پر اُس نے اطلاع پائی ہے اور اس داعیہ نے طریق طلب کی مشقتیں اٹھانا اس پر سہل کر دیا ہے اور اس سبب سے اس کی طلب میں کمر ہمت چُست باندھ کر جو حیلہ اپنی فکر کے کیسہ میں رکھتا تھا سب کچھ اس کی طلب میں خرچ کر ڈالا۔ اور اختیاراً بغیر مجبوری کے اپنا سب سر و سامان چھوڑ دیا اور اس محبت کے واقع ہونے کی جگہ اوّلاً تو عقل ہے جو معلومات کا خزانہ ہے۔ پھر ثانیاً تمام قوائے باطنہ میں بھی یہی ارادہ اثر کر جاتا ہے جیسے پانی درخت کی جڑ سے اُس کے پتوں اور پھول پھل تک

سرایت کر جاتا ہے پس عقل میں کیا کیا فکر اور کیسی کیسی تجویزیں اُس کے حاصل کرنے کے لئے درست کرتا ہے اور دل میں کیا کیا ہمتیں اور کیا کیا ارادے اُس کی طلب کیلئے برانگیختہ کرتا ہے اور جوارح (اور اعضاء) پر کیسی کیسی مشقتوں کا سامنا اور کیسے کیسے مالوفات (اور مرغوبات) کا ترک کرنا اُس مطلوب کے راستہ پر چلنے کے لئے اپنے اوپر گوارا کرتا ہے اور جس طرح کی پہلی حُب (عشقی) کا نتیجہ علم کا فنا ہونا ہے۔ یعنی ماسوا محبوب سے حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی غافل اور بے خبر ہو جانا۔ اسی طرح دوسری محبت (عقلی) کا ثمرہ فنا ہی ہوتا ہے یعنی جو بات کہتا ہے محبوب ہی کہتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے اسی طرف سے سنتا ہے اور جس نظر و فکر کا نتیجہ محبوب کے حاصل کرنے اور اس کے راستہ میں چلنے کے سوا کچھ اور ہو وہ اس کے نزدیک اُس قسم کے وساوس میں سے ہے جن کا اعتبار کچھ نہیں ہوتا۔ اور جو محبت اور عداوت اور پسند کرنا اور ناپسندی کہ محبوب اور اُس کے طریق کے مناسب اور مخالف کے ساتھ نہ ہو۔ اُس کے آگے ایسے عوارض کے قبیل سے ہے جن کی طرف کچھ التفات نہیں کی جاتی۔ غرض تحصیل مطلوب اور اُس کے طریق کی تمہید کے خیال نے طالب کے ظاہر اور باطن کو اپنی حکمرانی اور فرماں روائی کے نیچے دبا لیا ہوتا ہے۔ برخلاف پہلی حُب کے کہ اس میں محب کے تمام باطن کا حُب سے پُر ہو جانا اُس کے تحقیق اور پائے جانے کے لئے شرط نہیں کیونکہ بسا اوقات ایک چیز کا عشق اُس کے بغض عقلی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے خاصکر جبکہ حب عقلی اور حُب عشقی میں تعارض ہو تو اس وقت تو یہ اجتماع ضدین ضرور لازم آجاتا ہے مثلاً ایک نوجوان دیندار والدین سے نیک سلوک کرنے والے کو کسی عورت یا کسی بے ریش لڑکے کا عشق لگ جاتا ہے۔ اور چونکہ شارع یا اُس کے والدین جو اس کے نزدیک حبّ عقلی سے محبوب ہیں۔ اس امر سے روکتے ہیں۔ ناچار وہ سعادت مندوں کی تہ سے اُس معشوق کو بلکہ اُس کے عشق کو مکروہ اور مبغوض رکھتا ہے اگرچہ اپنی طبیعت کی رو سے اُس کا مغلوب ہی ہو جاوے (لیکن دوسری حُب چونکہ اس کا مقر (موقع) اصل عقل ہے۔ اور وہاں سے اُس کے لشکروں نے قوائے طبعیہ پر چڑھائی کی ہے (اس لئے محب کے تمام باطن کو مسخر کر لیا ہے کسی طرح معارضہ کی اس میں گنجائش نہیں اور جس طرح کہ پہلی حُب محبوب کے پالینے کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور اس کی سوزش اور دھڑک) فرو ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری حُب محبوب کے وصال سے ترقی میں قدم رکھتی ہے اور اس سے ہزار گنا ہو جاتی ہے۔ اور اس قدر وسعت اور کشادگی پکڑتی ہے کہ ہرگز ایسی وسعت اور قوت تجرد اور جدائی میں متصور نہیں۔ کیونکہ پہلی حُب کا

یعنی (اور منشا) محبوب کا نہ پانا تھا اور ہجر (فراق) اُس کی شرط تھی (اور قاعدہ کی بات ہے) کہ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ[1]۔ اور حبِ ثانی کا منشا محبوب کے منافع اور فوائد کا علم اور اس کے کمالات کا جاننا اور اس کی طرف اپنی محتاجی کو سمجھنا تھا۔ اور یہ معنی وصال میں واضح تر ہو جاتا ہے کیونکہ علم الیقین عین الیقین سے بدل جاتا ہے۔ اور تفصیل کے ساتھ اجمالی کی شرح ہو جاتی ہے۔ مثلاً پیاسے کو جب پیاس لگتی ہے۔ یعنی معدہ میں حرارت جوش مارتی ہے اور سینہ میں سوزش اور لب پر خشکی ظاہر ہوتی ہے۔ اُس وقت اس کو پانی کا عشق ہو جاتا ہے۔ یعنی طبیعت کی تہہ سے اسے پانی کی طرف میلان ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے نہ پانے کی وجہ سے بیقراری اور گھبراہٹ عارض ہوتی ہے۔ اگرچہ کسی سے اُس نے یہ نہ سُنا ہو کہ پانی پیاس بجھا دیتا ہے (تاہم اُس کو پانی کا اشتیاق غالب ہو جاتا ہے) اور اگرچہ کسی جسمانی یا نفسانی ضرر کے اندیشہ سے عقل پانی کے استعمال سے مانع ہو۔ اور جب عین پیاس کی شدت میں اسے میٹھا پانی مل جاوے اور پی کر اُس سے سیراب ہو لے اور رونگٹے رونگٹے میں اس کی سیرابی سرایت کر جاوے اُس وقت اُس شخص پر ایک ایسی حالت وارد ہوتی ہے کہ اگر اُس سے تعبیر کریں تو یہی کر سکتے ہیں کہ ماسوائے پانی سے نسیان اور فراموشی حاصل ہو گئی ہے۔ بلکہ بسا اوقات سکر اور نشہ کی طرح خمار سا طاری ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے تھوڑی سی دیر کے لئے بے خودی میسر ہو جاتی ہے اور وہ پیاس کی حالت بالکل زائل ہو جاتی ہے اور اہلِ زراعت اور کسانوں کو پانی کی نسبت حُبِ عقلی ہے۔ کیونکہ ان کا میلان پانی کے حاصل کرنے کی طرف اس امر پر مبنی ہے۔ کہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ ان کی کھیتیاں اور چراگاہ اور باغ بغیچے جان کی عیش و معاش کا سرمایہ اور زندگی کا مدار ہیں۔ پانی کے بغیر کسی صورت سرسبز نہیں ہو سکتے غرض کہ پانی کی طرف اپنی کمال حاجت اور پھلوں اور غلوں میں پانی کی نہایت منفعت سمجھ کر اُس کی طلب کا خیال اُن کی عقل سے اُٹھتا ہے اور اُن کی تمام ہمت کو پانی کی طلب میں مصروف کر دیتا ہے پس کیا کیا دعائیں اور زاریاں پانی کی طلب میں اُن سے صادر ہوتی ہیں۔ اور کیا کیا حیلے اور تدبیریں اور رہٹوں کے مرتب کرنے میں ان سے ظاہر ہوتی ہیں اور کیا کیا محنتیں اور مشقتیں کنوؤں اور نہروں کے کھودنے اور حوضوں کے درست کرنے میں رات دن میں کسانوں پر

[1] یعنی جب شرط نابود ہو۔ تو مشروط بھی نابود ہو جاتا ہے ۱۲

اور ان کے چار پایوں پر گذرتی ہیں اور یہ لوگ ان تمام دشواریوں کو اپنا کمال اور فخر سمجھ کر ان امور اور ان جیسی دشواریوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر اُن کے حاصل کرنے میں ایسی سرگرمی اور چالاکی دکھلاتے ہیں جس میں کسی طرح سے سستی اور کوتاہی کو دخل نہیں ہوتا اور کبھی کوئی اس قوم کا ان کاموں میں پست ہمت ہو جاوے تو دوسرے کسان اس پر طعن کرتے ہیں اور اسے کم عقلی اور بے ہمتی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جتنا پانی انہیں حاصل ہوتا ہے اس کے منافع اور فوائد پر عین الیقین سے اطلاع پاکر اپنی تمام کوشش اور سعی کو جو جو مشقتیں اس کی طلب میں اُٹھائی تھیں سب کو بجا اور برمحل سمجھتے ہیں اور اس اپنی محنت پر خوش حال اور شکرگذار ہوتے ہیں اور مشقتوں کے اٹھانے میں زیادہ چالاک ہوتے ہیں

جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بعضے اپنے خاص بندوں کو جن کی قسمت میں سعادت ازلی تھی برگزیدہ کر کے محض اپنی عنایت و مہربانی سے اپنی محبت کی دو قسموں میں سے ایک یا دونوں کی طرف ہدایت کر کے اس سعادت دو جہانی کے سرمایہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کے ثمرات و نتائج کے ساتھ فخر و امتیاز بخشتا ہے وَ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ[1] - اور محبت کی ان دونوں قسموں کے لئے کئی اسباب اور تائید کرنے والے چیزیں اور کئی آثار اور ثمرات ہیں جو اسی نوع کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور چونکہ طالب راہِ حق کی محبت کی دونوں قسموں میں سے ہر ایک کو دوسری قسم سے انھیں امور کی بدولت پہچانتا ہے اس لئے ان امور اربعہ کا نام رکھا گیا۔ **وجوہ التمایز فیما بین النوعین**[2]

دوسرا افادہ۔ چونکہ حُبّ ایمانی اور اس کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات نبوت پر جا ختم ہوتے ہیں۔ اس لئے اس طریق کا نام جس کی ابتداء حُبِّ ایمانی سے اور انتہا نبوت پر ہے۔ راہِ نبوت اور نسبتِ نبوت رکھا گیا۔ اور چونکہ حبِّ عشقی اور اس کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات معرفت پر جا ختم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وجود حضرت حق (جلا و علا) کے سامنے اور اشیاء کے حقائق نیست معلوم ہوتے ہیں اور یہ معرفت ولایت کا خلاصہ ہے۔ اس لئے اس طریق کو "جس کی ابتداء حبِّ عشقی سے اور انتہا معرفت پر ہے" راہ ولایت و نسبت ولایت سے نامزد کیا گیا۔

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیدیتا ہے ۱۲ [2] یعنی ہر دو قسموں کے آپس میں علیحدہ علیحدہ پہچاننے کی وجہیں یعنی اس کتاب میں جہاں وجوہ تمایز فیما بین النوعین کا لفظ آویگا۔ مراد اس سے یہی چار چیزیں ہوں گی ۱۲ منہ

تیسرا افادہ ۔ اس امت کے اکابر یعنی ائمۂ طریقت و پیشوایانِ حقیقت اگرچہ طریقِ نبوت کے کمالات کے ساتھ موصوف اور اس کے ثمرات کے مقام میں راسخ القدم تھے۔ لیکن انھوں نے اس نسبت کے حاصل کرنے کا طریق راہِ ولایت کے حاصل کرنے کے طریق سے ممتاز نہیں فرمایا اور اس راستہ کے مباحث میں بالاستقلال کچھ کلام نہیں کیا اور اس راہ کے مبادی کی تعیین میں سعی بلیغ نہیں کی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ایک باب دونوں قسم کی بحث میں امتیاز کے وجوہ میں منعقد کیا جاوے اور چونکہ ہر طریق کا آثار و علامات کا دریافت کرنا۔ اس طریق میں چلنے اور سلوک کرنے پر مقدم ہے۔ لہٰذا اس باب کو باقی ابواب سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ نفسِ ناطقہ کو اخلاقِ رذیلہ اور صفاتِ کمینہ سے خالی اور پاک کرنا اور اوصافِ جمیلہ اور فضائلِ حمیدہ سے محلی اور مزین پاک کرنا اور عباداتِ شرعیہ کا اس طریق پر ادا کرنا جس طرح شارع کا مقصود ہے۔ راہِ نبوت کی بنیاد اور راہِ ولایت کی رونق و بہار ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ایک باب اس کتاب کا جو تخلیہ اور تحلیہ مذکور کو شامل ہو عباداتِ شرعیہ کے ادا کرنے کے طریق پر متضمن ہو۔ ہر دو طریق کے سلوک سے پہلے اور وجوہ تمایز طریقین کے بیان سے پیچھے ہو متعین کیا جاوے۔ تاکہ راہِ نبوت کے طالبین کو اپنے کام کا سر رشتہ ہاتھ میں آجاوے اور راہِ ولایت کے سالکین کو اپنی سعی کے ثمرات دکھائی دینے لگیں اور نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات اور ریاضات و مجاہدات کے تعیین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں نہایت کوشش کی ہے لیکن بحکم اس مصرعہ کے

ع ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مقامی دارد ۔ ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ طریق کے پیشواؤں میں سے اہلِ تحقیق اشغال کی تجدید میں بڑی بڑی کوشش کر گئے ہیں۔ بنا بریں مصلحتِ وقت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کتاب کا ایک باب ایسے اشغال جدیدہ کے بیان کے لئے جو اس وقت کے مناسب ہیں معین کیا جاوے اور طرقِ ثلثہ یعنی قادریہ چشتیہ نقشبندیہ کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید پر اکتفا کی جاوے کیونکہ یہی تینوں طریق سب طرق سے زیادہ تر مشہور ہیں۔ بس ان تین طرق کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید کی ضرورت نہیں رہتی اور چونکہ نسبت ولایت کا حاصل کرنا۔ راہِ نبوت کے سلوک کو آسان کر دیتا ہے اور چونکہ نسبت ولایت کا صاحب نسبت نبوت کو تھوڑی سعی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے

حسنِ ترتیب کا تقاضا یہ ہوا کہ یہ باب دو قسموں یعنی طریق ولایت کا بیان ہے، اب چونکہ
سے ہر سلوک اور جو شاید مشتمل ہے مقدم کیا جاوے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَبِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ
التَّحْقِیْقِ۔

باب اوّل۔ تمائز طریقین کے وجوہ کے بیان میں

یعنی جن وجوہ سے طریق نبوت اور طریق ولایت میں امتیاز و فرق ہوتا ہے ان کا بیان اور یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ **فصل اوّل۔** طریق ولایت کے امتیاز کے وجوہ کے بیان میں۔ اور یہ فصل چار ہدایتوں پر شامل ہے۔ **پہلی ہدایت۔** جنس عشق کے حاصل کرنے کے اسباب میں اور یہ دو افادہ پر مشتمل ہے۔ **پہلا افادہ۔** جاننا چاہیئے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا سبب عادی ذکر و فکر ہے۔ لیکن جو ذکر و فکر محبت کی دو قسموں میں سے ایک قسم کے حاصل کرنے کا سبب ہوتا ہے اور وہ اس ذکر و فکر سے جدا ہے جو دوسری قسم کے حاصل کرنے کا سبب ہوسکتا ہے چنانچہ دونوں قسموں کی تفصیل احکام کے ضمن میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا جاوے گا۔ **دوسرا افادہ۔** مخفی نہ رہے کہ حصولِ عشق کا سبب ایک مثال کے بیان کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے سو اس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے آگ جو کہ سب عناصر سے بلند مرتبہ رکھتی ہے اور سب سے لطیف تر اور زیادہ صاف ہے، جب زمین کے اجزاء لطیفہ سے جن کو دخان کہتے ہیں مل جاتی ہے۔ ان اجزاء ارضیہ کو اپنے حیز کی طرف "جو سب احیاز عنصریہ سے مافوق اور اوپر ہے" کھینچتی ہے۔ تاکہ ان کو اپنے آپ میں فانی کرکے آثار احکام میں اپنا ہم رنگ، درخشاں بنالے ولیکن غبار جو کہ جز ثقیل تو دے کو دے جمع ہو رہا ہے چونکہ اس دخان کو حیز نار کی طرف چڑھنے سے مزاحم اور مانع ہوتا ہے۔ ناچار اقتضائے نار اور اقتضائے غبار کے درمیان کشمکش اور مزاحمت اور مقابلہ واقع ہوجاتا ہے اور اس تمانع اور تزاحم کے سبب سے رعد کی چڑچڑاہٹ آواز آگ سے

لے یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق ملتی ہے اور تحقیق کی مہاریں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ۲ کہ ما بین آسمان و زمین کو جو کہتے ہیں۔

بری مشتعل حادثہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اجزا ناریہ اپنی تندی اور تیزی کی وجہ سے بعض عوائق کو پانی سے بدل کر زمین کی طرف بہا دیتی ہے اور بعض موانع کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جو زمین کو پراگندہ اور پریشان کر دیتی ہے۔ بعد ازاں اجزائے لطیفہ دخانیہ کو کھینچ کھینچا کر اپنے آپ میں فانی اور نیست نابود کر دیتی ہیں۔ اسی طرح لفظ مبارک اللہ کا (یعنی اسم ذات) جو عالم الغیب میں حضرت بیچون کا نام ذوالجلالی کی تجلی ہے۔ جب ذاکر کے حلق، زبان اور تالو اور کان کو نور اور سکینہ اور لذت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ ذاکر خیر جو وساوس کے دور کرنے اور خیالات اور خطرات کی جمعیت و تسکین اور ترقیق و تلطیف ارواح کے لیے موضوع ہے"! اس طریق کے مطابق ہو جو صوفیاء کرام کے نزدیک مشہور و معروف ہے علی ہذا القیاس ذاکر کے خیال اور وہم کو گم گشتگی اور گمنامی بخشتا ہے۔ بشرطیکہ ذکر خفی جو اس لفظ مبارک کی حلاوت اور شیرینی پانے اور تنہائی اور خاموشی کی لذت اور مزہ حاصل کرنے اور لوگوں کے اختلاط اور ہمکلامی سے نفرت حاصل کرنے کے لیے موضوع ہے"! اس طریق پر واقع ہو جو صوفیاء میں مشہور و معروف ہے۔ خواہ صرف اسی لفظ مبارک کے ذکر سے یہ معنی حاصل ہو گیا ہو۔ خواہ نفی یا دوسری صفات کے ضم کرنے سے طالب کو اس لفظ کے مفہوم کے تصور کی طرف انتقال ہو جاوے اور یہ علم وادراک ہیں حضرت جل جلالہ کی تجلی ہے جو سب تجلیات سے الطف اور لطیف تر اور حضرت ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے اور جب یہ تجلی "یعنی مفہوم اس لفظ کا جو کہ بسیط محض اور مجرد بحت ہے" اس کے ذہن میں اس حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے کہ اس کی بصیرت کی آنکھ اسی مفہوم کی طرف دائم التوجہ ہو جاوے اور ادراک کی تمام قوتیں آنکھ کی طرح اسی مفہوم کی طرف نظر لگائیں اور اس کے ماسوا کی طرف تہ دل سے ذرہ بھر التفات بھی صادر نہ ہو۔ اور اگر گاہ و بیگاہ ماسوا کا خطرہ اس کے ذہن میں گذر جاوے تو امور اتفاقیہ کی طرح ہوتا ہے۔ نہ تہہ دل سے اور قوم (یعنی صوفیہ کرام) کے نزدیک یہ کیفیت فکر کے نام سے نامزد ہے۔ الغرض جب طالب اپنے ادراک اور ہمت سے اس مفہوم میں استغراق قوی حاصل کر لیتا ہے اور یہ تجلی اس کی جان سے پیوند ہو جاتی ہے تو سالک کی لطیف ترین اجزا کو جس کا نام روح الٰہی ہے اپنا آشنا بنا کر اور اس کے ساتھ امتزاج پا کر اس کو اپنی اصل کی طرف کھینچتا ہے۔ اور روح الٰہی جو کہ عالم پاک سے ہے اور قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ اس کی

۱؎ سادہ خالص ۱۲ ۲؎ یعنی کہہ دے روح میرے رب کے امر سے ہے ۱۲ منہ۔

شان میں ہے۔ اور اس مشتِ خاک (یعنی جسم) میں محبوس (و مقید) ہونے کے سبب سے اپنی اصل کو بھول گئی تھی۔ اور اس کے ادراک کا آئینہ زنگ پکڑ گیا تھا جب اُس تجلی کے نور سے اُس کا چہرہ مصفّا و مصقول ہوگیا اور کمالاتِ حق کا عکس اپنے اندر دیکھا کہ (حدیث)[1] اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور اپنے فراموش شدہ اصل کو پھر یاد کرکے اصل کی طرف پہنچنے کی خواہش کرتی ہے لیکن اُس تجلی کا اُس روح کو کھینچنا بسبب اُس آگاہی اور بیداری کے جو اُس تجلی کے استقرار کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی اور روح کا کھنچ جانا حظیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا اقتضاء کرتے ہیں اور رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ مل جانے کی خواہش کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ بشریت کا غبار حظیرۃ القدس میں پہنچنے سے مانع ہوجاتا ہے اس لئے ناچار اقتضائے روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان کشمکش اور مزاحمت پیدا ہوجاتی ہے اس سبب سے شورش اور بیقراری اور گرمی نسمہ[2] کے اندر جو بروحِ طبعی ملقب ہے۔ پیدا ہوجاتی ہے جس طرح غصّہ کے وقت شورش اور گرمی اور خوشی کے وقت بشاشت اور دل کی کشادگی پیدا ہوجاتی ہے۔ الحاصل یہ شورش اور قلق[3] جو کہ روحِ نفسانی میں پیدا ہوگئی ہے۔ طالب کو دیوانوں اور مستانوں کی طرح آوارہ پھراتی ہے اور اس کی عقل و فکر کو درہم برہم کردیتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانونِ شرع اور قواعدِ ادب سے باہر کھینچ لے جاتا ہے اور اس کیفیت کی شدت اور حدت کی وجہ سے جنگلوں اور ویرانوں سے اُنس اور دل لگی ہوجاتی ہے اور مجلسوں اور گھروں سے نفرت اور وحشت ہوجاتی ہے اور آہ و فغاں کا سرزد ہونا اور رنگِ چہرہ کی زردی اور رونا اور اشکباری حاصل ہوجاتی ہے اور اسی کیفیت کا نام عشق ہے۔ اور چونکہ اس کیفیت کی حامل اور اٹھانے والی روحِ حیوانی ہے اس لئے اس کو حبِ نفسانی سے نامزد کرتے ہیں اور یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے تاکہ بشریت اور ناآشنائی کا حجاب پھٹ جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہوکر اس محبت کا ثمرہ مترتب ہوجاتا ہے۔ (دوسری ہدایت۔ حبِ عشقی کے مؤیدات کے بیان میں۔ اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے۔ پہلا افادہ۔ حبِ عاشقی کے مؤیدات سے ریاضت ہے یعنی کم سونا اور کم بولنا اور لوگوں سے صحبت اور اختلاط کم رکھنا اس لئے کہ حسِ حیوانی کو ان امور

[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی صفت ۔ [2] نسمہ کے معنی نفس اور جان ۱۲ [3] قلق کے معنی شورش کے ہیں ۱۲

سے رقت اور لطافت حاصل ہو جاتی ہے اور جس قدر روح حیوانی رقیق تر ہو اسی قدر تحلل اور شورش
اور گرمی کا پیدا ہونا اس میں جلدی سے آتا ہے۔ **دوسرا افادہ**۔ حب عشقی کے مویدات میں سے
الحان خوش اور صورت دلکش اور قصص شوق آمیز اور اشعار عشق انگیز کا سننا ہے۔ **تیسرا افادہ**
منجملہ مویدات حب عشقی کے۔ ایسے امور سے پرہیز کرنا ہے جو روح طبعی میں کثافت پیدا ہونے کے باعث
ہوتے ہیں۔ مثلاً بہت سونا اور ہمیشہ کثیف غذاؤں کا کھانا اور اسی قسم کی اور چیزیں جو اہل تجربہ پر
مخفی نہیں۔ **تیسری ہدایت**۔ آثار حب عشقی کے بیان میں اور یہ پانچ افادہ پر مشتمل ہے۔
پہلا افادہ۔ منجملہ آثار اس حب کے ایک یہ ہے کہ اس کا اقتضا ذاتی حجاب بشری کا پھاڑنا اور
روح الہی کا اپنی اصل کی طرف کھینچنا ہے۔ فقط کسی قانون کی مطابقت اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل
نہیں خواہ قانون شرع ہو خواہ قانون ادب اور نہ کسی کی رضا اور خوشنودی کا طلب کرنا اس کے
اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ محبوب کی رضا ہو یا اس کے غیر کی اور نہ کسی کی متابعت کا التزام
اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ اپنے محبوب کی متابعت ہو یا اس کے سوا کسی اور کی
پر مت سمجھنا کہ اس کلام سے یہ مقصود ہے کہ ارباب عشق و اصحاب مواجید قیود شرعیہ سے مقید نہیں
ہوتے یا آداب عرفیہ سے متأدب نہیں ہوتے اور رضائے مولیٰ کے طالب اور متابعت مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ملتزم نہیں ہوتے۔ حاشا وکلا یہ بات ہرگز نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ حب بالذات ان
امور کے مقتضی نہیں۔ پس اگر صاحب اس حال کا حضرت ذوالجلال کے جمال کی مشاہدہ میں مضمحل اور
فانی ہو جاوے اور کسی طریق سے یہ کیفیت میسر ہو جاوے (فبہا) کسی طریق کی خصوصیت کو اس کے اقتضائے
ذاتی میں دخل نہیں مثلاً اگر اس حال کے صاحب کو اپنے مقصود کے حاصل ہونے کا ظن مزامیر کے سننے اور
عشق مجازی اور تحصیل برزخ کے ارتکاب اور اوقات کو اذکار و طاعات سے خالی رکھنے وغیرہ ممنوعات
شرعیہ میں ہو تو البتہ اس کے دل میں ان امور کی طرف میلان اور کشش پیدا ہو جاوے گی اگرچہ صاحب حال
دینداری و تشرع ہونے کی وجہ سے اس خیال کے آثار کے ظہور سے مانع ہووے بلکہ اس خیال کے
دور کرنے میں کوشش کرے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ عشق مجازی میں عاشق کا مطلوب اپنے
معشوق کے جمال کا مشاہدہ اور اس کا قرب اور وصال ہوتا ہے اگرچہ معشوق کو اس عاشق کے
قرب سے ایذا پہنچے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی معشوقان مجازی اپنے عاشقوں

کو دیدہ بازی اور اپنی مجلسوں میں آمد و رفت کرنے سے سخت ممانعت کرتے ہیں اور اپنے قرب جوار بلکہ محلہ و دیار سے نکلوا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ گالم گلوچ اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے مگر وہ عشاقِ مجازی کسی طرح نظر بازی اور معشوق کی محفلوں اور مجالس میں آمد و رفت سے باز نہیں آتے بلکہ معشوق کے ہاتھ سے مارا جانے اور یار کے کوچہ میں جان دینے کو اپنا بڑا فخر اور کمال عالی ہمتی شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے اشعار نغمیہ اور کلمات نثریہ اس امر پر دلالتِ صریحہ رکھتے ہیں کیا تو دیکھتا نہیں کہ کسی کی نسبت کلام شکایات آمیز زبان پر لانا یا گلہ کا حرف کہنا کس قدر اس شخص کی رنجش کا سبب ہوتا ہے اور حبِ عقلی کے مقام میں شاکی اور گلہ کرنے والے کو کس نظر کے مرتبہ میں جا گراتا ہے۔ تاہم اربابِ عشقِ مجازی ایسی حکایات و شکایات کے بیان کرنے میں کسی طرح صبر نہیں رکھتے بلکہ اپنے کلام کو ایسے مضامین سے رنگین اور مزین بناتے ہیں۔ بالجملہ اس کلام سے ہمارا مقصود حبِ عشقی کی مذمت ہرگز ہرگز نہیں بلکہ حبِ عشقی اور حبِ عقلی میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ ہے

دوسرا افادہ۔ اس حب کے متعلق آثار میں سے تفرد ہے یعنی سوائے محبوب کے سب علائق قطع کر دینے اور طرح طرح کے مشاغل اور رنگا رنگ کے علائق کے ہجوم اور عروض سے تنگ دل ہونا اور متفرق امور کے نظم و ترتیب سے حوصلہ کا تنگ ہونا مثلاً سیاست منزلی اور سیاست مدنی اور جماعتوں کی امامت و پیشوائی اور عیدوں و جمعوں کے قائم کرنے اہل قرابت وغیرہ ذوی الحقوق کے حق ادا کرنے وغیرہ کی برداشت نہ کرنا اور یہی وجہ ہے کہ تزویج اور خانہ داری سے جو تمام علائق کی اصل ہے عاشق کو نہایت نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔

تیسرا افادہ۔ منجملہ آثار حبِ عشقی کے اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً دل کا تعلق شدید ہو جاتا ہے یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرت سبحانہ و تعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے۔ اور اس کے ہدایت کا واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد ہی عشق کا متعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلی فرمائے تو البتہ میں اس کی طرف التفات تک نہ کروں گا۔

چوتھا افادہ۔ منجملہ آثار اس حب کے علوم اور طاعات ظاہری سے لاپروائی ہے کیونکہ ان علوم کا شغل پراگندہ امور کے انتظام و ترتیب کی قسم میں سے ہے اور چونکہ اس کا کام بساطت در بساطت ہے اس لئے ایسے امور کا اشتغال اس کے کاروبار کو پریشان کر دیتا ہے۔

پانچواں افادہ۔ منجملہ آثار حبِ عشقی کے نہ سمجھنا اس اعلاء کلمہ کا ہے جو شریعت نے ظاہر اور باطن میں واقع

ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کے لئے ایک باطن ہے اور وہ تعلق دل کا ہے حضرت حق جل وعلا سے اور اس تعلق کے مختلف انحاء اور ڈھنگ ہیں۔ اور ان انحاء میں سے ہر ایک کا نام نسبت رکھا جاتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل اپنے موقع پر مذکور ہے اور ایک شریعت کا ظاہر ہے اور وہ اوامر شرعیہ کا بجالانا اور منہیات سے باز رہنا اور ان افعال ظاہرہ اور تعلقات قلبیہ کے درمیان ایک نہایت باریک علاقہ ہے کہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہ کو شرح تفصیل سے اس کے بیان میں توفیق ملی ہے پس جو شخص اپنے وجدان سے اس علاقہ کو سمجھ لے اس کی عبادت تو سراسر مغز بے پوست ہو جاتی ہے۔ اور اس کے احوال افعال کے ساتھ مل جاتے ہیں ورنہ وہ شخص قشری محض اور خشک زاہد ہو جاتا ہے۔ اگر ظاہر افعال شرعیہ کے ساتھ تمسک رکھتا ہو نہیں تو ایک گونہ الحاد اور بے دینی اس کے عقائد میں راہ پا جاتا ہے اور باطن شرع کے ساتھ تمسک کر کے ظاہر شریعت کو درجہ اعتبار سے ساقط کر جاتا ہے اور چونکہ اس علاقہ کا سمجھنا کثرتِ افعال کو وحدتِ احوال میں انتظام دینے کے قبیل سے ہے اس لئے صاحب حُبِ عشقی کو اس میدان میں جولان کرنے کی گنجائش نہیں مگر ارباب حُبِ عقلی کی تقلید سے اور ان آثار سے جو مذکور ہوچکے ان آثار کا لحوق ان کو ہو جاتا ہے بسبب تنگی مقام کے قلم تحریر میں نہیں آسکے۔ اہل دانش صاحبان ذکاوت پر چنداں مشکل اور دشوار نہیں۔ اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْهِ الْاِشَارَةُ[1]۔ پانچویں ہدایت۔ حبِ عشقی کے ثمرات کے بیان میں۔ اور یہ تین افادوں پر مشتمل ہے پہلا افادہ۔ جب کیفیت محبتیہ کی شدت اور تیزی اور تجلی علمی کے جذب کی قوت اور کمال منجذب ہونے روح الٰہی کی وجہ سے شہادت و مثال کا حجاب کھل جاتا ہے اور ظلمانی اور نورانی پردے پھٹ جاتے ہیں۔ تو بنابر وعدہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[2]۔ اور مطابق کلمہ فَاذْكُرُوْنِيْۤ اَذْكُرْكُمْ[3] حضور و مشاہدہ جمال لایزال حضرت ذوالجلال کا میسر ہوتا ہے اور قرب اور معیت کا معنی جو کہ مضمون اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ[4]۔ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ[5]۔ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ[6] کا ہے (اور) جس کو وصال کے ساتھ تعبیر کرتے

---

[1] عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے ۱۲۔ [2] یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیا کرتے ہیں ۱۲۔ [3] یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ۱۲۔ [4] میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں ۱۲۔ [5] اور میں اس کے ساتھ ہوں جو مجھے یاد کرے ۱۲۔ [6] اور تو اللہ کو یاد رکھ اس کو اپنے روبرو پاوے گا۔

میں ظاہر ہوجاتا ہے اور جو تب و تاب اور قلق و اضطراب محرومی اور مہجوری کے وقت میں برداشت
کیے تھے۔ اُن کے بدلے میں سرور و ابتہاج کی خلعتیں اور ہم کلامی اور سرگوشی کے سر و پا ہاتھ آتے ہیں
غرض پریشانی الفت سے اور وحشت انسیت سے بدل جاتی ہے۔ **دوسرا افادہ** - پھر جب توفیق
کا راہبر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرمست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقا کا مقام پوشیدگی کے
پردہ سے ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور
آگ کے شعلے ہر طرف سے اسے احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاء لطیفہ اُس لوہے کے ٹکڑے کے
نفس جوہر میں داخل کر جاتے ہیں اور اس کی شکل و رنگ کو اپنا جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا
جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اُس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہے کا
ٹکڑا آگ کے انگاروں کے شمار میں ہوجاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خاص
آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے کیونکہ یہ امر تو صریح البطلان ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا
ہی ہے مگر شعلہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہاپن اپنے آثار و احکام کے سمیت
بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مترتب ہوتے تھے وہی آثار و احکام سارے کے سارے
بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مترتب ہو سکتے ہیں یوں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ
ہی پر مترتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کو احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اُس لوہے کے
ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار و احکام لوہے کی
ٹکڑے کی طرف نسبت کیے جاتے ہیں چنانچہ آیت حَتّٰی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْ اُفْرِغْ اس کیفیت کا بیان
ہے اور آیت نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِکَ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ **الغرض** اگر اس حال میں اس آہن پارہ کو
بولنے کی طاقت ہوتی تو سو زبان کے ساتھ اپنی اور آگ کی عینیت اور یکجان ہونے کا شور اور غل مچاتا اور
ضرور خواہ مخواہ ایک ساعت کے لئے اپنی حقیقت سے غافل ہو کر یہ کلمہ بول اٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا
انگارہ ہوں اور میں وہ چیز ہوں کہ باورچیوں اور لوہاروں اور سناروں بلکہ پیشہ وروں، کارگیروں کے
کاروبار میرے ساتھ وابستہ اور متعلق ہیں اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب
کی موجیں اور احدیت کے دریا کی گہری تہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو اَنَا الْحَقّ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی

۱؎ یعنی جس نے اس کلام کو اپنے اختیار و ارادہ سے نہیں کہا ۱۲ ۲؎ سو تیرے سے یہ مراد کیا ہو سکا یعنی میں خدا ہوں ۱۲ ۳؎ کہ جبہ میں سوائے
خدا کے کچھ نہیں ۱۲

اونچی کیا آواز اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِهٖ[1] اور ایک روایت کی رو سے وَلِسَانَهُ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِهٖ[2] اسی مثال کی حکایت ہے۔ اور حدیث اِنَّ اللّٰهَ قَالَ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّهٖ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ[3]۔ اور حدیث یُلْقِی اللّٰهُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّهٖ مَا یَشَاءُ۔ اسی سے کنایت ہے اور یہ نہایت باریک بات اور نہایت نازک مسئلہ ہے۔ چاہیے کہ تو اس میں خوب تامل و غور کرے اور اس کی تفصیل کو دوسرے مقام پر چھوڑے۔ فَمَا اَمْرُ ذَالِکَ فَلَا اَقُوْلُ اِلَّا اَنَّهٗ یَلُوْحُ فَسَاقَ النُّطْقُ عَنْهَا اَخْرَسُ۔ یعنی اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ایسا بھید ہے جس سے بولنے والی زبان گونگی ہے۔ اور خبردار خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے فرمائے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ صادر ہوئی تو جسم اشرف موجودات سے جو حضرت ذات سبحانہ وتعالیٰ کا نمونہ ہے اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے لَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دوں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اسے پناہ دوں گا۔ اور منجملہ لوازم اس مقام کے ایک یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن و بداندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے۔

تیسرا افادہ۔ پھر جب کوئی اور لطیفہ غیبی اور جذبہ لاریبی اس طالب کو پہنچتا ہے تو اس کے ادراک کو نہایت بڑی وسعت اور بے حساب فراخی حاصل ہو جاتی ہے جس کے سبب سے تمام حقائق کونیہ اور موجودات امکانیہ ذات بیچون کے سامنے نیست و نابود نظر آنے لگتے ہیں اور جو نسبت پہلے مقام میں اس طالب کے اپنے نفس اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے درمیان

---

[1] یعنی میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے ۱۲ [2] اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے [3] یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہا اللہ نے اس کی بات کو سن لیا جس نے اس کی تعریف اور حمد کی ۱۲

(باقی بر صفحہ ـــ)

ظاہر ہوتی تھی۔ اب اس مقام پر جو چیز عرصۂ وجود میں ظہور پذیر ہے اس کے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے درمیان ظاہر ہونے لگتی ہے غرض انبساطِ وجود پر حضرت حق کی توحیت کا انبساط اور ان حقائق منکثرہ کا قیام اُس ذاتِ واحد یکتا کے ساتھ اس کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور حدیث لَوْ اَدْلَيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السَّابِعَةِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ کے مضمون کے ساتھ دم مارنے لگتا ہے سبحان اللہ محبت عشق کی کیا عمدہ تاثیر اور تجلی علمی کا کیا خوب جذب ہے کہ ایک مشتِ خاک اس مقدس اور پاک مقام میں کس قدر چالاک ہوجاتی ہے اور اس لیے قدرت نے بڑے رب الارباب کے قرب کی مجلس میں کیا عمدہ جائے نشست اور دخول کا مقام پایا ہے

	کوہ در رقص آمد و چالاک شد طور مست و خر موسیٰ صاعقا		جسم خاک از عشق بر افلاک شد عشق جان طور آمد عاشقا

یعنی خاک کا جسم عشق کی بدولت آسمانوں پر چڑھ گیا یہ پہاڑ عشق کے طفیل رقص میں آیا اور چالاک ہو گیا۔ اے عاشق عشق طور کی جان ہے۔ طور مست ہے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے ہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے وحدت وجود سے دم مارنا اور معارف الٰہیہ کے ساتھ لب کھولنا اور ان ابیات کے مضامین کو پڑھنا:۔

	فاش گر گویم جہاں برہم زنم زندہ معشوق است و عاشق مردہ		آنچہ نے میگوید اندر زیر و بم جملہ معشوق است عاشق پردہ

منجملہ احکام محبت نفسانی کے جس قدر بیان کرنا یہاں ضروری تھا وہ بیان ہو چکا باقی رہی اس مقام کی شرح و بسط خصوصاً مقام فنا اور بقا کی تفصیل پس قوم یعنی صوفیا کی کتابوں سے طلب کرنی

بقیہ صفحہ گذشتہ :۔ لے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو حکم چاہے بھیجتا ہے ۱۲ ؎ یعنی بیشک میرا خدا وہی تمام جہان کا پروردگار ۱۲ ؎ یعنی جس نے سینۂ دل سے دشمنی کی تو میں اسے لڑائی کے لئے میدان کارزار میں للکارتا اور پکارتا ہوں۔ حاشیہ صفحہ ہذا:۔ لے یعنی رب سے پہلے اور پیچھے اور ظاہر اور باطن وہی ہے اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱۲ ؎ یعنی اگر تم رسّے نیچے ساتویں زمین تک ایک رسی لٹکاؤ دو تو وہ اللہ ہی کے علم پر جا کر رسے گی ۱۲۔

چاہیئے اور قدوۃ اولیا اور زبدۃ اصفیا یعنی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس کمال کو قرب النوافل سے تعبیر فرماتے ہیں۔

دوسری فصل۔ طریق نبوت کی امتیازی وجوہ کے بیان میں۔ اور یہ فصل چار ہدایتوں پر مشتمل ہے۔

پہلی ہدایت۔ حب ایمانی کے حاصل کرنے کے بیان میں۔ اور یہ تین تمہید اور چند افادوں پر مشتمل ہے۔

پہلی تمہید۔ جاننا چاہیئے کہ انسان کی اصل پیدائش میں چند چیزیں فطرۃً رکھی ہوئی ہیں اور ان امور کا اچھا جاننا اور ان کی ضدوں کو برا سمجھنا اس کی طبیعت میں رکھا ہوا ہے اور نوع انسان کا ہر فرد بشرطیکہ اس کی جبلت[1] اہل جہل و عناد جنہوں نے اپنی فطرت کو بگاڑ دیا ہے اور اپنی جبلت کے احکام کو برباد کیا ہے کی تقلید کے نقش سے صاف و پاک ہو۔ ان امور کو اپنی اور تمام اپنے ہم جنسوں کی خوبیوں اور فخر کی باتوں سے شمار کرتا ہے اور ان امور کی ضدوں کو اپنے اور اپنے ہم جنسوں کی خوبیوں اور فخر کی باتوں سے شمار کرتا ہے اور ان امور کی ضدوں اپنے اور اپنے ہم جنسوں کے عیب اور نقص کا سبب جانتا ہے اور ابنائے نوع میں سے جس کسی کو ان امور سے خالی اور ان کی طلب و تلاش سے بے رغبت پاتا ہے اسے کم فہموں اور بے وقوفوں کی جماعت سے شمار کرتا ہے اور ان فطری امور میں سب سے عمدہ منعم اور احسان کرنے والے کی محبت اور اس کی تعظیم ہے اور اس کی جانب کو اس کے ماسوا پر ترجیح دینا اور اس کی نعمتوں کا شکر کرنا اور اس کی رضاجوئی میں مشقتیں اٹھانا اور مالوفات کو ترک کرنا اور مرغوبات کو اس کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنے آپ کو اس کے خادموں زمرہ میں شمار کرنا اور اس کے سامنے اپنے نفس کو ناچیز محض دیکھنا اور اس کی مدح و ثنا کے ساتھ زبان کھولنا اور جوارح اور ہاتھ پاؤں کو اس کی خدمت اور طاعت میں استعمال کرنا اور اس کے بار احسان کے نیچے گردن کو پست کرنا اور اپنے اوپر اس کی منت و احسان کو قول اور فعل سے ظاہر کرنا اور مرغوب اور دل پسند چیزوں کو اس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں ترک کر دینا اور اس کی رضاجوئی اور احکام کی بجا آوری کے ارادہ پر دل کو محکم اور مضبوط رکھنا اور اس کے سامنے پست ہونے اور نیاز

---

[1] یعنی شریعت اور طبیعت ۱۲ منہ

کرنے سے عار نہ رکھنا۔ گوناگوں امور اور دشوار و ناگوار کام پیش آجاویں اور امور نفع کو رو بہ
عمل لانا خلاصہ منعم کی حق شناسی کا ہے استقامت رکھنا اور تیشکی کرنا۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ
اچھی فطرت والے انسان کو اپنے منعم کے ساتھ ایک ایسا علاقہ ہو جاتا ہے کہ کبھی مدت العمر اس
کے عہدہ سے کسی خدمت کے ساتھ ہرگز نہیں نکل سکتا اور کسی چیز کو اس کی نعمتوں کا مقابل
دعوا نہیں کہہ سکتا اور اس کی خدمات کی بجا آوری میں محنتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کی جزا
سوائے رضا کے اور کچھ نہیں جانتا اور اگر تو خوب غور اور تامل کرے گا تو افراد انسان میں سے
کسی فرد کو جو فطرت کی خوبی میں اپنے اقران کا سرگروہ اور مانا ہوا ہو اس معنی سے خالی نہ
پاویگا۔ اور صاحب منعم کے ساتھ مدح اور تعریف کرنا اور اس کے ساتھ فخر اور بڑائی کرنا اور
منعم کی ناشکری اور احسان نہ ماننے سے پرہیز اور نفرت کرنا اور نمک حرامی کو گالی اور
دشنام دہی کے مقام میں استعمال کرنا اور اس نوع کے افراد میں جاری ہے۔ مثلاً اگر
تو کسی شخص کو والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور اپنے مولی اور مالکوں کی خیرخواہی اور آقا کی
خدمتگاری اور استاد کی تعظیم اور بادشاہوں کی فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرے تو البتہ وہ شخص
اس گفتگو سے خوش ہو کر اپنے مدائح اور تعریفوں کے شمار کرے گا اور اس مدح سے بہت خوشی
اور فرحت حاصل ہوگی بلکہ اس قائل کی نسبت نفع رسانی کی کوشش اور محبت کا خیال اس کے
دل میں قائم ہو جاوے گا۔ اور اگر والدین کی نافرمانی اور مالکوں سے بگاڑ اور آقا کی نمک حرامی
اور استاد کی اہانت اور بادشاہوں کی بغاوت کسی طرف نسبت کیا جاوے تو البتہ وہ شخص
اس قول کو اپنی مذمت اور ہجو سمجھ کر اس کے قائل کی نسبت رنجیدہ ہوگا اور غصہ اور غضب
میں آکر اس کے قائل کی ایذا رسانی میں کوشش کرے اور حب منعم کا فروع میں سے
یہ ہے کہ اس کے شعائر کی تعظیم کرنا یعنی جن امور کو منعم کے ساتھ ایک خاص قسم کی ایسی مناسبت
ہے کہ جو شخص اس مناسبت سے واقف ہو ان امور کا خیال کرتے ہی منعم کی طرف انتقال
کر جاوے جیسے منعم کے نام اور کلام اور لباس اور منصب کی تعظیم کرنا یہاں تک کہ اس کی سواری
اور درجہ کے مکان کا ادب کرنا۔ چنانچہ جو شخص کو ان امور کا تجاوز ہو امرا و غلام و مصاحبین
کرام وغیرہ حق شناسوں کے ساتھ محبت اور نسبت خاص رکھتا ہو اور انہیں فرمان

بادشاہی اور تخت سلطانی کی تعظیم کرتے دیکھا ہو اور یہ بات پوشیدہ نہیں اور جب
شخص منعم کی تعظیم کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس سبب سے تعظیم کا باعث ہو جاتی ہے جو اس کی
محبت کی تائید کرے اور اس کے شکر کا رواج دے۔ مثلاً جو شخص منعم کی شکر گزاری کے
طور دعوت کرتا ہے یا اس کی خدمت گزاری میں اس محبت کی تائید کرتا ہے یا اس کی
نقل پر السلام اور نماز پڑھتا ہے۔ وہ عزیز معلوم ہونے لگتا ہے اور جب یہ
ترقی میں قلب قوت پکڑ جاتا ہے اور حد سے بڑھ جاتا ہے تو امور کی تعظیم کا سبب ہو جاتا ہے
جو اس محب سے منعم کی تعظیم اور اس کی خدمت گزاری میں ظاہر ہوئے ہوں یعنی ان افعال
اقوال کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو منعم کی نعمتوں کے مقابلہ میں محب لایا تھا اور جو اموال
اس کی رضا جوئی میں خرچ کئے تھے ان کی تعظیم کرتا ہے۔ پس یہ سمجھنا کہ یہ قبیل اپنے
اقوال و افعال پر عجب [illegible] کے قسم سے اور مال کے خرچ کرنے پر فخر کرنے قبیل سے
ہے کیونکہ ان اقوال و افعال و اموال کی دو جہتیں ہیں ایک جہت سے تو محب کے کمالات
ہیں اور ان کی تعظیم و عزت دوسری جہت سے [illegible] ہے نہ قبیل جہت سے اور [illegible] ان امور کی
تعظیم [illegible] اور [illegible] ہے اور [illegible] وہ متعلق ہے کہ امور [illegible] کے [illegible] دست
تغیر [illegible] یا [illegible] کوشش اور [illegible] کیا کرتا ہے کیونکہ ہر انسان عظیم الفطرۃ ہر شخص کو اس
صفت سے موصوف جانتا ہے۔ بالطبع اس کو دوست رکھتا ہے۔ مثلاً اہل سخاوت
شجاعت اور ارباب کرم و مروت خواہ وہ سلاطین ذوی الاقتدار ہوں یا امرا اپنے زمانہ کے
اور لیاقت والے لوگوں میں سے ہر شخص کو ان کو دل سے دوست رکھتا ہے۔ اور ان کی نہایت
عزت و [illegible] کی [illegible] اور زیارت کی خواہش ان کے دل کے اندر مستقر ہو جاتی ہے
خواہ ان [illegible] الاجر [illegible] پہنچا ہو۔ چنانچہ اکثر حضرات ان پر پوشیدہ نہیں حالانکہ
ان بزرگوں [illegible] حقیقت [illegible] کہا جا سکتا کیونکہ سوا حق [illegible] کے
جو شخص امور [illegible] کے ذریعے ہوتا ہے اور [illegible] رسانی میں کوشش کیا کرتا ہے تو
البتہ [illegible] دنیاوی غرضوں میں سے کوئی نہ کوئی غرض اس سے ضرور ہوتی ہے۔ خواہ
خداتعالیٰ کی رضا جوئی یا ثواب جزیل کا مطلب یا نفع [illegible] اخروی سے پہنچے یا اپنے

اخلاق کی تہذیب یا اپنے نام ونشان کی خواہش یا سخاوت وکرم سے مشہور ہونے یا اپنے ہم جولیوں کی مدح اور ثنا کی تمنا وغیرہ اسی قسم کے امور اسی سخاوت اور فیاضی اور انعام کے وقت بیشتر لوگ، اس غرض کو پوشیدہ اور مستور رکھتے ہیں اور محض بے غرضی ظاہر کرتے ہیں اسی لئے اوپر اوپر کی نظر میں جوادِ مطلق کے ساتھ مشابہت پیدا کر لیتے ہیں اسی وجہ سے صاحبانِ فطانت اور دانا لوگوں کی محبت کے مستوجب ہو جاتے ہیں (جب مجازی جوادوں کا یہ حال ہے تو) جوادِ مطلق سبحانہ وتعالیٰ کے کیا کہنے کہ حقیقت میں صفت جود وکرم اسی ذاتِ فیاض میں منحصر ہے اور بس کیا تو دیکھتا نہیں کہ اگر کبھی کسی وقت میں کسی بخشش کرنے والے سے انعام اور فیض رسانی کے وقت اپنی غرض کا حاصل کرنا ظاہر ہو جاوے تو سب عقلمند لوگ، اسے کریم النفسوں اور فیاضوں کی جماعت سے نکال کر کمینوں اور پست ہمتوں کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور منجملہ ان امور کے صمد کی تعظیم۔ اور مراد صمد سے وہ شخص ہے کہ خود بے نیاز ہو اور اس کے غیر کو اس کی طرف حاجت پیش آوے اور صمدیت ایسا امر ہے کہ کمال اور نقصان میں متفاوت ہے کیونکہ کھانے اور پینے اور جماع وغیرہ لوازم حیوانیت سے مستغنی ہونا صمدیت کا ایک مرتبہ ہے اور صحت اور شکل اور رنگ وغیرہ لوازم جسمانیت سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے اور مددگار اور وزیر اور شریک اور مشیر اور آلات اور وسائل وغیرہ لوازم عجز سے مستغنی ہونا اور ایسا ہی جاسوسوں اور ہرکاروں اور خبر نویسوں اور وقائع نگاروں وغیرہ لوازم جہل سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے اور علت سے مستغنی ہونا خواہ فاعل ہو یا قابل جسے دوسرے لفظوں میں وجوب سے تعبیر کرتے ہیں ایک مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے اور دوسرے مراتب فوقانیہ کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور اسی طرح اس کی طرف غیر کے محتاج ہونے کے مراتب بھی متفاوت ہیں کیونکہ حل مشکلات اور دفع بلیات میں محتاج ہونا ایک مرتبہ ہے اور تربیت اور تغذیہ[1] اور تنمیہ میں محتاج ہونا دوسرا مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے۔ اور ہاتھ پاؤں

[1] تغذیہ اور کھلانا پلانا ۱۲ تنمیہ۔ بڑھانا چھوٹے سے بڑا کرنا۔

اور قوتوں کے حاصل ہونے میں اُس کی ایجاد اور عنایت کی طرف محتاج ہونا ایک اور مرتبہ ہے جو اُس سے بھی اوپر ہے اور نفسِ وجود اور بقائے وجود میں اُس کا محتاج ہونا یعنی کتمِ عدم[ئه] اور منصۂ ظہور پر جلوہ پذیر ہونا ایک اور مرتبہ ہے جو اُس سے بھی اوپر ہے اور ان کے سوائے اور مراتبِ فوقانیہ کو انہیں پر قیاس کرنا چاہئے اور صمدیت کے ہر مرتبہ کے مقابل تعظیم کا ایک مرتبہ ہے جو کمال و نقصان میں اُس کی مثل ہوتا ہے یعنی جس قدر صمدیت زیادہ عالی ہوگی اور احتیاج ذاتِ صمد کی طرف قوی تر ہوگا اُسی قدر تعظیم جو اُس کے مقابل ہے زیادہ کامل اور جامع ہوگی۔ غرض صمدیت اور تعظیم ترازو کے دو پلوں کی طرح خیال کرنا چاہئے جس قدر ایک پلہ میں علو اور رفعت ہوگی اُسی قدر پلہ پستی اور تہ نشینی کی طرح جھک پڑے گا۔ اور اس امر کا ثبوت کہ "تعظیم صمد لوازم انسانیت میں سے ہے" یہ ہے کہ جو شخص کسی مذہب کا پابند ہے "خواہ وہ مذہب حق ہو یا باطل" عبادت کو جو غایتِ تعظیم کا نام ہے کسی کے حق میں جائز نہیں رکھتا تاوقتیکہ اُس کی صمدیت ثابت نہ کر لے یعنی عبادت اُسی ذات کی جائز رکھتا ہے جو عابد کو ابنائے جنس کے حوائج سے مستغنی اور بے نیاز ہو اور عابد اپنی حوائج اور مشکلات میں اُس کی طرف محتاج ہو بلکہ ہر مذہب کا آدمی اپنے معبود کے مستحق عبادت ہونے پر اسی صمدیت کی وجہ سے استدلال کرتا ہے اور شارع نے بھی معبودانِ باطل کی معبودیت کو صمدیت نہ ہونے سے باطل کیا ہے کہ جابجا انکی محتاجی کو ثابت کیا ہے اور اُن کے پوجنے والوں کا کسی حاجت میں ان کی طرف محتاج نہ ہونا ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ علم تفسیر میں مہارت رکھنے والوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور منجملہ ان امور کے اہل کمال کی محبت اور ان کی تعظیم ہے اور یہ امر ظہور اور بداہت اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ محتاج بیان نہیں کیونکہ ہر سلیم الفطرۃ جس شخص کو کسی کمال سے موصوف جانتا ہے "جیسے علم و ذکاوت اور قوت و قدرت اور حسن صورت و سیرت اور وقار و تمکین وغیرہ" ضرور دل سے اس شخص کو دوست رکھتا ہے اور جس قدر اس کی تعظیم و تکریم کر سکتا ہے بجا لاتا ہے اور اس کی صحبت

ئه کتم کے معنی پردہ ۱۲ منہ منصہ [illegible] کی [illegible] وجود [illegible] ظاہر ہوکر [illegible] میں تمام مخلوق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی محتاج ہے ۱۲ منہ۔

ہم نشینی میں کوشش کرتا ہے اور چونکہ صفات کاملہ مراتب کمال و نقصان میں بے حساب
تفاوت رکھتی ہیں اسی لئے حب و تعظیم جو ان کے مقابلہ میں ہوگی ناچار متفاوت ہوگی۔ مختصر
خلاصہ یہ ہے کہ جب ان امور میں سے ہر ایک سلیم الفطرۃ انسان کے باطن میں حب عقلی کے
پیدا کرنے کے لئے کافی ہے تو ان سب امور کا جمع ہونا خصوصاً جب نہایت مرتبہ کمال میں ہو تو بیشک
ایسی محبت کے زیادہ ہونے اور بے حساب تعظیم کے پیدا ہونے کا باعث ہوگا جس سے زیادہ متصور
نہیں۔ دوسری تمہید۔ چونکہ منعم حقیقی اور جواد مطلق کے علم میں افراد انسان کے لئے مفاسد
اُخرویہ سے نجات پانے کا وسیلہ و برترین مناصب سے کامیاب ہونے کا ذریعہ اس کے سوا
اور کوئی نہیں تھا کہ حق جل و علا کی نہایت قوی محبت جو اس کی نہایت تعظیم سے ملی ہوئی حاصل
کریں اسی لئے منعم کی محبت اور اس کی مشغل امور جو عین جبلت میں اس کی طبیعت کے اندر
ودیعت رکھے ہوئے تھے انہیں امور کو سعادت جاودانی اور سرمایہ دوجہانی کے اضافہ
کا طریق مقرر کرکے اشرف اور کامل ترین افراد انسان کی زبان ہدایت نشان پر اس امر کی
منادی کرادی کہ اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِعَمِهٖ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت
رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں کھلا کھلا کر تمہاری پرورش اور تربیت کرتا ہے۔ اور کوہ فطرت سے
یہ آوازہ دیدیا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ۔ الخ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت
رکھتے ہو تو میرے قدم بقدم چلو اور لطف اور مہربانی سے بھرا ہوا کلام جو حضرت حق کی نعمتوں
سے مشحون اور آثار صمدیت کی شرح و بسط سے پُر اور صفات کمال کا ثابت کرنے والا اور
نقص و زوال کے داغ کو دور کرنے والا تھا اس کے سلطن میں ڈالا اور ایسی تسبیحات اور
تکبیرات جو کہ اس کی صمدیت کی مظہر ہیں۔ اور ایسی تمہیدات جو کہ اس کے جود و انعامات
سے خبر دینے والی اور اس کے اوصاف و کمالات کی مُخبر ہیں اور ایسی تہلیلات جو اس کے تفرد
بالوہیت کو جو کہ صمدیت کی اصل ہے[له] ظاہر کرنے والی ہیں اور تفرد بربوبیت کو آشکارا

له یعنی ایک طرف کا ہو کر اپنے چہروں کو دین کے لئے سیدھا کر جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس
فطرت کو لازم پکڑ اسے منافی نہ ہونے دے۔ اللہ کی پیدائش کا بدل جائز نہیں۔ یہی دین سیدھا ہے ۱۲ سله یہود و نصاریٰ نے
یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دی ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا کہ ہم ملت ابراہیمی کو تھامے رہیں گے جو سب
باطل دینوں کو چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا تھا ۱۲ سله پیدائش

کرنے والی ہیں" جو کہ بخشش وانعامات کی اصل اور حمائد و کمالات کی بیخ و بنیاد ہے"
انکی افراد کے واسطہ سے تعمیم فرمادیں اور محض اپنے فضل وکرم افصح العرب والعجم
کے بیان بلاغت نشان سے وہ آیات واضح کردیں جو آفاق و اطراف عالم میں مبثوث[1] وپراگندہ
تھیں اور ذوات و نفوس مستتر[2] اور پوشیدہ تھیں اور وہ عجائبات آشکارا کر دیئے
جو اجرام علویہ اور اجسام عنصریہ خصوصاً نوعِ انسان کے اندر رکھے ہوئے تھے یعنی اس
کی ایجاد میں بہت سے تغیرات اور تحولات جیسے نطفہ ہونا اور علقہ[3] اور مضغہ[4] بننا جو مادہ
پر گذرتے ہیں۔ اور اس کی تصویر اور نقاشی رنگہائے خوشنما اور صورت ہائے
دل ربا اعضائے متناسبہ اور قوئی متخالفہ کا ایجاد کرنا اور اس کی تربیت میں غذا پہنچانا
اور نشو ونما دینا اول تو شکم مادر میں ثانیاً صغر سن اور بچپن میں ثالثاً جوانی اور کلاں
سالی میں اور رابعاً بڑھاپے اور شیخوخت میں پھر دفع بلیات اور حل مشکلات اور
اغاثت ملہوفین اور اجابت دعائے مضطرین اور اس کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کا
بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا تاکہ جو امور خمیرۂ فطرت کے اندر مستور تھے منصۂ
ظہور پر جلوہ گر ہو جائیں اور دین حنیفی اُن کے نصیب ہو۔ جس کے معنی بجز تکمیل فطرت
کے اور کچھ نہیں ہیں" چنانچہ مضمون اس آیت کا فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ
اس امر کا شاہد ہے اور مدلول آیت بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا۔ اس پر دال ہے۔

تیسری تمہید۔ جاننا چاہئے اگرچہ اقوال وافعال فروع و توابع احوال ہیں لیکن
بعض وجہ کے لحاظ سے ان کو احوال سے مقدم اور کُل بھی شمار کرسکتے ہیں کیونکہ اعمال اور
اقوال قالب اور بدن کے حکم میں ہیں اور احوال بمنزلۂ روح اور جان کے ہیں اور جس طرح
قالب بے جان جمادات کی جنس سے شمار کیا جاتا ہے اسی طرح جان بے قالب

---

[1] مبثوث کے معنی پھیلی ہوئی۔ [2] مستتر چھپی ہوئی [3] علقہ جما ہوا خون [4] مضغہ۔ گوشت کی چھوٹی سی بوٹی جو منھ میں ڈال کر چبائی جاسکے ۱۲

زیور کمالات سے عاطل بزم خستہ ہے۔ مثلاً گالم گلوچ اور مار پیٹ اگرچہ کیفیت غضبیہ کے فروع ہیں اور قوت غضبیہ احوالِ قلبیہ سے ہے لیکن ان آثار کو اس کے متممات اور تکملات کے مرتبہ میں سمجھنا چاہیئے کیونکہ اگر کسی کو حالتِ غضب یا فرحت عارض ہو اور اس کے آثار جیسے سب وشتم یا نعرہ و سرود سرائی اور ضرب و تجلید یا عیش ونشاط کے اسباب کی آرائش و عشرت وانبساط کی محفلوں کا ترتیب دینا اور اس کی مثل اور افعال و اقوال زجریہ یا غضبیہ کے ظہور سے حیا مانع آئے تو آپ یا غضب اور فرحت وساوس نفسانیہ کی حبس سے شرار ہو کر فوراً غضب کی آگ میں لپیٹ منطفی ہو جاتی ہے اور فرحت کا انبساط انقباض اور پژمردگی سے بدل کر باطل ہو جائے گا اور اس حالتِ قلبیہ تائید اقوال لسانیہ اور افعال جسمانیہ کے کرتے ہیں تو البتہ اسے قوت اور تزاید و ترقی میسر آجاتی ہے اور وسعت و احاطہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح منعم جواد کی محبت اور صمد کی تعظیم اپنے کمالات میں اعداد و اندازے منزہ ہے اگرچہ امورِ قلبیہ اور حالاتِ نفسانیہ میں سے ہے لیکن اقوال محبت انگیز اور افعال تعظیم آمیز اس کو دوبالا کرتے ہیں اور وہ آب وتاب بخشتے ہیں جو اہلِ وجدانِ سلیم پر مخفی نہیں اور ان امور کے سوا وہ حالتِ قلبی ایسی ہو جاتی ہے جیسے ماخذ گم نا کاتب شہسوار بے اسپ جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

پہلا افادہ۔ واضح ہو کہ مرد سلیم الفطرت جو ازل الآزال سے زمرہ اہل سیادت میں لکھا جا چکا ہے اور بارگاہِ الٰہی سے ایک عنایت مخفی اس کے بارہ میں مرعی رکھی گئی ہے۔ جب اپنے گوش ہوش سے اس امر کو سنتا ہے کہ اس کا خالق حقیقی کہ جس نے نعمہائے جسمانیہ ونفسانیہ اس کو بخشی ہیں۔ صمدیت کے برترین مراتب میں اور وجود بخشش کے بلند ترین مناصب میں واقع ہے اور کامل ترین اوصاف اور بہترین نعوت سے متصف ہے اور نقص کے سمات سے منزہ اور زوال کی صفات سے مبرا ہے اور یہ مخلص قوی ترین

۱۔ سمیت زدن کی فریاد کو پہنچنا ۲۔ [illegible] مستغنی کرنا اور بخشش کرنا [illegible] کا لوازم ۳۔ [illegible]
[illegible]

مراتب احتیاج میں واقع ہے کیونکہ ہر گھڑی اور ہر ساعت میں ہر ہر چیز کے لئے اُس
کا محتاج ہے۔ یہاں تک کہ اپنے جوارح اور اعضا رئیسہ بھی اس کا محتاج ہے گویا
کہ اس کا تمام وجود حاجت اور منعم حقیقی کی نعمتیں باوجود کمالِ صمدیت اور بے پروائی کے
ہر ساعت بارش کی طرح برس رہی ہیں اور بصیرت کی آنکھ سے ان آیات اور نشانات
کو دیکھتا ہے جو آفاق وانفس میں پراگندہ اور پھیلی ہوئی ہیں اور ان عجائبات
پر نظر ڈالتا ہے جو از سمک تا سمک اور از ثریٰ تا ثریا بلکہ از عرش تا فرش خاصکر
ذریہ انسان میں خصوصاً اُس ناظر کے اپنے نفس و ذات میں جن کے بعض کی طرف
شروع کلام میں اشارہ گذر چکا ہے مبسوط اور پھیلائی ہوئی ہیں تو لامحالہ امور مذکورۃ الصدر
جو اس کی فطرت میں ودیعت رکھے گئے ہیں ایک جنبش پیدا کرتے ہیں اور اس کے
جذبے کو تیز کر دیتے ہیں اور اس کی تہہ دل سے منعم حقیقی کی نسبت بڑی حُب اور
نہایت درجہ کی تعظیم اُٹھ کھڑی ہوتی ہے ایسے افعال واقوال کے ظہور کا تقاضا کرتی ہے
جو اس کی تعظیم اور اس کے شکر پر دال ہوں اور اُس کی صمدیت اور اس کے کمالات کے
شایان شان دکھلائی دیں اور ایسے اموال کے بذل و خرچ کر ڈالنے کی مقتضی ہوتی ہے جن
سے اس کی رضا و خوشنودی حاصل ہو سکے۔ پس ان کے تسبیحات و تحمیدات و تکبیرات
جو افعالِ خضوعیہ اور حرکاتِ تعظیمیہ کے ساتھ ممزوج بلکہ بعنوانہ ان معانی کے جو اول کلام
میں مذکور ہو گئے ہیں ان سے سرزد ہونے لگتے ہیں خصوصاً تہلیل جو اس کے اعلائے مراتب
اور اقوی مقام ربوبیت سے متفرد و یگانہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اس سے ظاہر
ہونے لگتی ہے خصوصاً اُس کلام پاک جو امور اربعہ مذکورہ کا ایسی وجہ پر
شارح و مفسر ہے جس سے بڑھ کر متصور نہیں باوجودیکہ وہ کلام پاک شعائر محترم کی
تعظیم سے مخلوط و ممزوج ہے پس اُس کلام پاک کو وہ مومن پاک کمال تعظیم سے بحیثیت تدبر
معانی کے اُس وجہ سے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے زبان پر لاتا ہے اور ان اذکار کے

ع۔ مرحم باران ۱۲ ع۔ از زمین سے آسمان تک ۱۲ ع۔ خواہش کا تعالی ۱۲ ع۔ لا الہ الا اللہ کہنا

لذت خصوصاً اُس کلام کی عظمت اُس کے قلب و عقل کو مالا مال کر دیتی ہے۔ اور الفاظ کی شیرینی اور مضامین کی رنگینی اُس کے دل کو شکار کر لیتی ہے اور اس کے ہوش و عقل کو سر بسر روشن و نورانی کر دیتی ہے اور خیالات منتشرہ اور وساوس پراگندہ اور آمانی باطلہ اور عزائم عصیان اور حب و تعظیم ماسوی اللہ کو پاش پاش کر کے لاشے اور فانی کر دیتی ہے اور اس کے عقل اور دل کو الواث[عہ] بہیمیہ سے پاک کر دیتی ہے یہ ہے ذکر اُس قوم کا اور ہم نے اس کا نام ذکر لسانی رکھا ہے اور چونکہ ابتدائے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ اقوال لسانی اور افعال جسمانی سے احوال نفسانی کو تائید عظیم بہم پہنچا تا ہے اور آپ و تاب عظیم میسر ہوتی ہے پس بنا بر علیہ ذکر مذکور امور اربعہ فطریہ کی زیادتی اور ترقی کا باعث ہو جاتا ہے اور ایک الفت اور تعظیم جدید ذاکر کے وجود سے فوارہ کی طرح جوش مار اٹھتی ہے اور حب و تعظیم کا جوش اور اقوال و افعال کے صدور کا متقاضی ہوتا ہے۔ اسی طرح جانبین سے یہ سلسلہ چلتا جائے گا تا کہ تہلیل کا مضمون جس کے معنی حضرت حق سبحانہٗ کا یگانہ ہونا الوہیت اور ربوبیت اور فضائل ذاتیہ اور فواضل متعدیہ میں اقتضائے مراتب استغنا اور اوسع وجود عطا کے ساتھ متصف ہونا اور انعام و تاثیرات کے وسائط کا نظر سے گر جانا اور ان کی طرف التفات کرنے سے اعراض اور روگردانی کرنا اور ان کے حال سے بالکل بے اعتنائی اور لاپروائی کرنا اُس کے دل میں قرار پکڑ جاتا ہے اور نہایت مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تمام کائنات جو عالم کون میں ظہور پذیر ہیں اور آئندہ ظہور پکڑ جاتی ہیں تمام کو بلا واسطہ اُس کی قدرت کاملہ سے متعلق و وابستہ جانتا ہے اور جو انعام کہ اُس پر اور اُس کے امثال پر فائض ہوتا ہے سب کو بلا حجاب اُس کی تربیت بالغہ کے آثار شمار کرتا ہے اور جو کمال کہ موجودات کے ذرات میں سے کسی ذرہ میں چمکتا ہے سب کو اُس کے جمال لایزال کا عکس سمجھتا ہے اور جو نقصان ممکنات میں سے کسی ممکن کے اندر ہوتا ہے سب کو اُس کے بارگاہ جلال سے دور اعتقاد کرتا ہے پس ساعۃً فساعۃً

عہ الواث : [illegible] جسم گناہوں کے مقر کلیہ ارادے

اُس کی قدرت کے عجائبات کے دریا میں غوطے لگاتا ہے اور بلبلے کی طرح باد حیرت کے سوا کچھ ہاتھ میں نہیں لاتا۔ اَنَاً فَاناً [illegible] اُس کے انعامات کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور بجز مضمون عجز و خجالت اور اُس کی نعمتوں کے حقوق کے ساتھ قیام نہ کرسکنے کے سوا کچھ نہیں حاصل کرتا۔ بے فکر اُس قوم کا اور ہم نے اُس کا نام رکھا ہے مراقبہ صمدیت

دوسرا افادہ (۲)۔ جب یہ شکر حد کمال کو پہنچ جاتا ہے اور الفت بشدید مضمحل کردیتی ہے اور ایک ایسی حالت طاری ہوجاتی ہے کہ اُس کی تشبیہ بجز گھل جانے نمک کے پانی میں یا اضمحلال شبنم کے آفتاب کے سامنے اور کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی اور اُس کی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ اگر اوپر دیکھتا ہے تو تمام آیات و عظمت اور انعام کی پاتا ہے اور اگر پاؤں کے نیچے دیکھتا ہے آثار عظمت و انعام دیکھتا ہے۔ اور اگر اپنے اندر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے باہر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے آپ کو اُس کی خدمت اور اس کے انعام کے شکر میں خاک سے برابر کردے بلکہ خاکستر برباد دادہ بنا ڈالے اور پھر اس سعی بلیغ کو اپنے خیال میں اُس کے انعامات سے موازنہ کرتا ہے اور عقل کی ترازو میں اُس کی عظمت کے ساتھ تولتا ہے تو انفعال اور شرمندگی کا دریا اپنے دل کی پیشانی سے ٹپکا دیتا ہے اور اپنے آپ کو اُس میں مستغرق جانتا ہے بلکہ اپنے جوارح اور اپنی قوتوں کو بھی منجملہ اُس کی نعمتوں کے شمار کرکے اور اُس کی قدرت کے عجائبات کو پہچان کر نہایت درجہ کی محبت اور تعظیم باہم پہنچاتا ہے۔

حیرت منادم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اور جس وقت اُس کا مبارک نام زبان پر لاتا ہے تو اس کا تمام باطن اُس عظیم کی عظمت اور حلاوت سے اس طرح لرزے میں آجاتا ہے جس طرح نسیم سحری کی تاثیر سے شاخ درخت

۱ے عظیم جہت بڑی ہے ۲ے نعمتیں جو دوسروں کو پہنچی ہوئی ہیں ۳ے نابودگی و گم شدگی ۴

بندہ اور اس کے ہر بن مو سے اپنے عجز اور احتیاج کی ندا اور اس (ولی النعم) کی بے نیازی اور استغناء کا آوازہ فوارہ کی طرح جوش مار اٹھتا ہے پس اس الفت مذکورہ کو جو کہ نہایت تعظیم سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور مومن کے ظاہر و باطن پر مسلط ہو جاتی ہے حبِ ایمانی سے ملقب کرتے ہیں اور چونکہ اس حب کا تخم مومن کے عقل کی خاک پاک میں جو اتباعِ ہوا اور اختراعِ بدعت سے خالی ہے بویا ہوا ہوتا ہے اس لئے ہم اس کا نام حبِ عقلی رکھتے ہیں اور اس وجہ سے کہ شارعؑ نے اس حب کی طرف دعوت کی ہے اور اپنے بندوں کی مدح کے مقام میں اسی کو ذکر کیا ہے اور دین کے تمام ارکان اور آداب کو اسی حب کے حاصل کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہے اس لئے ہم اسے حبِ ایمانی سے بھی نامزد کرتے ہیں۔

دوسری ہدایت ۔ حبِ ایمانی کے موَدّات کے بیان میں —— اور وہ دو تمہید اور تین افادہ پر مشتمل ہے۔

پہلی تمہید ۔ مخفی نہ رہے کہ حبِ ایمانی کے حصول کے اسباب اصل اور اس سعادتِ جاودانی کی موَدّات کی بیخ و بنیاد حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا اختیار اور اس جوادِ مطلق تعالیٰ شانہ کا اصطناع (مہربانی کرنا) اور اصطفاء (چن لینا) جو کہ ازل الآزال میں اس ذرہ ناچیز کا نصیب ہو کر اسے زمرہ مقبولان سے مشرف کر دیا ہے۔ پس وہی اجتبائے ازلی اس ذرۂ ناچیز کو حضیضِ خاک سے اٹھا کر ذروۂ افلاک تک کشاں کشاں لے جاتا ہے اور ہر مقام میں ایک لطفِ جدید اور تربیتِ مناسب اس سے ظہور میں آتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ اجتبائے فطری مستور الاثر اور مفقود النتیجہ ہوتا ہے اور بعض امور مناسبہ کی ملاقات سے خفا کا پردہ اس کے چہرہ سے دور ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے آثار ظہور پذیر ہوتے جاتے ہیں۔ بنا بریں ان امور کا مُعِدّ موَدّات اور آثار کے شمار کر سکتے ہیں اگرچہ مؤثرِ حقیقی اور سببِ اصلی وہی نورِ ازلی ہے کہ جو ابتدائے آفرینش سے اس کی طبیعت کی تہ میں ودیعت رکھا گیا تھا کیونکہ ان امورِ موَدّہ کے اضعاف مضاعف سے ان آثار کے عشر عشیر[1] کا حاصل ہونا مستبعد معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ

---

[1] دسویں حصہ کا دسواں حصہ یعنی سوواں حصہ۔

اس قسم کے الطاف اس قسم کے وظائف پر مترتب ہوں۔

دوسری تمہید۔ جاننا چاہیے کہ اگرچہ اس سرمایۂ سوالات کے مؤیدات کو تقریر اور تحریر میں مقید کرنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن امر ہے لیکن مقولہ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ[۱] کے بموجب ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ صاحبانِ عقل و دانش غیر مذکور پر قیاس کر کے حقیقت کا سراغ لگا لیں۔

پہلا افادہ: حبّ ایمانی کے عمدہ مؤیدات سے ایک امر یہ ہے کہ شریعت کے اتباع پر دلی ارادہ کو پختہ اور مضبوط کریں اور موافقت سنت پر بکمال رغبت کریں۔ اور بدعت سے نہایت درجہ نفرت کریں اور اللہ تعالیٰ کی محکم رسی کی قوت اور زور سے پنجہ مارنا یعنی کتابِ مبین اور سنتِ رسول امین کا ظاہر و باطن سے پورا اقتدار کرنا اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کمر ہمت کو چست باندھنا اور اس جل جلالہٗ کا اعتقاد اور تعظیم اور اس کے شعائر کا ادب خصوصاً شرع کا ادب جو کہ اعظم شعائر ہے۔ خوبی سے درست کرنا یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے عباداتِ شرعیہ کا کثرت سے بجالانا ہے یا وسواس کو بہم پہنچانا جسے عوام الناس تقویٰ کے نام سے ملقب کرتے ہیں بلکہ مقصود اس سے عقائدِ شرعیہ پر قلب کا اطمینان ہوجانا اور اوامرِ دینیہ کی نسبت سے دل میں محبت اور رغبت اور تعظیم کا جوش مارنا اور خالقِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں خلق کی موافقت اور مخالفت کی کچھ پروا نہ کرنا اور مانع اور علائق کے اٹھانے میں ارادہ کا محکم کرنا۔ چنانچہ اپنے منعم کی رضا جوئی میں اپنی جان و مال کو برباد کرنا اور اس کے اوامر کی بجا آوری میں اپنے سر و سامان کو ہار دینا اپنی ہمت عالیہ کے سامنے ایک جو کے برابر بھی شمار نہ کرے۔ جب خالق و مانع کو اپنی ہمت کی ترازو میں اس کی رضا جوئی سے موازنہ کرے ذرہ کے برابر بھی اس کا وزن نہ سمجھے بلکہ اس کی بصیرت کی آنکھ میں ان دونوں کا موازنہ ایسا دکھائی دے جیسے تنکے کو پہاڑ سے تولنا اور اپنے دل میں اس مانع کے اٹھانے

---

۱ یعنی جو چیز ساری کی ساری حاصل نہ ہوسکے اس کو بالکل ہی نہ چھوڑ دینا چاہیے بلکہ کچھ نہ کچھ حاصل کرنا چاہیے جتنا ہوسکے ۱۲

اور اس عائق کے ہٹانے پر دلیری پائے اور باعتبار ہمت (مردانہ) اپنے آپ کو اس پر غالب اور زبردست سمجھے اگرچہ وہ عائق نہایت سخت اور دشوار گذار ہو۔ پہلوان انہیں تن کی طرح کہ رقیبوں کی ہم سری کی آوازیں اور ماہر جوانوں کے میدان میں نکلنے کے وقت اس کو مست کر کے لڑائی کے میدان میں کھینچ لائیں پس وہ شیر مست بہادری کے اور بیدلی کے نشہ کے سبب سے کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں جانتا بلکہ اپنے دل میں یقیناً جانتا ہے کہ جس کی طرف ہمت کا سر اٹھاؤں گا اور جدھر عزیمت کا رُخ کروں گا فوراً بے حقیقت چیونٹی کی طرح پامال کر ڈالوں گا اگرچہ رستم زمان و افراسیاب وقت ہو اور یہ ایک وجدانی امر ہے کہ تقریر و تحریر کا دائرہ اس کے بیان و تصویر سے تنگی کرتا ہے۔ بجز وجدان صحیح اور قلب سلیم کے کسی کو اس کارخانہ میں دخل نہیں۔ ع لذت مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

دوسرا افادہ۔ منجملہ موکدات حُبّ ایمانی کے جانب حق جل وعلا کو جانب نفس پر ترجیح دیتا ہے۔ اسی طرح کہ نفس میں اس سے ایک قسم کا انکسار اور شکستگی پیدا ہو جائے اور صفت بہیمیت کی بنیاد میں اس سے انقلاع ظاہر ہو جائے اور جو امور اس انکسار کے باعث اور اس انقلاع کے موجب ہوتے ہیں ان میں بحسب اختلاف اشخاص اور اوقات میں بڑا تفاوت اور فرق ہے۔ مثلاً جو شخص کھانے پینے کا فریفتہ ہے اور مکھی کی طرح نان وحلوہ پر گر پڑتا ہے اور اس کی بہیمیت کے دور کرنے میں ان امور کی خواہش کو ترک کرنا اور غیر کو اپنے اوپر محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ایثار کرنا "حسب جگہ نہ ایسی چیزوں کی حصول کی طمع ہو نہ حق شناسی اور خدمت گذاری کی امید ہو اور نہ وہ ہو ایثار سے مشہور نیک نام ہونے کی توقع ہو" علیٰ ہذا القیاس۔ ہم اس شخص کی تطہیر قلب میں جس کی فطرت میں عورتوں کی عشق بازی اور شہوت رانی رکھی ہوئی ہے اگر اس کو حسن واتفاق وبیاوری بخت واقبال سے معشوقہ ذات جمال اور محبوبہ صاحب حسب و مال رقیبوں سے بچا کر آملے تو اس خوشی کے وقت میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے کیلئے

عہ اکثر جاتا اگر جاتا ہو۔ منہ صاحب جمال ۱۲

کے لئے اور اس کے عذاب سے ڈر کر زنا سے پرہیز کرنا باوجودیکہ رغبت مصاحبت طرفین کے دامن گیر حال ہے اور شوق و شہوت جوشش زن ہے اور کسی مانع طبعی اور عرفی کا نام و نشان نہیں حالانکہ اس معشوقہ کا وصال حاصل کرنے میں اس نے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائی تھیں بہت سے اموال خرچ کئے تھے" دخل عظیم رکھتا ہے۔ اسی طرح بخیل مال پرست و ضعاں طالب عزت و نام کے لئے محض لوجہ اللہ بے حساب مال خرچ کرنا" اس حیثیت سے نام و نشان کی طلب اور مبذول علیہ کی مداحی اور حق شناسی کی امید نہ ہو یا اس کے کسی پہلو احسان کا عوض یا مکافات یا آئندہ اس سے کسی منفعت کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو یا سخاوت وجود سے مشہور ہونے کی توقع نہ ہو" ایسا کام کرتا ہے کہ اس کے غیر میں نہیں کرتا اسی طرح مفلس فقیروں اور ذلیل مسکینوں کے ساتھ تواضع کرنا باعزت اغنیا کے حق میں جو اپنے اقران و امثال میں عزت و جاہ سے ممتاز ہوں اور نام و نشان سے زمانہ بھر میں مشہور ہوں۔ اسی طرح ہلاکت کی جگہوں میں پیش قدمی کرنا" جہاں جان و مال کا تلف ہونا اور عیال و اطفال کی بربادی نظر آتی ہو" اہل تخمین و بزدل لوگوں کے حق میں جنھوں نے میدان کارزار اور معرکہ نبرد کا چہرہ آنکھ سے دیکھا اور زمانے کے گرم و سرد کو مطلق نہیں چکھا۔ اور اسی طرح بحث و مناظرہ میں سکوت کرنا اور سچی بات میں جھگڑا چھوڑ دینا اور اپنی نافہمی اور غلط فہمی کا اقرار کرلینا ان علماء کے حق میں جو ذکاوت و تبحر میں مشہور ہیں اور قوت مناظرہ اور خصم (جانب مخالف) کے ساکت کرنے میں نامور ہیں اور توجیہ اور تاویل کے فن میں ید طولی رکھتے ہیں اور حل اور منع میں کعب علیا رکھتے ہیں اور اسی طرح ابنائے جنس اقران پر حسد نہ کرنا اور نام و نشان کی مطلق پرواہ نہ کرنا اور اہل زمان میں امتیاز کا طلب نہ کرنا اور خوارق و کرامات و کشف وقائع

لہ یعنی پوری طاقت سے بڑی دسترس عہ یعنی گم جس اسراف سے مال خرچ کرنا ایسی تاثیر رکھتا ہے ۱۲

لہ یعنی پوری طاقت ۱۲ سے یعنی بڑی دسترس ۱۲ عہ مشغول کرنے میں اور مدعی کو لاجواب کرنے میں ۱۲

آئندہ اور دعاؤں کی قبولیت کے اظہار میں کوشش کرنا ان اشغال کے حق میں جو قوت تاثیر سے موصوف ہیں اور کشف و وقائع میں مشہور رہیں ہو تو اختلاف اشخاص کے متعلق جو تفاوت تھا اس کا بیان ہوا لیکن بسبب اختلاف اوقات کے جو فرق ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ دیکھو تو یہ پانی کا پیالہ ہے جیسے سیرابی کے وقت میں خصوصاً آباد شہروں میں اور بازاروں نہروں کے کنارے پر اس کو کوئی ٹکے کے بدلے بھی نہیں خریدتا پھر ناگاہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ ایک لق و دق بے آب و گیاہ میدان میں گرفتار ہو جاتا ہے اور شدت پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو جاتا ہے پس ہزار رنج و جہد سے آب زلال کا ایک پیالہ کہیں سے پیدا کرکے اپنی تمام ہمت سے اس کی طرف متوجہ ہو کر اور اپنی زندگی کو اسی میں منحصر سمجھ کر اس پیالہ آب کو ہاتھ میں لے کر چاہتا ہے کہ خشکی لب اور سوزش سینہ کو اس آب زلال سے دور کرے اور اپنی جان کو ہلاکت سے نجات بخشے اس اثنا میں ایک اور شخص جو اسی حال میں گرفتار تھا اس کو اپنے اوپر ایثار کیا اور گویا کہ اپنی جان کا عرق نکال کر اپنے جگر سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اس شخص کو دیدیا اور اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ ہر طالب علم جو مدرسہ میں بیٹھا ہے اور ہر فقیر جو کسی خانقاہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہوتا ہے بلکہ ہر مسلمان جو کسی مسجد میں آمد و رفت رکھتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق جہاد؟ ہے پس ناگاہ ایک ایسا وقت آ پہنچتا ہے کہ اس میں اظہار کلمۂ حق جانبازی کا موجب اور ایذا و رسوائی کا سبب ہوتا ہے لیکن اس میں کسی سنت کا زندہ کرنا یا کسی بدعت کا معدوم کرنا آتا ہے ایسے وقت میں کلمۂ حق کہنا بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے) الغرض ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہی سہل اور آسان کام ہیں کہ بحکم عادت اکثر کم عالی ہمت شخص ان کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کاموں کے لیے چنداں پرواہ نہیں کرتا اور جو کام اپنے تامل کے نقش ہیں کچھ نظر نہیں آتے پھر ایک ایسا وقت آ پہنچتا ہے کہ یہی امور افضل عبادات اور مشکل ترین ریاضات ہو جاتے ہیں اور ذاکر کے نفس میں ایسی تاثیر پہنچاتے ہیں کہ ان سے ہزار چلہ کشی سے اتنی تاثیر کے حاصل ہونے کی امید نہیں ہوتی۔ **تیسرا افادہ:۔** وہ حب ایمانی کے مقدمات کے متعلق بڑے مواقع عظیمہ میں کیسی نفل کا واقع ہونا ہے۔ چنانچہ شریعت کی تائید اور سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے نابود کرنے

لہ یعنی طاقت ۱۲ سلہ یعنی بڑائی کو سمجھ کر ۱۲

میں کوشش کرنا یا طریق حقہ میں سے کسی طریقت کا رواج دینا یا مقبولانِ بارگاہِ حق تعالیٰ میں سے کسی مقبول کی امداد کرنا یا اہلِ بلا یا مصائب میں سے کسی مظلوم ستم رسیدہ کی فریاد رسی کرنا یا یا اہلِ حوائج ضروریہ ضرر رسیدہ کان میں سے کسی عاجز کی اعانت کرنا یا کسی اہلِ قلق و اضطراب کی تسلی کی کوشش کرنا یا کسی پیچ و تاب کے گرفتار سے حالتِ حیرت تا دیر کا دور کرنا اور اسی طرح ایسی سعی و کوشش جس سے نفعِ عام ظاہر ہو یا اس کی وجہ سے اصلاح ذات بین الناس حاصل ہو اگرچہ یہ سعی نفس پر چنداں شاق نہ گذری ہو اور چنداں صرف اموالِ کثیرہ یا اوقاتِ عزیزہ کا موجب یا بذل و مرغوبات اور ترکِ مالوفات کا باعث نہ ہوئی ہو۔ فائدہ: عاقل ماہرِ فنِ حدیث پر پوشیدہ نہ رہے کہ احادیثِ رسولِ دین اور آثارِ سلفِ صالحین میں جو اعمالِ سہل اور تھوڑے تھوڑے اعمال پر بڑے بڑے ثمراتِ کثیرہ کا مترتب ہونا ذکر ہوتا ہے۔ اجمالاً اس کی وجہ یہ سمجھنی چاہیئے کہ یہ اعمال یا دوسری قسم سے ہوں گے یا تیسری قسم سے اور اگر یہ شرائط صادر ہوں تو اپنے فاعل کے نفس میں حبِ ایمانی کے پیدا ہونے کو واجب کرتے ہیں اور حبِ ایمانی بحسبِ مراتب خود خود کما و نقصانات بالذات موجبِ نجات اور سببِ رفعِ درجات ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری ہدایت: حبِ ایمانی کے اقسام کے بیان میں، اور یہ مشتمل ہے چند افادوں پر

پہلا افادہ: حبِ ایمانی کے عمدہ آثار میں سے تمام محبت و خواہش حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے اوامر کی تعمیل میں فنا ہو جانا اور اس کی رضا جوئی تک پہنچانے والے مقبول طریقت کی اشاعت میں کوشش کرنا اور لوگوں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف دعوت کرنے میں جد و جہد کرنا اور ترکِ بدعت و فساد کی طرف ان کو ہدایت کرنا ہے مکالمہ و مشاہدہ اور حصولِ مقاماتِ فنا و بقا اور حقائقِ اشیاء کے مکشوف ہونے کی طلب تمنا کرنا ہے اور ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ مراد اس کلام سے ان کا محروم ہونا ہے ان مقامات سے یعنی یہ کہ صاحبانِ حبِ ایمانی ان درجات پر ترقی نہیں پاتے حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں، بلکہ سب لوگوں سے یہ بزرگ زیادہ تر سعادتِ مشاہدہ و مکالمہ سے کامیاب ہونے والے

ـــہ بذل کے معنی خرچ کرنا۔ مرغوبات: پسندیدہ چیزیں ۱۲۔ مالوفات: دلپسند چیزیں ۱۲

ہیں اور مہیا بنائے قضا کے شہسواروں میں زیادہ تر چالاک اور معارف و انکشافِ حقائق اشیاء کے سمندروں میں سب سے بہتر تیراک ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا مقصودِ اصلی اور مرادِ دلی بجز رضائے مولیٰ و اطاعت مصطفےٰ اور کوئی چیز نہیں ہوتی اگرچہ وہ مقامات رفیعہ اور درجات عالیہ کسی طریقہ کسبی یا محض عنایات و جذبات وہبی سے ان کے نصیب ہو جائیں۔ بیت

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب ۔۔۔ کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمنائے

الغرض صاحب اس حب کو سوائے طلب رضائے مولیٰ اور بجز اس کی فرمان برداری کے اور کوئی کام نہیں اور ایسے امر اور قصد سے جو کہ اس کی فرمانبرداری میں خلل انداز اور اس کے غصہ اور غضب کا موجب نہ ہو۔ اسے کچھ عار نہیں اور وہ حالات نفسانیہ اور ملکاتِ قلبیہ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ترقی اور زیادتی میں کام نہ آئیں اس کے کسی کام کے نہیں اور اسی استغراق محبت اور فنائے محبوبیت کے نتائج سے ہے کل ماسوی اللہ سے تمام علائق حبیہ اور بغضیہ کا "جن کا منشا رضا جوئی خداوندی کا نہ ہو" منقطع ہو جانا اور خوف خدا اور ان تمام امور کی اصل ایک حالت ہے حالات قلبیہ میں سے کہ اس کا نام وثوق و اعتماد علی تربیۃ اللہ ہے جیسے ایک غلام فرمانبردار کو اپنے مولائے مشفق کی تربیت پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ غلام اسی اعتماد کی وجہ سے اپنے حوائج کے حاصل کرنے کی فکر سے ہر حال میں فارغ البال رہتا ہے اور غم اور فکر کی فوجیں اس کے دل پر ہجوم نہیں کر سکتیں اور اپنے مولا کے سوائے اور کسی کا خوف اور کسی دوسرے کی امید اس کے دل میں راہ نہیں پا سکتے اور اپنے مولیٰ کے مال و ملک میں اس کی اجازت سے بے کھٹکے تصرف کرتا ہے اور اس کے نافرمان غلاموں اور سرکش چاکروں اور نوکروں پر دلیری سے حملہ کرتا ہے اور یہ اعتماد قلبی توکل کی روح ہے اور باقی امور اس کے قالب ہیں یہ مت سمجھنا کہ توکل کا مقتضا اسباب عادیہ کا مطلق ترک کر دینا ہے نہ بلکہ اسباب پر اعتماد کا چھوڑ دینا۔

بیت :-

گفت پیغمبر بآواز بلند ۔۔۔ بر توکل زانوئے اشتر ببند

دوسرا افادہ :- منجملہ آثارِ محبت ایمانی کے بلاؤں اور مصیبتوں پر دلیر ہو جانا ہے اور یہ معنی از قسم صبر کے نہیں بلکہ اس مقام سے اعلیٰ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے منعم کی رضا جوئی کے لئے مشقتیں اٹھاتا ہے اور ان مشقتوں کی تلخی اس کے دل اور جان کو پہنچتی ہے لیکن چونکہ

اپنے منعم کی رضا اور خوشنودی اُن مشقتوں کے برداشت کرنے میں سمجھتا ہے اس لئے وہ تمام
سختی اور تلخی اپنے اوپر روا رکھتا ہے اور اس محنت کشی اور تحمل مشقت کو جو اُس نے محض
اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لئے اختیار کی ہے جبر کی جنس سے شمار کرنا چاہیے اور ایک دوسرا شخص ہے
کہ منعم نے اُس کو اپنی رنگا رنگ نعمتوں میں محظوظ رکھا ہے اور طرح طرح کی مقصدوں سے کامیاب
کر رکھا ہے مثلاً ایک بڑا عالیشان محل اس کے لئے بنا رکھا ہے اور اس کے لئے محفل شادی
ترتیب دے رکھی ہے اور اہل عشرت و نشاط اور خوشی اور دل لگی کے لوگ اس کے لئے حاضر کر رکھے
ہیں اور مسند شاہانہ اور حلقۂ سرود سازندہ اُس کے لئے تیار کر رکھا ہے پس وہ بندہ فرمانبردار انقیاد شاہ
کمال عزت و افتخار سے اس محفل میں رونق افروز ہے تو ایسی خوشی اور شادمانی اور فرحت اور
کامرانی میں اگر کچھ پا چھو اُسے کانٹا تو فرمانبردار غلام جو سر سے پاؤں تک انعامات و کرامات سے
پُر ہو رہا ہے خوشی کے موجوں اور فرحت کی نہروں اس دکھ کو ذرہ برابر بھی نہ سمجھے گا۔ اور ہرگز اُس
درد کا کچھ رنج اُس کے دل پر نہ گذرے گا اور کبھی وقت پریشانی کی کوئی حرکت اُس سے صادر ہو
تو پھر اپنے دل میں شرمندگی اور خجالت کھینچے گا اور اس ناشائستہ فعل کے صدور کی وجہ سے
اپنے آپ کو طفل الجوں اور بے مزاجوں کے گروہ سے شمار کریگا اسی طرح صاحب ایمانی
والا بہ سبب ملاحظہ کثرت نعم خداوندی اور طرح طرح کی تربیت ربانی کے کسی مصیبت کو اٹھانا
کیونکہ نام ہے ایک جونک کے برابر نہیں شمار کرتا اور اس مصیبت کی کدورت اس کی خوشی اور سرور دنیا کی طرح
کا خطر اور غصہ و تنبیہ ڈال سکتے پس ابتلاؤں کی پروا نہ کرے اور شداید و مشکلات میں خیال بیجا نہ
لائے اور مصیبتوں کا اثر اس درجہ تک دل تک نہ پہنچے اور منعم کی نعمتوں کے ساتھ اُس کے کمال
سرور و ابتہاج کو "قبا در بر طیاں" جاننا چاہیے اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ صاحب حب ایمانی
کا کام شکر در شکر ہے اور کبھی اس کا کام صبر سے دو چار تک نہیں اترا اور شکر کی راہ اسی سرور پر
ہوتا ہے کہ بے شمار تصور اور بے نہایت بخششوں کے ملاحظہ کرنیکے سبب ظاہر ہوتا ہے اور باقی تمام
اعمال و اقوال تعظیم اُس کے آگے لیے ہیں اور شجاعت بر بلایا کا فرع ہے ہمیشہ خوشی اور بے غم
رہنا گر یہ شجاعت اعلیٰ اہل فرحت اور سرور ہے جو کہ منعم حقیقی کی نعمتوں کے ملاحظہ کے سبب حاصل ہوتا ہے
اور یاد رہے کہ تمام کمالات سے جس کے نتیجہ میں صفت غبار اور درد کا بیقرار رہنا ہے وہ ذات والا

صفات مستغنی اور بے پرواہ ہے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس ذات کثیر البرکات کا استغنا لم یزل ولا یزال ہے اور اس کی نعمتوں کا ہر حال میں فیضان ہوتا ہے اور اس کی تجلیات کے فروغ سے ہے۔ قضاء الٰہی پر راضی رہنا اس لئے کہ وہ صوفی محقق اور محب تحقیقی جب اپنے آپ کو باوجود عدم استحقاق کے طرح طرح کی نعمتوں اور رنگا رنگ کی شفقتوں میں مستغرق اور اپنے آپ کو ان سے مالا مال دیکھتا ہے تو البتہ اس کی عقل خاص جو کہ نور ایمان سے روشن ہے ہر بلا اور مصیبت کو جو اسے پیش آتی ہے تربیت اور تادیب کے قبیل سے شمار کرتی ہے اور جہت سے قطع نظر کر کے جب اس بات کا خیال کرتا ہے کہ اس کی ذات کس طرح بے ادبی سے ادنیٰ نعمت کا استحقاق نہیں رکھتی تو نعمت کے زیادہ نہ ہونے کی شکایت یا بعض نعمتوں یا نعمت کے منقطع ہونے کا گلہ اس سے صادر نہیں ہوتا بلکہ حکایت شکایت اور حرف گلہ کے لئے اپنے ذہن میں کوئی موقع نہیں پاتا۔ بیت

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش　　　کہ ہرچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

اسی لئے صاحب محبت ایمانی کو اشعار شوقیہ اور مضامین عشقیہ سے جن کا اکثر دار و مدار گلہ اور شکایت پر ہوتا ہے کچھ ذوق و لذت نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس قسم کے اشعار سننے سے بیزار اور تکلیف پہنچتی ہے۔ تیسرا افادہ۔ منجملہ آثار محبت ایمانی کے کھانے پینے اور پہننے وغیرہ حظوظ نفسانیہ مباحہ میں ریاضت شاقہ کی چنداں پروا نہ کرنا یعنی ان دشوار کاموں کو صاحب محبت ایمانی اپنے کمالات سے نہیں سمجھتا ہے اور قصداً ان مشکلات کا تحمل نہیں کیا کرتا۔ ہاں اگر کوئی غرض اغراض صحیحہ سے جو کہ اس کمال کے لوازم اور اس کے حال کے آثار سے ہے مرتب ہو تو البتہ ان دشوار کاموں کو سہل بلکہ لذیذ جان کر کمال جرأت دل اور وسعت صدر سے تحمل کرے گا جیسے جہاد اور حج جیسے اور ہدایات دین متین اور تبلیغات شرع مبین میں مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا اور جیسے اسباب مرغوب ترک میں جس کی رغبت دل کی تہ میں جا پکڑ چکی ہے اور جس کا علاقہ سویدائے قلب جانشین ہو گیا ہے مشقت کا اٹھانا اور جیسے بھوک پیاس برہنگی کی مشقت کو برداشت کرنا بسبب ایثار اہل حاجت کے اپنے نفس پر اور ان جیسے اور بھی بہتیرے امور جو مشقت کشی کے موجب ہو سکتے ہیں غرضیکہ صاحب محبت ایمانی ایسے ریاضات کو بلا موجب قصداً نہیں اختیار کرتا بلکہ اغلب اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حظوظ نفسانیہ اور ملذات

جسمانیہ اس کو بڑی ترقی بخشتے ہیں چنانچہ اس آیت سراپا ہدایت میں اس امر کا شفا ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔ یعنی اے ایمان والو ستھری چیزیں کھاؤ
جو ہم نے تمہیں عنایت کیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس طرح بعضے مہربان مولیٰ اپنے برگزیدہ
غلاموں کو اپنے مال و متاع میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت دیدیتے ہیں پس اگر وہ برگزیدہ بندہ محض یگانگی کے
اظہار کے لیے نہ اپنی حاجت محتاجی اور اس امر کے ظاہر کرنے کے لیے اس کا کوئی دوسرا کارساز
نہیں جو اس کے حوائج کا ذمہ دار ہو یا کوئی دوسرا محل نہیں جو ایسے حظوظ نفسانیہ میں کامیاب کرسکے
بعض متاعوں میں بقدر ضرورت سے زیادہ تصرف کرگذرے تو البتہ یگانگی اور اتحاد کا رابطہ زیادہ مستحکم ہوگا
اور اگر اس سے پرہیز و اجتناب کرے تو البتہ دوئی اور بیگانگی کا پردہ اپنے مولیٰ کے درمیان ڈالا ہوگا بلکہ اگر
تم مالکوں اور مخلص غلاموں کے معاملات میں اچھی طرح سے غور اور تامل کرو تو معلوم ہو جاویگا کہ بعض اوقات
میں ایسے غلاموں کا نفسانی لذتوں اور جسمانی مزوں کا درخواست کرنا بلکہ فرمائش سے مانگنا علاوہ عبودیت
کی آب و تاب کو اس قدر زیادہ کرتا ہے کہ اس سے ہزار چند خدمتوں سے ایسے علاقوں کا حاصل ہونا متصور
نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ بندہ برگزیدہ جانتا ہے کہ اس کے مالک نے سب طرح طرح
کا سامان اس بندہ کے واسطے مہیا کر رکھا ہے لیکن صرف واسطے ظاہر کرنے اپنے احسان کے یا واسطے ظاہر
کرنے محتاجی غلام کے یا واسطے کشادگی طبع کے ان کے استعمال کی اجازت کو اس غلام کی درخواست پر موقوف
کر رکھا ہے غرض ایسے احوال میں درخواست اور طلب ان لذتوں اور حظوظ جسمانی کی ایسا لطف رکھتی ہے جو
خارج از حد بیان ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب حظوظ نفسانیہ اور لذائذ جسمانیہ کا حاصل کرنا معاملات محبت ایمانیہ
میں جو کہ مقصود و مطلب احکام شرعیہ کے یہی ہے اکثر اوقات موجب خلل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات
میں نفع عظیم بخشتا ہے اور دروازہ شکر کا جو محبت ایمانی کے اعظم آثار سے ہے اہل ایمان کے
منہ پر کھول دیتا ہے اسی لیے کلام ربانی اور آیات قرآنی ان لذائذ کی اباحت پر ناطق ہیں اور ان لذتوں
کے حاصل کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے ساکت ہیں چنانچہ فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا
مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔ یعنی اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں بخشیں۔ اور فرمایا۔
يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔ یعنی اے پیغمبرو کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے
اور اعمال صالحہ بجا لاؤ اور فرمایا۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ

الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ یعنی کہو کہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور ستھرے رزق سے تو کہ وہ ان لوگوں کیلئے ہیں جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں باشتراک، خالص انہیں کے لئے ہیں قیامت کے دن۔

چوتھا افادہ۔ منجملہ آثار حب ایمانی کے مناجات کی حلاوت اور طاعات و عبادات کی لذت پانا ہے اور اس امر کی حقیقت شروع کلام میں مذکور ہو چکی کیونکہ حب ایمانی ایسی الفت و محبت کا نام ہے جو نہایت درجہ کی تعظیم سے ملی ہوئی ہے اور یہ امر بحکم ضرورت اقوال و افعال تعظیمیہ کے صدور کا موجب ہوتا ہے بلکہ مدح لسانی اور تعظیم جسمانی کا تاکید سے متقاضی ہوتا ہے کہ بدون صدور ان امور کے اس حب کے صاحب کے دل کو چین نہیں پڑتا جیسے صاحب غضب کے افعال غضبیہ کا صادر ہونا اور صاحب سرور سے افعال فرحیہ کا صادر ہونا بضرورت ہوتا ہے چنانچہ ابتداء میں اس کا بیان مفصل ہو چکا ہے الغرض صاحب اس حال کے حق میں باطن شرع جس سے مراد تعلق باطنی ہے ظاہر شرع کے ساتھ جس سے مراد افعال جوارح ہیں ہمیشہ محفوظ رہتا ہے اور اس کے احوال باطنیہ ان افعال ظاہریہ سے ملے جلے رہتے ہیں پس احوال ان افعال کے صدور کا تقاضا کرتے ہیں اور افعال و احوال کی قوت و کمال کو ترقی بخشتے ہیں اور اسی عبادت میں لذت اور طاعت میں خیر پانے کے سبب سے خشک ملائی سے دور اور غلو وغیرہ سے پاک ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امر تقویٰ و عبادات میں افراط و تفریط سے محفوظ رہتا ہے۔

پانچواں افادہ:۔ منجملہ آثار حب ایمانی کے فوائد متعدیہ کو اپنے نفس کی تکمیل پر ترجیح دینا ہے مثلاً اصلاح فیما بین الناس اور انتظام سیاست منزلی اور سیاست مدن کو اور خلق اللہ کی خدمت میں مشقتوں کے برداشت کرنے اور ان کی تربیت میں تکلیف سہنے کو اور ان جیسے اور لوگوں کے اختلاط والے امور کو عزلت اور تنہائی اور لوگوں سے بھاگ کر جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے اور اپنے اوقات کو اذکار و مراقبات سے معمور رکھنے پر ترجیح دیتا ہے اس لئے کہ پچھلے امور اگرچہ حصول مشاہدہ اور مکاشفہ میں تاثیر قوی رکھتے ہیں لیکن قسم اول کو رضائے خداوندی کے کھینچ لانے میں دوسری قسم کے امور سے زیادہ تر مداخلت ہے اور اس قوت کا صاحب کسی کمال کو اسباب جلب رضائے حضرت حق جل وعلا کے ہم وزن اور مساوی نہیں کر سکتا۔

چھٹا افادہ۔ حب ایمانی کے عمدہ ترین آثار اور اس کے افضل ترین لوازم سے تقویٰ کی حقیقت ہے جس کی تعبیر عرف شرع میں صلاح کے ساتھ کی گئی ہے جس جگہ فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ
یعنی جو فرمانبرداری کرے اللہ اور رسول کی پس وہ لوگ ہمراہ ہیں ان لوگوں کے جن پر انعام کیا اللہ نے
پیغمبروں میں سے اور صدیقوں میں سے اور نیکوکاروں میں سے۔ اور حدیث شریف میں جو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا التقویٰ ھٰھنا وہ اسی طرح حقیقت کی طرف اشارہ
ہے اور تفصیل اسکی اس طرح ہے کہ ضرر کرنے والے امور کی نقصان رسانی کا اذعان کمال اور نقصان میں متفاوت
ہے اور جو شخص نفس اذعان میں عدم تفاوت کا قائل ہے اس کا قول وجدان و برہان کے خلاف ہے اور اس کا
کلام نا قابل ہے چنانچہ اس کی تفصیل اپنے مقام میں کیگئی ہے۔ الغرض جو شخص امور ضارہ کی مضرت کا
اعتقاد رکھتا ہے لیکن ان کا نفس ان امور کے ترک پر اس کی اطاعت نہیں کر سکتا اس شخص کو اذعان کا ایک
مرتبہ حاصل ہے جو اضعف ترین مراتب ہے اور اس کو بعض اذعان ظنی سے نامزد کرتے ہیں اور ایک دوسرا
شخص ہے جسکو امور ضارہ کی مضرت کا اذعان اس حد تک پہنچا ہے کہ اس کے سبب اپنے نفس کو ان امور کے
ارتکاب سے روک سکتا ہے اگرچہ ان امور ضارہ کو پہنچنے کی خواہش اور ان کے ارتکاب کا میل اس کی طبیعت
میں پوشیدہ ہے لیکن ان کی مضرت کا اعتقاد دل میں خواہش اور رغبت کا مقابلہ کر کے اسے نوبت یہاں تک
کہ اپنے اعضا اور جوارح کو پوشیدہ ناپاکی کے آثار سے آلودہ کرے پس اس شخص کو اذعان کا ایک مرتبہ
حاصل ہے جو پہلے شخص کے مرتبہ سے قوی تر ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان اعتقادی رکھنا چاہیے اور
ایک شخص اور ہے جسے ان امور ضارہ کی مضرت کا اعتقاد اس حد تک قوی ہو گیا ہے کہ جب وہ امور
ضارہ اس کے روبرو حاضر ہوتے ہیں اور اسکے دل میں یہ وہم پڑتا ہے کہ ان امور کا اثر اس کے نفس پر
پہنچے گا اسکو کوئی ایسی تقریب پیش آئے جو اسے ان امور کے ارتکاب پر باعث ہو تو ایسے وقت اس
شخص کے باطن میں ایسا خوف اور کاوش پیدا ہوتی ہے جو امور طبیعیہ کے انتظام کو درہم برہم کر دیتی ہے
مثلاً اس کا رنگ اڑ جاتا ہے اور اسکی آنکھیں بے رونق ہو جاتی ہیں اور اس کے اعصاب میں سستی اور
اسکے اعضا میں تشنج ظاہر ہو پڑتا ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان حقیقی رکھنا چاہیے پس انہیں مراتب ثلاثہ
کو نظر میں رکھنا ہوں اور واجبات کو چھوڑنے اور ان جیسے اور امور ممنوعہ شرعیہ کی نسبت پر قیاس کرنا چاہیے
جیسے کفار کے ساتھ نرمی اور لباس میں تشبہ کرنا اور ان کی عیدوں میلوں پر خوشی منانا اور اہل بدعت و اہواء کے
ساتھ میل جول کرنا اور ان کی بدعتوں کے رواج دینے میں شامل ہونا پس اذعان کا پہلا مرتبہ علم الیقین ہے

کہ بدون اس اذعان کے دوزخ کے درکات سے نجات محال ہے اور دوسرے مرتبہ کو ظاہری تقوی کا ثمرہ شمار کرنا چاہیے کیونکہ ظاہری تقویٰ اوامر و نواہی شرعیہ سے بچنے اور نفس بہیمی کے ساتھ مقابلہ کرنیکا نام ہے اور اس کی ثمرہ مراتب اذعان سے یہ مرتبہ ہے جس کے سبب نفس و شیطان سے مقابلہ کر سکیں اور تیسرے مرتبہ کو تقوی حقیقی کی ثمرہ شمار کرنا چاہیے کیونکہ حقیقی تقوی ممنوعات شرعیہ کی نسبت طبعی کراہت ہونے کا نام ہے اور اس کی ثمرہ وہی اذعان ہے جو ایمان کی حلاوت ہے اور مراتب احسان سے معدود ہے یہ صاحب اس مقام کے آثار کا ایک نمونہ ہے اور ہر صاحب میزان سلیم و ذہن مستقیم جو کہ دل کی آنکھ سے ان امور پر غور کر کے تامل کریگا البتہ ان امور بیسیر و سے اکثار کثیرہ کا استنباط کرے گا۔

چوتھی ہدایت حب ایمانی کے بیان میں

اسمیں پانچ افادے اور دو فائدے ہیں

پہلا افادہ:۔ ایمانی محبت " جو اصل میں نہایت درجہ کا پیار ہے " جب زیادہ تعظیم کے ساتھ مل کر اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور سچے منعم کی رضا جوئی پاک مومن کے اندر اور باہر اعضاء اور قویٰ کو اپنے اثروں اور نوروں سے پُر رونق اور خوبصورت بنا دیتی ہے اور شکر، توکل اور بیکسی اس کے دل میں جاگیر ہو جاتے ہیں اور تمام موجودات کے پیدا کرنے اور ان میں ہر طرح کے تصرفات سے کہ ہر طرح کی نعمتوں کے ساتھ اس بے قدر ذرہ اور مشت غبار کی پرورش اور ہر قسم کی بلا اور مصیبت سے اس کی نگاہ رکھنی بھی انہی میں سے ہے " تاثیر کرنے میں اس ذات بابرکات کی یکتائی کا ملاحظہ اس کے ذہن میں مضبوط ہو جاتا ہے اور افعال توحید جو کہ ایمان بالقدر کا خلاصہ ہے اُس کے دل میں یہاں تک جم جاتی ہے کہ اپنے تمام مال و اسباب کو اپنی ملکیت میں نہیں جانتا بلکہ اپنے آپ کو اُس چوپائے کی مانند جو اپنے مالک کے ہرے بھرے کھیت چر رہا ہے " خیال کر کے دنیاوی زمینوں اور زندگانی کے سامانوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور اعضاء اور قویٰ کو اور اپنی عبادت کو بھی اپنا نہ جان کر اپنے آپ کو اس لکڑی یا پتھر کی مانند جس کو اپنے مالک کے کاموں کے صادر ہونے میں واسطہ اور ہتھیار رہنے سے زیادہ کچھ حصہ نہیں " سمجھتا ہے اور رب الارباب کی ربوبیت کے ساتھ اسکا سینہ یہاں تک کھل جاتا ہے کہ درخشیدنا یا عطیہ دینا۔ اسی مقام کی ایک

لہ یعنی ہم اپنے پروردگار کے رب ہونے پر راضی اور خوشنود ہیں۔

بخوبی اور تکالیف شرعیہ کے اٹھانے پر اس کے سینے میں اسقدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ فرمایا ہے
وصّینا اور ایسا ہی أفمن شرح اللہ صدرہ للاسلام - اسی کلام کی طرف اشارہ ہے اور سنّت
کی پیروی میں وہ لذت پاتا ہے وھم فیھا یبغون ایسے ہی بزرگوں کے احوال کا بیان ہے پس خواہ
خواہ وہ الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور وانا عند ظن عبدی بی ۔ اور
ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ اور وان تشکروا یرضہ لکم اور وشفیتی لک
افضل الولی - اور لاتقربوا ان اللہ مع الذین اتقوا خدا کے نزدیک اور طبیعت کے نقصان
ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی رضامندی کے نور کا افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو
علی نور من ربہ - انہی کی طرف اشارہ ہے روشن ہو جاتے ہیں اور اسکو اپنی ولایت کی پناہ میں لیکر
اور اپنی .... تربیت کے سایہ میں لاکر اپنی ایجادی اور قانونی تدبیر کا ہاتھ بڑھا دیتا ہے
حاصل کلام جناب پاک سے اسکو بہت سارا اقبال اور ایجادات اور احکامات کے سرچشمہ سے فائدہ اٹھانے
کا بڑا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے برابر ہے کہ وہ علوم عقلیہ میں ہو یا خوارق قدیمہ میں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے
کہ وہ حافظ شریعت والوں نے انسان کے باطن میں دو طاقتیں معلوم کی ہیں ۔ اول جاننے والی جو کہ سمجھنے کا کام
دیتا ہے یعنی اسی طاقت کے ساتھ ظاہر یا پوشیدہ چیزیں معلوم کر سکتے ہیں اور جس کا نام عقل ہے ۔ دوم
ارادہ کرنے والی طاقت جو کہ علوم اور ادراکات کے سوا خوشی اور غصہ اور بہادری اور ڈر اور پیار
اور دشمنی اور رضا اور کراہت اور ارادے اور شوق اور اسی جیسی اور باقی نفسانی کیفیتوں کے
اٹھانے والی ہے اور جس چیز کا لقب قلب ہے اور ان دونوں طاقتوں کا فرق ظاہر ہے
اسواسطے کہ شجاعت کے معنی کا جاننا اور اس کی حقیقت معلوم کرنا اور چیز ہے اور خود شجاعت اور چیز ہے
کیونکہ بہت سے شجاعت کے معنی کو جاننے والے اس کے تمام اور اس کے حاصل کرنیکے اسباب بحث میں تحقیقات
کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی بہادری کا مقابلہ کسی چیز کا سامنا ان سے نہیں ہو سکتا اور بہت سے خونریزی میں

۱ے اور اسلام کے دین ہونے پر ہم خوش ہیں ۱۲ ۲ے اور کیا جسکا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھولدیا ۔ سو وہ اپنے رب
کی طرف سے روشنی پر ہے ۱۲ ۳ے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ہم راضی ہیں ۱۲ ۴ے اور جنہوں نے ہمارے
واسطے محنت کی بیشک ہم انکو اپنی راہیں سمجھا دینگے ۱۲ ۵ے میں اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں جس طرح کا گمان وہ میرے
ساتھ کرے ویسا ہی پائیگا ۱۲ ۶ے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے پس وہ اسکو کافی ہے ۱۲ ۷ے اور اگر تم شکر کروگے
تو وہ اسکو تمہارے واسطے پسند کریگا ۱۲ ۸ے اور وہ نیکو کاروں کا دوست ہے ۱۲ ۹ے اور بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے

میں کیا اور جنگ آزمائی میں طاقت ور بہادر اور دلیر ایسے لوگ ہی دیکھتے ہیں کہ بہادری کے معنی کیا اور آں
کو باقی نفسانی کیفیتوں سے جدا کرنا ان سے مشکل مجھے محال معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی مست ہاتھی یا
گرجنے والا شیر جیسے کسی خوفناک امر کا معلوم کرنا اور معاش یا معاد میں نقصان پہنچانے والی کسی چیز کے ضرر کا
یقین کرنا اور بات ہے اور خود خوف والی کسی ایسی کیفیت کا عارض ہونا کہ رنگ کی زردی اور آنکھوں کی
بے رونقی اور ہونٹوں کا خشک ہونا اور پٹھوں کا سست ہوجانا اور اعضا کا بیکار ہوجانا اس کے آثار
میں سے ہے۔ اور بات ہے اس لئے کہ خوفناک امر کو تو بہادر اور بزدل دونوں پہچانتے ہیں لیکن بزدل پر
ایسی حالت گذرتی ہے کہ بہادر پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں آتا اسی طرح کسی خوبصورت آدمی کو خوبصورتی
کے جاننے اور اس کے خط و خال معلوم کرنے میں عاشق اور غیر عاشق برابر ہیں لیکن جو پیچ و تاب اور قلق و
اضطراب عاشق کے دل پر گذرتا ہے غیر کے دل پر نہیں گذرتا جب یہ تمہید ہوچکی اور عقل اور قلب کا
فرق ذہن میں بیٹھ گیا تو جاننا چاہیئے کہ بعض لوگ ابتدائے پیدائش ہی سے عقل کے تیز اور قلب کے کند ہوتے
ہیں اور بعض اس کے برعکس چنانچہ آزمودہ کار لوگوں میں یہ بات پوشیدہ نہیں۔ پس جو لوگ ابتدائے
فطرت میں تیز عقل پیدا ہوتے ہیں جب ان کو الٰہی عنایت اس مقام پر پہنچاتی ہے اور تجلی غیب
سے ان کو مشرف کر دیتی ہے تو اس کو اور لوگوں کی طرف سے علوم شرعیہ کے خادم بناتے ہیں اور علم کی
جانب سے اللہ جل شانہ کی رضامندی اور اس کی ولایت کے نشان ان پر ظاہر کرتے ہیں
مثلاً وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے یا فرشتوں یا پیغمبروں یا ولیوں کی طرف سے
کسی چیز کے سر انجام دینے کا حکم ہوتا ہے یا معاد میں کہ اس کے ذریعہ سے اس کام کی طرف رغبت دلائی
جاتی ہے یا کشف کے طور پر اول سے آخر تک اس واقعہ کا تمام حال اس کے سامنے حاضر ہوجاتا ہے
یا امور کی سوچ بچار کے وقت اس امر کا ایک کرنا ہے پھر لگاتار کرتے رہنے کی رغبت اور اس کے
چھوڑ دینے پر اس کی بیداری کی ترجیح دینے والے (دلائل) اس کے ذہن میں کھلتے چلے جاتے ہیں
اور ایسے ہی ان واقعات کے ظاہر ہوجانے کو "جو تدبیر جہاں کے ساتھ متعلق ہیں" یا ان امور کے
منکشف ہوجانے کو "جو مریدوں کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں" یا اجتہادی مسائل یا گھر یا شہر کے
انتظامی امور کے انکشاف کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اور اسی طرح اپنے ان بھلے برے کاموں کو جو حق کو
پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں مشتبہ ہے۔ نور اور تاریکی کے لباس میں دیکھتا ہے اور فنا باشی اور صحبت

کو خوبصورت اور بدصورت رنگوں اور خوشنما اور بدنما شکلوں میں معلوم کرتا ہے اور اس قسم کے
لوگوں کو اصطلاح اہل شریعت میں محدث کہا کرتے ہیں اور جو لوگ ابتداء پیدائش میں پاک دل
والے پیدا ہوئے ہیں امور مذکورہ ان کے طبعی ہوتے ہیں۔ ان کی عقل ان امور کی حقیقت پر آگاہ
ہو جاتی ہے مثلاً جن چیزوں کا وقوع عالم غیب میں اس شخص کی وساطت سے مقرر ہو چکا ہے ان پر انکے دل میں ایسے
میلان اور حالات معلوم کرتا ہے اور پراگندہ کر دیتا ہے اور وہ اسکے دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ انکو مجبور کرکے
اس کام کے کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے اور علاوہ ازیں وہ شخص اس ارادہ اور باعث کے پیدا ہونے کے سبب میں
حیران رہتا ہے اور اس کی وجہ کو کچھ نہیں سمجھ سکتا اور جن چیزوں کو وقوع غیب میں اس کی وساطت سے مقرر
نہیں ہوا ان کی نسبت اپنے آپ میں تنگدلی اور ان چیزوں کے وقوع میں رکاوٹ اور استبعاد معلوم
کرتا ہے اور ان کے واقع ہو جانے کی کوشش میں سستی اور کاہلی اور ان کے طلب کی خفت ان کی یادداشت
میں تکلیف اور تفاوت اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے غضب نزول پر قوم
کی مانند پر غضب دریا اسکے دل میں جوش مارتا ہے اور اس کے مرحوم بندوں پر بارش کی مانند رحمت اور
مہربانی کا دریا اس کے دل میں موجزن ہوتا ہے۔ خواہ ان امور پر اسکو اطلاع نہ ہو جو غضب نزول کے مقتضی
ہوں اور ان مرحوم لوگوں کے مرحوم ہونے کا باعث ہوئے ہیں اور خواہ اچھے اور برے کاموں کے جواز
اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو۔ الغرض اس شخص کے نفس اپنے آپ ہی خوشی یا دلگیری کو پایا کرتا ہے
اور اس حلال اور پاک طعام کی طرف جو کہ غیب میں اس کے کھانے کے واسطے تیار کیا گیا ہے اس کو
خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس حرام اور ناپاک کے کھانے سے جو اس کے لئے تیار نہیں کیا گیا
اس کو نفرت ہو جاتی ہے خواہ ظاہر میں اس کے حلال یا حرام ہونے کا حال بالکل معلوم ہوتا
ہے اور بسا اوقات ان بزرگوں کی الفاظ ان امور کی اصلیت سے بے خبر ہوتی ہے اور ان کی
دل میں پیدا ہونے کے سبب حیران رہتے ہیں اور ایسے لوگوں کو شریعت میں مقتدی اور [illegible]
کے نام سے پکارتے ہیں اور اس کے طلب کرنے میں صرف دعا کرنا اور غیب کی طرف متوجہ ہونا مخلوقات
اور [illegible] کی عادت ہے یہ نہیں کہ وہ اسباب قریب الوقوع کی مانند اس امر کے واقع ہونے پر اپنی
ہمت کو [illegible] یا اس کو [illegible] یا نقصان [illegible] ہو جائیں دشمنوں سے بدلہ لینے یا دوستوں
سے [illegible] سوائے دعا کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور [illegible] اور [illegible]

میں سے بعض امور دونوں قسم سے ہو سکتے ہیں ۔ اور کل مقام کے لوازم سے یہ ہے خواہ کسی مقام
والا محدث ہو خواہ شہید کہ جو دعا اور قول کے ظاہر ہو جانے یا اس کے قائل ہونے کے پہلے ارادہ کے پورا
ہونے کے بعد صادر ہوتی ہو اس کا قبول ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ دعا بھی تقدیر کے ظاہر ہونے
کی قسموں اور تعبیر کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے پھر جو شخص اس پہلو اور کے حاصل [illegible]
کوشش کرنے ہوئے ان بزرگوں کے مقامات میں قائم ہوگا بیشک تمام اور خوار رہے گا اور جو شخص اس دعوی
سے حاصل کرے اور روایات دے کہ کوشش کرنے والا ضرور کامیاب [illegible] ہوگا اور اس مقام کی تحقیق
اور اس مقصود کی تفصیل صحابہ کرام اور تابعین عظام وغیرہم بزرگوں کے حالات سے طلب کرنی چاہیے
حاصل کلام اس رستے کے امام اور اس گروہ کے بزرگ ان فرشتوں کے زمرہ میں شامل کئے جاتے ہیں جو
کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تدبیر امور کے بارہ میں الہام ہوتا ہے اور وہ اس کے جاری کرنے میں کوشش
کرتے ہیں پس ان بزرگوں کے حالات کو فرشتوں کے احوال پر قیاس کرنا چاہیے ۔

دوسرا افادہ ۔ اور ایک مقام سب سے برتر اور اعلیٰ مقام ایمان حقیقی کا مقام ہے اور بعض لوگ
اس کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور ایمانی محبت اس مقام کے چہرے سے پوشیدگی کا پردہ دور کر کے اس کی
قدرت کو خدا کی روشنی اور مدد حق کے ساتھ ظاہر کرتا ہے اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جیسا کہ
نفسانی لیاقتوں کے لحاظ سے آدمیوں کے مختلف درجے اور تفاوت دیتے ہیں بعض بد لیاقت اور بعض
عمدہ لیاقت والے ہوتے ہیں اور بعض [illegible] وہ ملکات طبعی طور پر پائے جاتے ہیں مثلاً اگر تم شجاعت کے بارے
میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ بعض آدمی ابتدا پیدائش ہی میں ایسے دلاور اور بہادر ہوتے ہیں کہ حوصلہ اپنے
ہم جولیوں سے لڑائی کرنے کے خواہاں اور بہادروں کی ہمنشینی کے طالب رہتے ہیں اگرچہ انہوں نے کبھی لڑائی کا
تماشہ نہ دیکھا ہو اور رستم اور اسفندیار کی کہانی نہ سنا ہو اور جنگ کے اسباب اور ہتھیاروں کی مشق اور
سواری اور تیر اندازی کا تجربہ نہ کیا ہو لیکن بہادروں اور دلاوروں کا دریا ان کے دلوں میں جوش مارتا رہتا ہے اور
وہ لڑائی جھگڑے کے واقف کاروں کی ہمنشینی کے واسطے اشتیاق کرتے ہیں اور جب آزمودہ کاروں
یا بہادروں کی چال ڈھال کو دیکھتے ہیں [illegible] سمجھ [illegible] اور نامردوں کے مقابلے
[illegible]
[illegible] اور جنگ کے [illegible]
[illegible] محبت اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

اور لڑائی لڑنے والوں کے حکایت کو داستان کو قبولیت کے کانوں سے سنتے ہیں۔ القصہ وہ امور جو
لڑائی سے متعلق ہیں اُن کے دل کی تہہ میں مخمر سے ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حرب کے ساتھ وہ لوگ طبعی دوستی رکھتے
ہیں اور ان کے خلاف سے ان کو پیدائشی بیگانگی ہوتی ہے جیسا ان کی عورتوں اور بچوں اور انہیں جیسے نازک مزاج
اور کمزوروں اور ان کی چال ڈھال اور ان کے لباس وغیرہ سے نفرت ہوتی ہے اور جس کلام کو جنگ سے کچھ
تعلق ہو تھوڑی توجہ کے ساتھ اس کو کان تک پہنچا دیتے ہیں اور جو کلام اس امر سے بیگانہ ہو اُس کے
خیال کرتے ہیں زیادہ تر شخصیں تھوڑی ان کے دل میں نہیں ٹھہرتا اور ان کے دل کو اس سے رکاوٹ حاصل
ہوتی ہے اور جب تک اُن کو سامانِ جنگ میسر نہ ہو اور شفیق استاد لڑائی کے قانون ان کو نہ سکھا سکے
اور لڑائی کے میدانوں میں حاضر نہ ہوں تنگدل اور پریشان۔ پھر اپنی زندگی کو سو طرح کی پیچ و تاب
میں گزارتے ہیں اور جونہی یہ امور ان کو حاصل ہو جاتے ہیں ان کی تمام دلگیری اور پریشانی اور غم دور ہو جاتے
رہتے ہیں پس اس قسم کا آدمی بہادری کی حقیقت کا طبیعت کے خزانے چھپائے ہوئے ہے اور اس کو لڑائی
کے ہتھیاروں کی مشق اور اس کے فن کے استادوں کی تعلیم اور جنگ کے میدانوں میں حاضر ہونے کی ضرورت
صرف بہادری کے حاصل کرنے کے واسطے ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ بہادری کے قابلیوں کے حاصل کرنے کی رغبت
بھی اس کے دل میں کسی کے سکھانے یا کسی کی نصیحت سے پیدا نہ ہوگی بلکہ اس کا پیدا ہونا بھی ایسے امور
کے پیدا ہونے کی مانند ہے جو بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں کیونکہ بہادری کا جو جوش اس کے دل میں موجود
ہے اس کا پورا کرنا اُس کے فنون کے حاصل کرنے کے بغیر ہو نہیں سکتا اور اُس کے فنون کا حاصل کرنا جنگ
کے ہتھیاروں کی استعمال اور استادوں کی ہم نشینی اور لڑائیوں کے میدانوں میں حاضر ہونے کے بغیر ممکن
نہیں پس لاچار مجبور ہو کر ہتھیاروں کے ڈھونڈنے اور استادوں کے تلاش کرنے اور معرکوں کی جستجو میں
لگ جائیگا اور ان چیزوں کے حاصل ہو جانے کے بعد اُس کے دل کی قابلیت سو طرح کی چمک دمک کے ساتھ
ظاہر ہوگی اور کوئی ہم عمر اور ہم جنس لڑائی کے امر میں اُس کے ساتھ برابری نہ کر سکیگا اور دوسرے بعض ایسے
پیدا ہوتے ہیں کہ ان کی سرشت کی تختی صداقت اور شجاعت کے خلاف امور سے پاک ہوتی ہے پس اگر
ایسے لوگوں کو مہربان استاد ہاتھ آجائے تو عادات اور استاد کے سکھانے اور زمانہ کی موافقت کے انداز
پر لڑائی کے متعلق امور سے اپنا حصہ حاصل کریں گے اور استاد کا کمال عکس کے طور پر ان میں جلوہ گر
ہو جائے گا اور دوسرا آدمی جو ابتدا سے پیدائش میں تند کی طبیعت اور آتش جیسے مزاج والا بنایا گیا

اگرچہ فنِ حرب کے ہزار استاد طرح طرح کی تربیت اور تادیب اُس کو فنِ جنگ کی تعلیم کرنا چاہیں وہ ہرگز رستمانی اور سپہ گری کے لائق نہ ہوسکے گا اور سارے شاہنامہ سے اس شعر کے سوا کچھ بھی یاد نہ کرسکے گا۔

منیژہ منم دخت افراسیاب برہنہ تنم را ندید آفتاب

یعنی میں افراسیاب کی بیٹی منیژہ ہوں۔ میرے بدن کو آفتاب نے کبھی برہنہ نہیں دیکھا۔

اسی طرح فیضِ ربانی کی طرف نسبت کرنے سے انسانوں کے تین طبقے ہیں پس ہم پہلے طبقے والے لوگوں کے طبعی احوالِ کمال کا نام حقیقی ایمان مقرر کرتے ہیں اور جب وہ پیدائشی اجمالی کمال اپنے وقت کے نبی کی پیروی کے سبب سے تفصیلی قوانین کے ساتھ کھل جاتا ہے اور شریعت کے سانچوں میں سے ایک سانچ میں ڈھل جاتا ہے تو اس کے طبعی چراغ پر جو ازل الآزال میں عنایتِ خداوندی کے تیل سے روشن ہوچکا تھا یہ شریعتِ حقہ شیشے کی مانند احاطہ کرلیتی ہے اور اس کے لپیٹے اور کو سیر رنگ کرکے نہایت ہی عجیب اور غریب رونق بخشتی ہے پھر جلی نور کے جمع ہوجانے سے وہ ملتِ حقہ جس نے اس صاحبِ کمال کے باطن سے دوبالا رونق حاصل کی ہے چمکنے والے ستارہ کی مانند عالمِ ملک اور ملکوت کے اختر شناسوں کی عقل کی آنکھ کو حیران کردیتی ہے اور کرامات کے میدانوں کے شہسواروں اور احوال اور مقامات کے دریاؤں کے تیراکوں کے وجود سے مطلع ناطق الحق سبقنا ـ کی مانند نکل آتی ہے اور اس قسم کے صاحبانِ کمال کو شریعت کی زبان میں صدیقین کہا کرتے ہیں ان داناؤں اور عقلمندوں پر جن کو ذہن کی لطافت اور طبیعت کی صفائی کے باعث اس کلام کے مغز اور اس مقام کے خلاصہ تک رسائی ہے پوشیدہ نہ ہوگا کہ صدیق[1] ان وجوہ انبیاء کا پیرا اور دین و دنیا شریعت کا محقق ہوتا ہے۔ پس اگر صدیق نبی کا نقیب ہوگا تو مخصوص اقوال اور افعال میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور نارضامندی کو مخصوص عقائد کے صحیح اور غلط ہونے اور خاص لوگوں کے عادات اور استعدادوں کے بھلا برا ہونے

فیضِ ربانی: ۔ اصطلاحِ اہلِ طریقت میں فیضِ ربانی کو شرعاً روحانی کہا کرتے ہیں اور اسکی حقیقت یہی ہے کہ جیسا افراد انسانی اس کی وجہ کی نظر ہدایت کو ناصحین حضرت حق جل وعلا کا قرب اور اسکی رضامندی حاصل ہو۔ اور ایسے عقائد اور افعال اور اخلاق سے پرہیز کرنا سکھائے جو معاش اور معاد میں نقصان دہ ہوں اور تدبیر منزل اور مدینہ کے محکمہ انتظام پر قادر ہوجائے ۱۲

[1] اسی میں اس مقام کی طرف اشارہ ہے جو امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے کہا تھا کہ ابوبکر ہمارے آقا ہیں۔ ابوبکر ہمارے سردار اور پیشوا ہیں اور ہمارے سردار کو آزاد کیا۔ سردار سے مراد بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں ۱۲

اور جزئی معاملات اور واقعات کے بگڑنے اور سدھرنے اور ان کے ضروری انتظام کو اپنی طبیعت کے نور سے معلوم کرلیتا ہے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ فلاں بات یا فلاں کام اللہ جل شانہٗ کو پسند یا ناپسند ہے اور فلاں عقیدہ درست یا غلط ہے اور فلاں خلق اچھا ہے یا بُرا اور فلاں معاملہ جو کہ فلاں گھر والوں یا شہر والوں کے درمیان منعقد ہوا ہے یا فلاں رسم جو فلاں قوم کے لوگوں میں مروج ہے انتظام کے موافق ہے یا مخالف پس ان امورِ مذکورہ کے احکام اس کو دو وجہ سے معلوم ہوتے ہیں ایک تو دل کی شہادت سے جو خاص کر ان امور سے متعلق ہے۔ دوم عام طور پر کلیاتِ شرعیہ میں ان کے مندرج ہونے کے سبب سے اور جو علم کہ پہلے طریق سے اس کو حاصل ہوا ہے وہ تحقیقی ہوا ہے اور جو علم کہ دوسرے طریق سے حاصل ہوا ہے وہ تقلیدی ہے اور اگرچہ وہ صدیق ذکی العقل ہو تو اسے جبلی نور کی ان کلیاتِ حقہ کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے جو حظیرۃ القدس میں عام طور پر نوعِ انسانی کے پرورش کے واسطے مقرر ہوئے ہیں اور وہ کلیات اس کے ذہن میں ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں وہ انہی کلیات سے تمام جزئیات کو استنباط کر سکتا ہے پس شرعی علوم اسکو دو طریق سے حاصل ہوتے ہیں ایک تو جبلی نور کے ذریعہ سے دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جانتا ہے کہ جو کام ایسا ہو اور فلاں چیز پر مرتب ہو اور اس سے فلاں ثمرہ حاصل ہو تو وہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند یا ناپسند ہے اور جو عقیدہ فلاں حقیقتوں سے تعلق رکھتا ہو یا فلاں صفات اور اسماءِ الٰہی کو بیان کرے یا فلاں واقعات پر دلالت کرتا ہے اور فلاں طریق سے حاصل ہوا ہے وہ عقیدہ درست ہے اور معاش یا معاد میں نوعِ انسانی فلاں طریق سے ماخوذ ہو وہ عقیدہ باطل ہے یا معاش یا معاد میں نوعِ انسانی کی تربیت میں کسی کام نہیں آتا اور اس کا پڑھنا پڑھانا فضول معلوم ہوتا ہے اور جو خلق اور ملکہ فلاں نتیجہ دے یا اس کے حاصل کرنے میں فلاں فلاں امور کی حاجت پڑے وہ اچھا ہے ورنہ بُرا اور جس معاملہ اور رسم سے فلاں مصالح حاصل ہوں وہ مقبول اور ضروری انتظام کے موافق ہے۔ ورنہ اس کا رد کرنا واجب ہے اور وہ انتظام کے مخالف ہے پس کلیاتِ شریعت اور احکامِ دین میں اس کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شاگرد بھی کہہ سکتے ہیں اور ان کا ہم استاد بھی کہہ سکتے ہیں اور نیز ان کے اخذ کا طریق بھی وحی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں نفث فی الروع کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہلِ کمال اسکو باطنی وحی کہتے ہیں پس ان بزرگوں اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام

امتوں کی طرف مبعوث ہوتے اور بزرگ سلطان حکم کو قائم کرتے ہیں اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے اور بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کے درمیان بھی سن و ریاست کا علاقہ ہے اور یہی وجہ اخوت کا [illegible] اور یہ لوگ تمام آدمیوں سے انبیاء کی خلافت کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری تسلط ان کو نصیب نہ ہو اور اگرچہ پیشوا ان کی بات کو نہ مانیں اور اسی معنی کو امامت اور وصایت کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں اور ان کے علم کو جو بعینہ پیغمبروں کا علم ہے لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوا حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو خصوص عنایت اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہوتی ہے اور ان کی اسی خصوصی عنایت کی وجہ سے اپنے امثال میں امتیاز حاصل ہوا ہے۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ف۱۔ اور اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ف۲۔ اور وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ وَمِنْ اٰبَآئِھِمْ وَذُرِّیّٰتِھِمْ وَاِخْوَانِھِمْ وَاجْتَبَیْنٰھُمْ وَھَدَیْنٰھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ف۳۔ اور وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ ۝ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۝ ف۴ اسی معاملہ کا بیان ہے اور اسی برگزیدگی کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی رضامندی ان کی رضامندی میں داخل کی گئی اور اللہ عزوجل کی فرمانبرداری ان کی فرمانبرداری پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کے غصے نے ان کے غصے کے ساتھ اتصال پیدا کیا ہے۔ اسی عنایت اور ولایت کے نمونہ اور اسی بزرگی اور عزت کے عکس سے ان ربانی حکیموں اور انبیاء علیہم السلام کے وارثوں کو حصہ ملا کرتا ہے جسکو قوم ف۵ کی اصطلاح میں وجاہت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور سید الکبار و رئیس العلماء شیخ ولی اللہ رحمہ اللہ کو کلام نقل کے ساتھ ملی ہوئی صدیقیت کو جو اس حکمت اور وجاہت کے لوازم میں سے ہے قرب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ قرب الوجود [illegible]

ف۱ یعنی اللہ فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے چھانٹ لیتا ہے اور آدمیوں میں ۱۲ ف۲ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو اور عمران کے گھر والوں کو جہان پر چن لیا ہے ۱۲ ف۳ اور ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی اور ان کے باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے ہدایت دی اور ان کو پسند کیا اور سیدھے رستے پر چلایا ہے ۱۲ ف۴ اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو یاد کرو ہم نے ان کو ایک چنی ہوئی آخرت کی یاد کے لئے چن لیا ہے اور بیشک وہ سب ہمارے ہاں چنے ہوئے نیک لوگوں میں ہیں ۱۲ ف۵ قوم سے صوفیہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔ ۱۲

ہے۔ کسب اور اکتساب اور حدوث اور وقت ترویج ثابت ہوتا ہے جیسے انسان کی انسانیت محض پیدائشی
چیز ہے لیکن وہ چیز کہ اس کو باقی حیوانات سے جدا کرتی ہے وہ قوتِ ناطقہ ہے جو ابتداء پیدائش میں پوشیدہ
ہوتی ہے کیونکہ اس وقت چھوٹے بچے اور چوپائے میں کچھ فرق نہیں ہوتا بلکہ چھوٹا لڑکا سمجھنے اور بوجھنے میں
چوپائے سے بہت کمزور ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس چھپی ہوئی قوت کا اثر علوم کے ملنے کی وجہ سے معلومات
میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور جیسا کہ ابتدائے کلام میں مذکور ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہی مہربانی جو ازل
الآزال میں اس صاحب کمال کے بارے میں عنایت ہوئی ہے ہر وقت اور ہر مرتبہ میں اس کو نئی مہربانی
اور تازہ تربیت کے ساتھ پسندیدہ افعال اور صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق اور اچھی رسموں اور معاملوں
کی طرف کشاں کشاں لے آتی ہے ناپسندیدہ کاموں اور غلط عقیدوں اور بُرے کاموں اور خراب معاملوں
اور رسموں سے طرح طرح کے واقعات اور تصرفات کے ساتھ بچا رکھتی ہے۔ بس وہ حضرات انبیاء کی
اس محافظت جیسی نگہبانی کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے جس کو عصمت کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ
جس طرح بعض لوگوں کو کسی خوبصورت آدمی کے عشق یا ہنر اور کمال کی طلب یا مال اور جاہ کے حاصل
کرنے وغیرہ کسی قلبی عارضہ میں استغراق ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے قویٰ ہمیشہ میں خلل پڑ جاتا
ہے اور اس فتور کے باعث ایسے کاموں کی طرف ان کے دل میں کچھ التفات ظاہر نہیں ہوتی جو عرف
یا شریعت میں قبیح ہیں۔ اور ان امور کے ارتکاب کا ارادہ ان کے دل میں پکا نہیں ہوتا اور بعض دوسرے
آدمی جو عقل کی تیزی اور طبیعت کی نزاکت اور سرشت کی پاکیزگی پر پیدا ہوئے ہیں اور شفیق آباء
اور سکھانے والے استادوں کی تربیت اُن کے حق میں خوب ہوتی ہے ان کا قبائح مذکورہ سے پرہیز کرنا
عقل کی تیزی اور طبیعت کی وجہ سے ہوگا اور ان کی عقل کی تہہ سے ان قبائح کی نسبت وہ تنفر پیدا
ہوگا جو جبلی طہارت والے شخص کو نجاست اور ناپاک چیزوں سے ہوا کرتا ہے اور اگر کسی وقت ان سے
خطا اور نسیان کے طور پر قبائح مذکورہ کی طرف رغبت اور میلان ہو جائے تو بیشک وہ شفقت مزاج جبلیہ
سے اس کو ان ناپاک چیزوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے ہٹا رکھے گا اسی طرح بعض اہل کمال پاک
عشق کے غلبہ اور حضرت ذوالجلال کے مشاہدہ کے استغراق اور فنا اور بقاء اور چیزوں کے حقائق کے
منکشف ہونے کے مقام میں کوشش کرنے کے باعث مختلف ارادوں کے فنا ہو جانے سے کامیاب
ہو جاتے ہیں اور اسی فنا کے سبب ناپسندیدہ فعلوں اور غلط عقیدوں اور بُری عادتوں اور خراب

معاملوں سے بچے رہتے ہیں اور یہ حصہ اربابِ قربِ النوافل کا حصہ ہے اور بعض اہلِ کمال نورِ جبلی اور
عنایتِ ازلی کے باعث بھلے کو برے سے تمیز کر کے اپنے آپ کو قبائحِ مذکورہ سے پاک رکھتے ہیں اور
اگر کبھی ان سے امورِ مذکورہ کی طرف کچھ رغبت اور توجہ ہو جائے تو ان کے ارادے کے دامن کو ازلی عنایت
پکڑ کر عجیب غریب معاملات سے ان گندگیوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے باز رکھتی ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ
وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ
مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ۔ اسی معاملہ کی حکایت ہے، اور یہ حفظ انبیاء اور حکماء کا نصیب ہے اور
اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ باطنی وحی اور حکمت اور وجاہت اور عصمت کو غیر انبیاء کے واسطے
ثابت کرنا خلافِ سنت اور اختراعِ بدعت کی جنس سے ہے اس واسطے کہ ان امور میں بہت سے امور حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں صحابہ کبار کے مناقب میں وارد ہوئے ہیں چنانچہ اہلِ حدیث
میں سے واقف کاروں پر پوشیدہ نہیں اگر کلام کے طویل ہو جانے سے ملال اور دلگیری کا خوف
نہ ہوتا تو ان حدیثوں میں سے کچھ حدیثیں اس جگہ ذکر کی جاتیں اور یہ مت سمجھنا کہ اس کمال والے لوگ
جہان سے منقطع ہو چکے ہیں اور قرب الوجود روئے زمین سے محو ہو گیا ہے بلکہ جب تک کہ روشنی اور
اندھیرے کا خوش رفتار دو رنگ گھوڑا دوڑ رہا ہے وجود کا میدان حال اور مقام کے شاہسواروں
کے گھوڑے دوڑنے کی جگہ ہے۔ ہاں صاحبِ کمال کے کمال پر یقینی علم حاصل ہونے کا طریق جو کہ معصوم
کی خبروں میں منحصر ہے خیر کے زمانے کے گذرنے کی وجہ سے منقطع ہو چکا ہے جیسے کہ اس زمانے کے گذر جانے کے بعد
غیر منصوص مسئلوں میں شریعت کے حکموں میں سے کسی حکم پر قطعی علم کا حاصل ہونا ممکن نہیں حالانکہ مجتہدین کے اجتہاد کا
تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس قدر جلوہ گر ہوا کہ اس کا عشرِ عشیر بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں واقع
نہیں ہوا تھا اور اس کمال والے پر خدائے تعالیٰ کی غیرت اسی قسم کے لوازمات سے ہے اس کی تفصیل اس طور
پر ہے کہ جب اس ازلی عنایت نے ابتدائے فطرت میں استحقاق اور اکتساب کے بغیر اور واسطہ اور حجاب کے
سوا ہی اس صاحبِ کمال کو مقبولوں کے زمرے میں مقرر کیا ہے اور ہمیشہ بلا واسطہ اس مقبول کی تربیت
میں ساعی ہوتی ہے پس اگر کسی وقت لوازمِ بشریت کے تقاضے کے ساتھ اس مقبول کے دل سے خدا تعالیٰ کے
ماسوا کسی کی طرف کچھ توجہ ہو جاتی ہے اور اس چیز کے ساتھ علاقہ حاصل ہو جاتا ہے یا کسی امر کو ان امو

۱؎ بیشک زلیخا نے یوسف کا قصد کیا اور یوسف نے بھی اس کا قصد کیا اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھتے تو ہوتا جو ہوتا ۱۲

ہیں اسے جن کے پائے جانے کے باعث ان کا جبلی نور ظاہر ہوا ہے اپنی تربیت کا واسطہ جان لے تو
وہی ازلی عنایت اسواسطے کو کسی تدبیر کے ساتھ توڑ دیتی ہے اور اس خیال کو دور کر دیتی ہے اور بنی آدم کے
نیک بندوں کے دل میں قبولیت کا نازل ہونا بھی اس مقام کے آثار میں سے ہے کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا
نَادٰی جِبْرِیْلَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ فَیُحِبُّهُ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰی اَنْ قَالَ حَتّٰی
یُوْضَعَ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ ۔ ۱؎ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور اس قبولیت کی حقیقت اس صاحب
کمال کی وجاہت کا ان کے دلوں جیسے آئینوں میں منعکس ہونا ہے جو صاف اور سلیم ہیں اس اجمال کی تفصیل یہ
ہے کہ جس طرح آدمیوں کے اعضا اس اعتبار سے کہ جو عارضہ محبت یا غصے یا خوشی کی مانند دل پر عارض ہوتا ہے
تو اس کے آثار ظاہری اعضاء پر بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اُن کے دلوں کے لئے آئینے کی طرح ہیں اسی طرح بنی آدم
میں سے نیک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں حظیرۃ
القدس کی طرف نسبت کرنے میں آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا حظیرۃ القدس یعنی دربار خداوندی
میں مقدر ہو چکا ہے اکثر نیک بخت لوگ اسکو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم
اس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اس کے اسباب کی جمع آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں پس جب
اس صاحب کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی ہے اور دربار الٰہی میں راستی کا قدم پکا کر لیا ہے اور رفیق
اعلیٰ میں مقام صدق پا لیا ہے تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پر تو نیک بندوں کے دلوں پر پڑ جاتا ہے پس
جو نیک آدمی اس کو دیکھتا ہے یا اس کے پاس بیٹھتا ہے یا اس کے حال اور کمال پر مطلع ہوتا ہے تو ضرور
اس کو تہ دل سے دوست رکھتا ہے اور اس کے خلقوں اور خبروں کو تسلیم قلب سے مانتا ہے بلکہ اس کی
چال ڈھال پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہی اوضاع و اطوار اس کے غیر میں پائے جائیں کہ اس کی طرف کوئی
صالح آدمی ادنیٰ توجہ بھی نہیں کرتا۔ خلاصہ مقصود اس کلام کا یہ ہے کہ اس مقام والے کے ساتھ تمام
لوگ محبت کرتے ہیں اسواسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے [اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ] ۲؎ اور
یہ بات تو نہایت ہی واضح ہے کہ دانا اور عقلمند اور جوانمرد اور عادل ہی شاہد ہوا کرتے ہیں غافل نادان بدکار
لوگوں کو شاہد نہیں بنایا جاتا بلکہ اگر اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بزرگ لوگوں کی محبت

۱؎ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست بناتا ہے تو جبرئیل کو پکارتا ہے کہ میں فلاں آدمی کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو پس جبرئیل اسے دوست رکھتے ہیں پھر آسمان میں منادی کرتے ہیں یہاں تک کہ فرمایا حتیٰ کہ زمین میں اسکے واسطے قبول رکھی جاتی ہے۔

۲؎ یعنی لوگ زمین پر اللہ کے شاہد ہیں ۱۲

پیار کرنے والے کے ایمان اور پرہیزگاری کی علامت ہے ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ اور ایسے بزرگواروں کا بغض رکھنے والے کے نفاق اور بدبختی کا نشان ہے کہ لَا يُحِبُّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُنِي إِلَّا مُنَافِقٌ شَقِيٌّ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے

تیسرا افادہ:۔ اور شرعی حدود اور مظالم کو اور ان کے اشباح کو خود ان کی جگہ قائم کرنا اور عموماً نوع انسان کی پرورش کے رکنوں اور ادبوں اور شرطوں اور مقصدوں کو مقرر کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے بڑھ کر ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو انبیاء مرسلین میں سے اصحاب شریعت کا مقام ہے اور ان کی متابعت سے ظلی طور پر انبیاء کرام کی فرمانبرداروں میں سے بعض ان بزرگوں کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ ملتا ہے جن کو قوم کی اصطلاح میں محدثین کہتے ہیں اور صاحبان علم کے پیشوا اور صاحبان تفہیم امام حضرت شیخ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب الفرائض تھا۔

چوتھا افادہ:۔ غافلوں کو جگانے اور جاہلوں کے عذر کو دور کرنے اور مخالفین اور منکرین پر دلیل یا تلوار اور نیزہ کے ساتھ حجت پوری کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس سے برتر و بلند ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی برکت سے بھرے ہوئے وجود سے قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کا مضمون ثابت ہوتا ہے اور یہ مقام مستقل طور پر انبیائے اولوالعزم کا مقام ہے اور ان کی فرمانبرداری سے بعض بڑے با عمل عالم اس مقام کے ظل اور اس کے فخر کے عکس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں جن کو قوم کی اصطلاح میں حجۃ اللہ کہتے ہیں اور آپ (حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ) کی اصطلاح میں اس مقام کا نام حبر ملکوت ہے۔

پانچواں افادہ:۔ اور اس مقام سے اعلیٰ اور بلند مقام ریاست اور مدار و اطوار ہے اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح زمانہ کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کے فیض سے معاش کے امر یا نوع انسان کی پرورش ایک خاص طور پر واقع ہوتی ہے اور اللہ عز و جل کی وہ عنایت جو عام انسانوں کی طرف خرچ ہو رہی ہے اسی لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور جو صاحب کمال نوع انسانی کے تربیت کے واسطے نیابت عن اللہ کے مقام میں قائم مقام ہو چکا ہو۔ اسی وجہ سے تکمیل میں بڑی کوشش کرتا ہے اور جب وہ وجہ اپنے کمال پر پہنچ جاتی ہے

ل یہ پرستش چھے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کی نام کی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری سے ہے موضح القرآن ۱۲

ع یہ حدیث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی ہے یعنی پرہیزگار ایماندار کے سوا کوئی شخص اسکو دوست نہیں رکھتا اور بدبخت منافق کے سوا کوئی آدمی مجھ سے دشمنی نہیں رکھتا ۱۲ ع کے کلمہ قلم اشارہ کے لئے مخصوص ہے

نئی مہربانی اور تازہ عنایت رحمت ازلیہ کے دریا سے نکل کر تربیت حاشیہ کے وجوہات سے ایک اور
وجہ پیدا کرتی ہے اور اسی وجہ کے ایجاد میں بنی آدم کے کامل نفوس کو متوجہ کرتا ہے۔ آیۂ کریمہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ
مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ
اسی تجدید کا بیان ہے مثلاً حضرت آدم صفی اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے لے کر
حضرت ادریس کے زمانہ تک تمدّن فیض انسانی افراد کو کھیتی باڑی کرنے اور چلنے اور آٹا گوندھنے
اور روٹی بنانے اور باقی طعاموں کے پکانے اور لباس بنانے اور رہنے کے مکانوں کی تعمیر کرنے کی ہدایت
کی طرف توجہ ہوتی رہی اور جب یہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو حضرت ادریس کے زمانے سے زرگری
اور لکھنے اور آہنگری اور درزگری جیسے لطیف و دقیق پیشے اور دزدی اور آسمانی جسموں کے خواص کی واقفیت
کے ساتھ علم جو کہ علم طب اور نجوم کا خلاصہ ہیں ظاہر ہوئے اور ذوالقرنین اول کے زمانے سے بادشاہت اور
ریاست کے بناؤں کی مضبوطی اور حکومت اور عدالت اور قانونوں کی تیاری اور لشکروں کا جمع کرنا شروع
ہوا اسی طرح نوع انسانی کے امر معاد کی تربیت بھی زمانے اور طریق بدلا کرتے ہیں ہر دورہ میں جو اہل
کمال اپنے کمال کو پہنچتے ہیں جو علم کہ ان کے دورے کے مناسب ہیں ان کے دلوں میں ڈال دیے جاتے ہیں
اور ان کو انہی علموں کی تکمیل میں خادم بنایا جاتا ہے پھر جب وہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک
اور تربیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور ایک نئی ہدایت کی بنیاد کو مضبوط کیا جاتا ہے مثلاً اس امت کے
دوروں میں کا پہلا دورہ تقیہ اور کا دورہ تھا پھر سکینہ کا دورہ ظاہر ہوا اور اس کے بعد صوفیہ کرام کا دورہ
آگیا یہ تمثیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ورنہ ادوار انہی میں منحصر نہیں حاصل کلام جب ایک دورہ ختم ہوجاتا
ہے۔ دوسرے دورے کی ابتدا شروع ہوجاتی ہے ایسے شخص کے وجود سے پہلے دورے کی ہدایت
کو کمال کی نہایت تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کے ترجمان مقرر کرکے اس کی برکت والی زبان سے اللہ تعالیٰ
تازہ مہربانیوں کی طرف آدمیوں کی دعوت کی جاتی ہے اور اس کے دورہ کی امامت اس کو بخشی جاتی ہے
جو اس زمانے میں آدمیوں میں سے زیادہ باکمال اور اللہ تعالیٰ کے فیض سے زیادہ لائق ہوتا ہے اور یہ
مقام مستقل طور پر تو حضرت خاتم نبوت اور فاتح الولایت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے
اور آپ کی پیروی کی برکت سے اس مقام کا نمونہ بعض بزرگوں کو بھی عطا کیا جاتا ہے اور اصطلاح میں ان کو

لہ تدبیر کرتا ہے کام کی آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اس کی طرف ایک دن میں جس کا مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔ موضح القرآن

خاتمین اور فاتحین کا لقب دیا جاتا ہے۔ یعنی ان لوگوں کے وجود سے گذشتہ دورہ کی نتیجہ کی نہایت اور آئندہ دورہ کے کمال کا آغاز ہوتا ہے اور حضرت شیخ ولی اللہ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام مقام فردانیت ہے اور اس دورہ میں جتنے اہلِ کمال پائے جاتے ہیں حقیقت میں وہ اسی امام رہ رو کے پیرو ہیں خواہ اسکو جانیں یا نہ جانیں اور ان کی پیروی کے یہ معنی نہیں کہ وہ قصداً اس امام کی تقلید کرتے ہیں یا ان کی تربیت کا سلسلہ اس امام تک پہنچ جاتا ہے بلکہ اس مقام میں اتباع کے یہ معنی ہیں کہ جو شانِ الٰہی اس دورہ میں ظاہر ہوتا ہے یہ لوگ بھی اس کی خدمت میں جان و دل سے کوشش کرتے ہیں اور اس شان کے مناسب جتنے علم پہلے پہل اس امام کے دل میں ڈالے گئے تھے دوسری دفعہ غیب کے خزانے سے ان بزرگوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں اور جس طرح ان علوم کی اشاعت کا عزم اول اول اس امام کے دل میں پیدا ہوا تھا اسی طرح وہی عزم ان بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے — **پہلا افادہ:** چونکہ تینوں مقام مستقل طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مانے گئے ہیں اور ان کے ماسوا اور لوگوں کو ان کمالات کے ظل اور ان مقامات کے نمونے کے سوا اور کسی چیز تک رسائی نہیں باوجودیکہ ایسے بزرگ ان مفاخر کے اشباح کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں تاہم کبریت احمر اور اکسیر اعظم کی طرح نادر الوقوع اور کمیاب ہیں اور اسی واسطے ان تینوں مقاموں کے بحث میں اجمال اشارات پر اکتفا کر کے انکی تفصیل کو دوسرے مقام کے حوالہ کیا گیا ہے اور نیز ان مقامات کی کنہ کو بلکہ تمام کمالوں کی تحقیق ان خوبیوں کے حاصل ہونے اور ان مفاخر تک پہنچے بغیر ہو ہی نہیں سکتی لہٰذا ان مخفی بھیدوں کے ظاہر کرنے میں کوشش کرنا اور تکلیف اٹھانا لاحاصل اور بیفائدہ ہے

فرد۔ داغ غلامیت کرد پایہ خسرو بلند — صدر ولایت سود بندہ کہ سلطان خرید

فائدہ: یہ نہ جاننا کہ راہِ ولایت اور راہِ نبوت آپس میں متباین ہیں کہ ولایت کے رستے کے چلنے والے راہِ نبوت کے مقامات پر ہرگز کامیاب نہیں ہو پاتے یا راہِ نبوت کے طالب حالات ولایت کا سود نہیں بنتے یا حب عشقی والے حب ایمانی سے خالی ہوتے ہیں اور حب ایمانی والے حالات عشقیہ سے غافل رہا کرتے ہیں ایسا ہرگز نہیں کیونکہ تم نے کتاب "فتوح الغیب کو" جو ولیوں کے پیشوا اور صاحبانِ فنا و بقا کے امام فضیلتوں اور بزرگیوں والے حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے" دیکھا ہوگا جو ساری کی ساری فنائے ارادہ کے مضمون سے جو حب ایمانی کا خاصہ ہے بھری ہوئی ہے اور وحی کے بند ہونے کے زمانے میں اس پیچ و تاب اور قلق و اضطراب کی حکایتیں تم نے سنی ہوں گی جو حضرت

سید الانبیاء و المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیم کے مبارک دل پر گذرا کرتی تھیں کہ اس عجز اور
نیاز اور بے پروائی اور ناز کے معاملے جو درمیان میں گذر رہے تھے۔ لیلیٰ اور مجنوں کی داستانوں
کے رشک افزا ہیں بلکہ حب ایمانی کا نتیجہ اور اصل بہشت کی سعادت کا نور ایمان کے رکنوں اور ایمان کی
شرطوں سے ہے پس معقول طریقوں کے چلنے میں حب ایمانی کو شاہراہ عام مسلوک کی طرح جاننا چاہیئے
اور حب عشقی کو اس طرح جیسے ایک پگڈنڈی یا اس راہ کی سرنگیں ہیں ایک سرائے کے جا پہنچا سمجھنا چاہئے بلکہ
حب ایمانی طریق رحمانی کے سالکوں کا جان کا نچوڑ ہے اور حب عشقی مقامات اور واردات کی تحصیل
سے ہے ہاں بعض لوگوں کے دلوں میں طبعی مناسبت کی وجہ سے حب عشقی زیادہ قوت دیتی ہے اور
کشاں کشاں ولایت کے رستے تک لے جاتی ہے اور حب عشقی کی حضرت میں حب ایمانی ظاہر
ہوتی ہے اور بعض نفوس میں عشق کے جوش کے فرد ہو جانے کے بعد صرف حب ایمانی ہی باقی رہ جاتی
ہے اور طریق نبوت کے مقامات کا راستہ دکھاتی ہے۔ الغرض حب ایمانی تو بڑے سلوک کے
لئے بنیاد کی مانند ہے بلکہ لکڑی اور چونے اور پتھر کی طرح جو عمارت کا مادہ ہے۔ سمجھنا چاہئے اور حب
عشقی اور اس کے ثمرات کو ان سیڑھیوں اور دروازوں اور دلکش نقشوں کی طرح جاننا چاہیئے
جو اصل عمارت کے بعد ہوا کرتے ہیں اور چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہدایت کی عمارت
کی مضبوطی اور عموماً انسانوں کی تربیت سے ایمان کی پختگی کے واسطے مبعوث ہوئے ہیں تو ناچار
اسی حب اور اس کے ثمرات کی طرف انہوں نے دعوت کی ہے اور اس رستے کے حاصل کرنے کے
طریقوں کو مضبوط اور واضح کردیا اور حب ایمانی کے طریقوں کے کھول دینے پر اکتفا کیا اور حب عشقی
کے بیان اور اس کے ثمرات کے واضح کرنے اور اس کی تحصیل کے طریقوں کے تعیین کی طرف باریک
اور لطیف اشارات کے سوا کچھ توجہ نہیں فرمائی اور جب اصحاب طریقت میں سے اولیائے کبار نے جو
فن شریعت میں باطنی امامت اور دل کے سنوارنے کے قواعد میں جو دین متین کا خلاصہ ہے درجہ
اجتہاد کا حاصل کرچکے تھے حب ایمانی کو متواترات دینیہ سے جان لیا اور اس کی تحصیل کے
طریقوں کو اکثر اہل مذہب میں مضبوط دیکھا حتیٰ کہ اہل ملت کے عوام میں سے ہر ایک جو ان کے زمانہ
میں تھا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکموں کی تعمیل اور شرع نبوی اور دین مصطفوی کے
اختیار کرنے کو اپنے پر فرض جانتا تھا اور منعم کے شکر اور اس کی حرمت کی خوبی اور منعم کی ناشکری

اور اس کی مخالفت کی برائی کی اجلی بدیہیات سے سمجھتا تھا تو حب ایمانی اور اس کے لوازم کو کامل سمجھ کر اور اسے اپنے پیروں کے دلوں میں مسلم الثبوت جان کر حب عشقی کے احکام کی تفصیل اس کے ثمرات کی ایضاح اور اس کے حاصل کرنے کے طریقوں کے مضبوط کرنے کی طرف اپنی ہمت کے منہ کو متوجہ کر کے اس امر میں نہایت کوشش کی اور اہل اسلام میں سے ایک بھاری جماعت کو بہت نفع پہنچایا اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہوں نے بڑی عزت حاصل کی فشکر اللہ مساعیہم ونور قبورہم ورفع درجاتہم فی اعلیٰ علیین[۱]۔ پھر ان کے زمانے کے گذرنے سے کچھ مدت پیچھے جیلیوں کی ایک جماعت ظاہر ہوئی اور کمینوں کا ایک ایسا طائفہ پیدا ہوا کہ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ[۲] ان کے بد انجام حال پر منطبق ہو گیا اور وہ حب ایمانی حاصل کرنے کے طریقوں کو برباد کر کے حب عشقی اور اس کے ثمرات کو حاصل کرنے کے پیچھے پڑ گئے حالانکہ یہ محض باطل خیال اور محال کا طلب کرنا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے [illegible] اور مثل مشہور ہے ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ عارف بلند پیر شیخ ابو سعید ابوالخیر اس بدحال گروہ کے حال سے خبر دیتے ہیں۔ بیت

تقلید پدر و دستہ مقلد بے معنی
بدنام کند راہ جوان مردان را

یعنی دو ٹکے بے خبر مقلدوں کی تقلید جواں مردوں کی راہ کو بدنام کر دیتی ہے ـــــ اور اس کے مطالب کو واضح مثال کے ساتھ سامعین کے ذہن کے قریب کرنا چاہیے مثلاً اللہ تعالیٰ کی وسیع عنایت نے جو ازل الآزال میں انسانی افراد کے حق میں مبذول تھی ایک وقت میں یوں تقاضا کیا کہ کچھ ایسے عقائد اور احکام اور معاملات ”جن کو افراد انسانی کی ہدایت اور معاش معاد میں بہتر رکھنے والی چیزوں سے یعنی نجات اور برزخ اور قیامت کے آفات سے خلاصی دینے میں قوی دخل اور عظیم تاثیر تھی“ عاجز کرنے والی عربی زبان میں ان کو سکھائے جائیں اور ان کی شرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان سے کی جائے پس جناب رسالتمآب صلوات اللہ علیہ وسلامہ

۱؎ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی کوششوں کی قدر شناسی کر کے اعلیٰ علیین میں ان کے درجوں کو بلند کرے ۱۲
۲؎ یعنی پھر ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے ۱۲ ۳؎ یعنی پہلے ایمان [illegible] تخت کو برقرار کر ۱۲ ؎ پہلے تخت تیار کرے پھر اس کے نقش کے درپے ہو ۱۲

نے اس عاجز کرنے والے کلام کو نہایت واضح طور پر لکھ کر تمام حاضرین کو پہنچا دیا پس اس قدر کی ضعیف
کی تکمیل "جو غیب الغیب سے نازل ہوا ہے" دو وجہ سے ہو سکتی ہے اول آنکہ جن امور کو معاش اور معاد کی اصلاح
میں تاثیر ہے اور نجات اور درجوں کے بلند کرنے میں دخل ہے انہی امور کے سیکھنے کو اپنی ہمت کا قبلہ بنا کر
قرآن اور حدیث کی طرف متوجہ ہو اور مذکورہ عقائد کی تصدیق اور ماثورہ احکام کی تعمیل اور پسندیدہ
اخلاق کی تحصیل اور سیاسیات اور معاملات مقصودہ کے قائم کرنے میں نہایت کوشش کرے اور کتاب اور
سنت سے شارع کا مقصود اور ہدایت اور سعادت کی بنا یہی ہے اور شارع علیہ السلام نے واضح بیان
کے ساتھ اسکی تفصیل فرمائی ہے اور اس کے مبادی حاصل کرنے کے طریقوں کو کمال قصد سے مقصود کیا ہے
دوم آنکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بلاغت کے طریقوں اور عقائد حقہ کی دلیلوں اور احکام منصوصہ کی حکمتوں
اور اخلاق مکروہ کے پیدا ہونے کی وجہوں اور معاملات اور قوانین حدیثیہ کے نفعوں پر واقفیت کو اپنے دھیان میں
رکھ کر اور ان کو اپنے ارادہ کا قبلہ بنا کر قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے۔ اور اس طرح سے غور
کرنا شارع علیہ السلام کا بالذات مقصود نہیں اسی واسطے اس کی تصریح نہیں فرمائی اور اس کے حاصل
کرنے کے مبادی اور اس کی تکمیل کے طریقوں کو بیان نہیں کیا مثلاً علوم صرف نحو و معانی و بدیع وغیرہ ○
فنون عربیہ کی تحصیل اور منطق اور فلسفہ اولیٰ و مناظرہ کے استدلالیہ مسائل کی بنیاد اور قوانین اجتہادیہ
کے مباحث قیاس اور تعلیل اور مسائل ترجیح اور قواعد جعل اور انسان کی باطنی قوتوں کی تشریح اور حکمت
عملیہ کے اصول کی تنقیح کے بارے میں شارع سے کچھ بھی منقول نہیں بلکہ جو کچھ جناب سے منقول ہے وہ
فقط قرآن اور حدیث ہے اور حجت اور دلیل اور تلوار اور نیزے کی ساتھ آپ کی دعوت انہی دو
چیزوں کی طرف تھی اور ان دونوں چیزوں کی اشاعت میں آپ نے کس قدر مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائی
ہیں ہاں علم قرآن مجید اور حدیث شریف کی تحصیل کے بعد یہ نازک اور باریک علم بعض لوگوں کے واسطے
اکسیر اعظم کا حکم رکھتے ہیں کہ ان کے نفسوں کو امامت اور وراثت اور خدمت کا منصب بخشتے ہیں اور اسی
واسطے جب یہ قرآن عظیم و حدیث نبی کریم حد تواتر اور شہرت کو پہنچ گئے اور ہر خاص و عام نے
اپنے حصہ کے موافق اس سے کامیابی حاصل کر لی اور دونوں کی تسلیم نے تمام اہل اسلام کے دلوں
میں ادبیات کی تسلیم کا رنگ پکڑ لیا تو فنون عربیہ کے استادوں اور اجتہاد کے اماموں اور علم
کلام کے داناؤں اور تہذیب و اخلاق اور حکمت ایمانیہ والوں کی کوشش سے وہ باریک علم

ظاہر ہوئے اور ان بزرگوں کو اسی کوشش کی وجہ سے تمغا آو اُمتی کا بخشا ... ذریعے میں جگہ ملی ہے اور اس کے پیروان بحثوں کی تطویل میں بیشک کوشش بجا لائے یہاں تک کر کے بے جوڑ ... ایک علم پیدا ہو گئے اور ان بزرگوں کے اس برکت والے زمانے کے گذرنے کے بعد مقلدوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس میں حب جاہ اور طلب ریاست طبعی طور پر بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے اسی گفتگو اور جھگڑے کو بزرگی اور کمال سمجھ کر قرآن مجید اور حدیث شریف کو پس پشت ڈال کر اپنی تمام عمر کو ایسے ہی فضول امور کے حاصل کرنے میں ضائع کر دیا اور فلسفہ اور اعتزال کا رستہ اختیار کر کے اس فانی جہان سے افسوس اور پشیمانی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کیا اور آخر کار انہوں نے اپنی تنگ قبر میں ناکامی اور ٹوٹے کے سوا اپنا ٹھکانا کسی کو نہ پایا۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أَعَاذَنَا اللهُ وَجَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ حَالِ أُولٰئِكَ الْجَاهِلِينَ

دوسرا باب

در طریقوں سے سچے اور عبادات کے ادا کرنے کے طریق اور بری خصلتوں کو چھوڑنے اور عمدہ خصلتوں کی زینت حاصل کرنے کے بیان میں اور اس میں ایک مقدمہ چار فصلیں اور ایک خاتمہ ہے

مقدمہ ۱۔ اور اس میں ایک افادہ ہے کہ اذکار اور اشغال اور مقام اور مراتب جو اولیائے کرام نے ظاہر کئے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالکوں کو وہی امور پیش آتے ہیں اور انہی اذکار اور اشغال سے ان مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنایتیں اور برکتیں کہ بارگاہ الٰہی سے ... اور ان مقام کے باطن میں ہوا کرتی ہیں سالکوں کے دماغ میں ان کی بو بھی نہیں پہنچتی اور ہرگز وہ آثار مترتب نہیں ہوتے ہر چند عنایات اور برکات اور خدائے تعالیٰ کے دربار میں قبولیت کے بھیدوں میں تمام اہل کمال کا برابر ہونا ممکن نہیں لیکن ہر ایک کے حسب حال اس کا ظہور لگا چاہیے اور ان آثار کے معدوم ہونے کی صورت میں اس امر کی جستجو اور تلاش کرنی ضروری ہے۔ جو ان کے مفقود ہونے کا باعث ہوتا کہ اس کے دور کرنے کی تدبیر کی جاوے اور حقیقی مطلب حاصل ہو جائے اور اکثر

لہ آیۃ: کہہ ہم بتاویں تم کو کن لوگوں کے عمل اکارت ہوئے جن کی دوڑ بھٹک رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں خوب بناتے ہیں ۱۲ ... پناہ دیوے اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان جاہلوں کے حال سے ... [illegible]

لوگوں میں بدعتوں کا اختیار کرنا اور بُرے اخلاق سے آلودہ ہوجانا اور شارع کے مقصود کے موافق طاعات سے بے پروائی کرنا اور ان کے شرعی طور میں عبادات کی قبل چیزوں کا جانا عبادتوں کے ان آثار کے ظہور کا مانع ہے۔ لہٰذا اس باب کو چار فصلوں پر بانٹنا ضروری ہوا۔

پہلی فصل بدعتوں پر پیرزادہ کے بیان میں۔ اور اس میں تین ہدایتیں ہیں۔ پہلی ہدایت ان بدعتوں کے بیان میں جو صوفیہ کبار قدس اللہ اسرارہم کے ساتھ تشبہ پیدا کرنے والے صوفی شعار ملحدوں اور مشرکوں کے میل جول کے سبب سے عوام اہل اسلام میں پھیل گئی ہیں اور اس ہدایت میں دو تمہیدیں اور چند افادے ہیں۔ پہلی تمہید جو کشف اور شہود و سلوک کے اعمال ہیں اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتے ہیں، کافر اور مومن اور بدعتی اور متبع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اُس کی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کا کفر اور ملحد کا الحاد اور بدعتی کی بدعت اس کے رد کرنے والی چیزیں ہیں پس صرف اس کشف اور شہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطا ہے۔ ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے جو کمال مطلوب کا ذریعہ اور راستہ ہے پس انسان دو چیزوں کے ساتھ کامل ہوتا ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مراد وہ مجمل معرفت نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس اس سے باخبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام اوصاف میں ہر زندہ سے برتر ہے تمام زندوں سے اس کی زندگی بہت بڑھ کر ہے اور تمام اہل علم کے علوم سے اس کا علم بڑھ کر ہے اور اسی پر اور اوصاف کو بھی قیاس کر لینا کیونکہ اگرچہ یہ معرفت بھی ناادر ہے سوائے اس کے لیکن اتنی ہی معرفت کمال کا موجب ہوتی تو ناقص آدمی کو خفقا بھی ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی حقیقت کا جاننا اس طرح بھی مراد نہیں کہ انسان کی قوت مدرکہ بالکل اس کا احاطہ کرلے کیونکہ یہ ممتنع ناممکن ہے مثلاً اس کے رازق ہونے کی صفت کسی آدمی پر جس طرح چاہیے ظاہر ہونے لگے تو کوئی آدمی بھی اس کے جاری کی برداشت نہ کر سکے پھر جائیکہ اس کے انتہا کو پہنچنا اگر انسان کے کمال میں یہ معرفت مقصود ہوتی تو کامل انسان کا پایا جانا محال ہوتا پس اس جگہ معرفت سے وہ معرفت مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو انسان کے پیدا کرنے سے منظور و مطلوب ہے اور اس کو قرآن اور حدیث سے معلوم کر سکتے ہیں اور اس معرفت کا درجہ بارگاہ الٰہی میں آدمی کے واسطے بڑی عزت اور بہت سارا اعتبار رکھتی

ہو جاتا ہے وہ معرفت مراد نہیں جو عزت اور اعتبار کے سوا حاصل ہو جیسے حکما زمانہ سلف اور کامل انسان اس عزت یا اعتبار کے باعث اس خود مختار اور خواص کی مانند ہو جاتا ہے جو اپنے آقا کی نظر میں معزز اور معتبر ہو گیا ہو۔ اور اس کی عزت اور اعتبار کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں مثلاً ان کی باتیں اس سمجھی ہوتی ہوں اور اسے بعض رعایا سپاہیوں یا محتاجوں یا سائلوں کے پاس اُن کے پہچاننے کا حکم ہو اور اس کی بات محلِ اعتبار اور راستی کے مرتبہ پر پہنچے اور اس کی سفارش لوگوں کے حق میں قبول ہو جب اس قسم کی عزت واعتبار معرفت ذات اور صفات کے ساتھ کسی آدمی میں جمع ہو جائے تو انسان کامل وہی ہے اور ان کے اوصاف کے باوجود کامل لوگوں کے مرتبوں میں اس قدر تفاوت ہوتا ہے کہ ان کا شمار محال ہے۔ ولایت کا ادنیٰ مرتبے سے حضرت خاتم النبیین کے مرتبے تک تفاوت کو سمجھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں سلوک کو سلوک کے اسی مقررہ طریقے میں منحصر نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اس کے بھی بہت سارے رستے ہیں جن میں سے یہ بھی ایک مقبول رستہ ہے اور اس رستے کا دارومدار ظاہر کتاب اور سنت کے ساتھ اس طریقہ والے اقوال اور احوال کے مطابق ہونا ہے۔ دوسری تمہید: راہِ حق کے بڑے غلط انداز وہ صوفی شعار ملحد ہیں جو شریعت کی مخالفت سے نہیں ڈرتے بلکہ مخالفت کے التزام کو اپنا طریق سمجھتے ہیں اور بُرے بُرے بدعتی شرک آمیز اشغال سیکھتے سکھاتے ہیں اور الحاد کا کلام لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں ان کے افعال اور اقوال کے موافق ان کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے جو قتل کرنے کے قابل ہو اس میں قتل کیا جائے اور جو تعزیر اور تنبیہ کے لائق ہو اس کو تعزیر اور تنبیہ کی جائے اور اگر شریعت کے احکام ان پر جاری نہ کر سکیں تو ان سے سخت بیزار رہیں اور ہرگز ان کی ملاقات نہ کریں اور ان کے سامنے جانے کو برا جانیں اور اگر ان میں سے کسی کی ہدایت کا گمان ہو تو ایک دو بار ملاقات کر لیں پھر اگر اس کو ہدایت ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں نہیں تو اس کے پاس جانے سے باز رہیں کیونکہ بُری صحبت سے بچنا بھی اللہ جل شانہ کے طالب کے حق میں نہایت ضروری چیز ہے۔ بیت:

نخست موعظت پیر صحبت این حرف است
کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

پہلا افادہ: اللہ عزوجل اور اس کے شعائر کے حق میں بے ادبانہ کلمات نکالنا بھی صوفی شعار ملحدوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عوام اہل زبان میں پھیل گئے ہیں بلکہ بعض مقبول آدمی

بھی اس میں مبتلا ہو گئے ہیں پس حق طلب کو چاہیئے کہ ایسے کلمات کے سننے سے پرہیز کرے اگرچہ ان کے کہنے والے کے حق میں نیک گمان بھی ہو خود ہرگز نہ کہے کیونکہ بے ادبی کا ثمرہ نیک نہیں اور اگر کسی سے ہو بھی جائے تو پیروی کے لائق نہیں۔ بیت :-

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلس شاہ ہر کرا نیست ادب لائق صحبت نبود

مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے ایک کوڑی سے خدا کو خریدا ہے (یعنی) کسی وقت ایک کوڑی کا پانی مقبول ہو گیا اور اس کے معرفت کے دروازے کے کھلنے کا باعث ہوا (تو بس) اس نے اس مدعا کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہر چند مراد ٹھیک ہے لیکن تعبیر بیجا ہے اگر یوں کہتا میں ایک کوڑی دیکر اس کے بندوں میں داخل ہوا تو بہتر ہوتا۔ اسی طرح سو بار صحیح تعبیریں کرے اور بے ادبی سے بہت دور رہے اور اپنے آپ کو غلاموں میں سے ایک غلام بلکہ بے پروا، عالی جاہ بڑی غناؤں والے نہایت مہربانیوں والے سخت گرفت والے جلدی بدلہ لینے والے بادشاہ کے کمترین بندوں سے جانے اور ہمیشہ ہر حرکت اور سکون میں ڈرتا اور کانپتا رہے اگرچہ عجیب حالتیں وارد ہو کر بے ادبانہ کلموں کے صادر ہونیکا تقاضا کریں۔ دوسرا افادہ:- توحید وجودی اتحادی کی گفتگو وجودیہ ملحدوں کی ان بدعات سے ہے جو عام اور خاص لوگوں میں مشہور ہو کر طریقت کے بڑے بڑے پیشواؤں کے اقوال سے متجاوز ہو گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے اتحاد کے گمان پر نفسانی لذتیں حاصل کرتے ہیں اور شیطان اور خبیث نفسوں کے مکر اور فریب سے اس گفتگو کو معارف اور حقائق گمان کرتے ہیں اور ان اقوال کے نقصانوں سے چھوٹا نقصان یہ ہے کہ اپنے عزیز وقتوں کو محض بے فائدہ کام میں خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے پیشوا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا امر نہیں فرمایا اور اس کو بیان بھی نہیں کیا پس ہمکو اس سے کیا فائدہ اگر نماز اور روزے کی طرح یہ کام ہمارے کام کا ہوتا تو آپ ہمیں اس پر آگاہ فرماتے حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ آپ کی شان ہے پس اس سے خاموش رہنا ہمارے حق میں بہتر ہے اور ہماری کوئی غرض بھی اس سے متعلق نہیں۔ اگرچہ کہ اس گفتگو کا رواج ہو چکا ہے اس کے واقعی اور غیر واقعی ہونے کے بارے میں استفسار کرتے ہیں پس ایسا جاننا چاہیئے کہ یہ مخلوقات عین خدا نہیں اگرچہ ان کا قیوم اسی کی ذات ہے پس اس کی تمثیل صفات سے کرنی چاہیئے کہ جس طرح صفتیں نہ خدا کا عین اور نہ اس کا غیر بلکہ اس کے ساتھ قائم ہیں اسی طرح

باقی مخلوقات بھی نہ صفات کا عین ہیں نہ غیر بلکہ ان صفات کا مظہر ہیں۔ پس صفات اگرچہ بذاتِ
خود مظاہر سے مستغنی ہیں حکمتِ الٰہیہ کے تقاضے سے باوجود استغنا کے مختلف مظاہر یعنی مخلوقات
میں ظاہر ہوتی ہیں اور طریقت کے بزرگواروں نے یہی معنی اس کلام کا لیا ہے جسے اس وقت کے
ملحدوں نے ان کے مقصود کے برخلاف حمل کر کے تحریف اور دھوکہ دہی کا راستہ اختیار کیا ہے
پس اس قدر جاننے میں تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اپنے اوقات کو اس گفتگو میں صرف کرنا محض بیجا
ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے کمالات سے محرومی کا باعث ہے۔

تیسرا افادہ:- تقدیر کے مسئلہ میں قیل وقال اور بحث وجدال کرنا بھی صوفی شعار ملحدوں کی
ان بدعات سے ہے جو عام اہلِ اسلام میں مشہور ہو گئی ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ایمان بالقدر اسلام کے
بڑے عقیدوں اور شریعت کے مؤکد واجبوں سے ہے اور چونکہ سرسری نظر میں تقدیر کا مسئلہ تکلیف
کی بحث سے تعارض رکھتا ہے اسی واسطے شارع علیہ السلام نے اس باریک مسئلہ میں تعمق کرنے
اور اس گہری بحث میں غوض کرنے سے سخت تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے پس لاچار اہلِ اسلام پر
واجب ہے کہ اس کے اجمالی ایمان پر اکتفا کریں اور اس گہرے اور خونی دریا یعنی اس مسئلہ کی تفصیل
و توضیح میں نہ گھسیں لیکن ان دنوں میں تقدیر کے منکر رافضیوں اور تکلیف کے منکر ملحدوں کے میل جول کی
وجہ سے بعضوں نے شرع کو معارض سمجھا ہے اور تقدیر کے مسئلہ سے تمسک کر کے شرعی مسائل کے باطل کرنے
میں بڑی کوشش کرتے ہیں ناچار بحکم اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ ۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں کچھ
اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے اور باوجود اس کے فقط اس اجمالی ایمان کا اہتمام اس کتاب میں مقصود ہے
اور غافل مومنوں کو گمراہ کرنے والے شیطان رافضیوں اور ملحدوں کی پیروی سے بچانے کے واسطے اس کی
تفصیل کی گئی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ تمام بندوں کے افعال اور اقوال اور ان کی حرکتیں اور سکون اور ان کے
علم اور ارادے اور ان کی بھلی اور بری سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں ہاں بعض بندوں میں بعض
فعل اور بعض بندوں میں اور فعل جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان کے پیدا کرنے اور ابوجہل
کے دل میں کفر پیدا کرنے کی تخصیص میں ایک مخفی حکمت ہے کہ اس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی بھی شرح تفصیل
کے ساتھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر اتنا معلوم ہے کہ ازلی استعدادوں کی تفاوت کا لحاظ ہی وہ حکمت
ہے اور استعدادات ازلیہ کے اختلاف کے سمجھنے کے لئے یہ تمثیل ہے کہ ایک بڑا عظیم الشان درخت ہے

جس میں ہزار قسم کی لکڑی موجود ہے بعض ان میں سے جلانے کے قابل ہیں اور بعض ان میں سے بیالے بنانے کے لائق ہیں اور جو جلانے کے قابل ہیں ان میں بھی بے حد تفاوت ہے مثلاً بعض تو درخت کے کاٹنے کے وقت ایسے بھیگے ہلکے بیکار ٹکڑے رہیں گے جو آگ جلانے کے ابتدا میں کام آتے ہیں بلکہ پہلے پہل ان کے سوا آگ سلگتی ہی نہیں اور کچھ ان میں سے ایسی سخت گرہیں رہیں گی جو آگ کے شعلوں کے بہت تیز ہونے کے وقت ڈالی جاتی چاہئیں تاکہ اس تیز آگ میں جل سکیں اور کچھ لکڑیاں ایسی نکلیں گی جو عمارت کے کام آتی ہیں کوئی ستون بنے گا اور کوئی شہتیر اور کسی کے تختے پھر ان میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ کچھ تختے تو خاص شاہی خلوت خانے کی چھت کے لائق ہیں۔ اور کچھ تختے قیدیوں کے پاخانے میں قدم رکھنے کی جگہ کام آتے ہیں۔ ایک تختی تو ایسی ہوتی ہے کہ کسی حق پرست کامل کے ہاتھ سے کلام الٰہی کے حرفوں کے لکھنے کے لیے بنائی گئی ہے اور ایک تختی ایسی ہوتی ہے۔ کہ ناکارہ ہونے کی وجہ سے پامال ہوتی رہتی ہے اور اس طرح استعدادوں کے اختلاف کی مثالیں جو بے شمار ہیں۔ نوع انسانی کے افراد میں سمجھنی چاہیئے اور اسی تمثیل کو حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی قدس اللہ سرہٗ نے عمدہ اور مختصر عبارت میں ادا فرمایا ہے (اور وہ یہ ہے) آہ آہ ازیں تفاوت راہ۔ دو آہن پارہ از یک جایگاہ۔ یکے نعل ستوراں و دیگر آئینہ شاہ۔ یعنی یہ تفاوت مدارج حیرت و تعجب کا مقام ہے ایک ہی کان سے نکلے ہوئے لوہے کے دو ٹکڑے ہیں ایک چارپایوں کا نعل بنا اور دوسرا بادشاہ کا آئینہ۔ اصل پیدائش میں صلاح اور فساد میں ساری استعدادوں کا برابر کرنا یا پیدا کرنے کے بعد ہر فاسد استعداد کا سنوارنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے نہایت ہی آسان امر اور سہل کام ہے۔ لیکن اصل پیدائشی صلاح اور فساد میں استعدادوں کی تفاوت اور بعض فاسد استعدادوں کی اصلاح اور بعض کو ازلی فساد پر ہی رکھنا حکمت (خداوندی) کا مقتضا ہے تاکہ کارخانہائے خداوندی۔ جن سے مراد جمیع صفات کمال کی جامعیت ہے، اور منجملہ ان کے عظیم الشان کارخانے ظاہر ہوں اول عفو کا کارخانہ ہے اس لئے کہ اگر اصل پیدائش میں ساری استعدادیں برابر ہوتیں یا اللہ تعالیٰ محض اپنی مہربانی کے ساتھ کسی فاسد استعداد کی اصلاح نہ فرماتا تو عفو اور حلم ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اور دوسرا کارخانہ حکومت کا ہے جس سے فرمانبرداری

کو انعام دینا اور بے فرمانوں کو عذاب کرنا مراد ہے۔ پس اگر ساری استعدادیں اصل پیدائش کی
رو سے صلاح اور فساد میں برابر ہوتیں یا اللہ تعالیٰ ساری فاسد استعدادوں کو سنوار دیتا تو الوہیت و
حکومت کی صفت اپنی دونوں وجہوں تعذیب اور تنعیم سے ظاہر نہ ہوتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ
بادشاہی کا کارخانہ جیل خانے اور قیدیوں اور جاگیروں اور جاگیرداروں کے سوا اپنے کمال کو
نہیں ہو سکتا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمال اور اس مطلق بے پروا کی کامل صفتیں بلاشبہ
ظہور سے مستغنی اور مظاہر سے پاک ہیں اللہ عزوجل نے اس آیۂ کریمہ میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا
ان اللہ لغنی عن العلمین لیکن جس طرح ہر صاحب کمال کا کمال اپنے ظہور کو چاہتا ہے۔ اور
ان کمالات کا ظاہر ہونا اس کمال والے کو خوشی پہنچاتا ہے اگرچہ وہ صاحب کمال اپنے کمال میں
اس کے آثار کے ظاہر ہونے سے بے پروا ہوتا ہے جیسے عمدہ لکھنے والا کاتب اگرچہ بالفعل
نقش بنانا اس کے کمالات کے شمار میں نہیں بلکہ اس کا کمال تو وہی کتابت کا ملکہ ہے کہ وہ ہر وقت
اس کے نفس میں موجود رہتا ہے لیکن کتابت کا ملکہ عمدہ نقشوں کے صادر ہونے کی اقتضا کرتا ہے
اور وہ کاتب ان نقشوں کے صادر ہونے کے باعث نہایت ہی خوش ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہ
کی ازلی صفتیں مظاہر سے مستغنی ہونے کے باوجود ظاہر ہونے کا تقاضا کرتی ہیں اور حق جل و علا
کو رنگا رنگ مظاہر کے پائے جانے اور طرح طرح کے آثار کے ظاہر ہونے سے اپنے کمالات
پر نہایت خوشی ثابت ہوتی ہے اور اس تقریر سے وہ شبہ جو اکثر عوام کے دلوں میں گذرتا
تھا دفع ہو گیا اس کا بیان اس طرح ہے کہ اکثر عوام کو سرسری نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اصلاح دارین میں تمام بندوں کو برابر کیوں پیدا نہیں کیا تاکہ تمام آدمی معاش
اور معاد کے امر میں نعمت اور خوشی میں گذارتے یا سارے فاسد استعدادوں کی اصلاح
کیوں نہیں فرمائی۔ کیونکہ یہ اصلاح ان کے حق میں مہربانی اور بخشش ہے اور اللہ پاک کی
قدرت اور بخشش بے انتہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ساری کمال کی صفتوں
کا جامع کر بادشاہت بھی ان میں سے ایک صفت ہے اور بادشاہت کی ایک شاخ بڑا دستگیر
کارخانہ ہے جو بے فرمانوں اور منکروں کو سزا اور عذاب دینے پر مشتمل ہے پس اگر یہ شاخ ظاہر
نہ ہوتی تو بے شک ملکت کا امر اپنے کمال کو نہ پہنچتا۔

بیت: در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است ۔ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد۔ اس جگہ ایک جواب طلب سوال باقی ہے جس کا بیان یوں ہے کہ جب افعال اور اقوال کا مدار ازلی استعدادوں پر ہے اور ازلی استعدادیں آدمیوں کی طاقت سے باہر ہیں پس سرکش کافروں اور ضدی بے فرمانوں پر الزام اور سزا کا طریقہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ حقیقت میں وہ لوگ مجبور اور بے اختیار ہیں! اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے دو طرح کی مخلوقات پیدا کی ہے ایک قسم تو وہ کہ جس میں علم اور ارادہ پیدا نہیں کیا جیسے درخت اور پتھر اور دوسری قسم وہ ہے کہ اس میں یہ دونوں صفتیں امانت رکھی ہیں جیسے جن اور آدمی۔ پس جن میں علم رکھا گیا ہے چونکہ وہ اپنی ذات اور صفات اور اعضا اور جوارح اور اقوال اور افعال کو معلوم کرتے ہیں تو البتہ ان مذکورہ چیزوں کو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً جانتے ہیں کہ یہ ہاتھ اور پاؤں ہمارے ہیں اور یہ قول اور فعل ہم سے صادر ہوا ہے پس جو فعل ان کے ارادے کے ذریعے سے صادر ہوتے ہیں گو ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے البتہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ فعل ہمارے ارادے سے صادر ہوئے ہیں اور چونکہ باقی احکام شرعیہ کی مانند مذکورہ فعلوں کی نسبت انسان کی طرف قرآن مجید سے صراحتہً ثابت ہے پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جس طرح باقی احکام قرآن کریم سے سمجھ کر انہوں نے قبول کیے ہیں۔ اس حکم کو بھی قبول کریں۔ اور اپنے بد کاموں کو اپنی طرف نسبت کریں اور اس بات کا جان لینا کہ یہ کام ہمارے ارادے سے صادر ہوا ہے سزا اور تنبیہ کے متوجہ ہونے کیلئے کافی ہے لیکن یہ بات کہ آدمی کو علم کیوں دیا گیا یا ارادے کی صفت کیوں پیدا کی گئی یا اس کے ارادے کو ان افعال اور اقوال کی طرف کیوں متوجہ کیا گیا پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام ازلی استعدادوں کے آثار کے ظاہر ہونے کے قبیل سے ہیں اور ازلی استعدادوں کی تفاوت کا سبب آغاز کلام میں ذکر کیا گیا ہے اور اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب ثابت ہو گیا کہ ہیئت ہر یکے را بہر کارے ساختند ۔ میل او را در دلش انداختند۔ پس پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور دلیلوں کے قائم کرنے اور دعوت کے ظاہر کرنے اور بد عقیدوں کے لیے کوشش کرنے اور جہاد اور حدود کے مشروع ہونے میں کیا حکمت ہے پس میں جواب دیتا ہوں کہ اگرچہ تمام مخلوقات بلا واسطہ اللہ عزوجل کے پیدا کی ہوئی ہے لیکن اس حکیم مطلق نے اپنی

خالق حکمت کے تقاضے سے بعض چیزوں کو بعض موجودات کے ساتھ گانٹھ دیا ہے اور مسببات اور
اسباب کا سلسلہ پیدا کر دیا ہے جیسے آفتاب کا جسم اور اسکی روشنی اگرچہ دونوں بلا واسطہ
اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے ہیں لیکن روشنی اور آفتاب کے جسم میں اس خداوند کریم نے ایک خاص
ربط پیدا کر دیا ہے کہ اسی ربط اور پیوند کی وجہ سے آفتاب کو سبب اور روشنی کو مسبب کہتے
ہیں پس یہی قیاس کرنا چاہیے کہ اگرچہ جتنے فعل اور قول جو ارادے والی چیزوں سے صادر ہوتے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن ان فعلوں اور ارادوں میں سببیت اور مسببیت کا
جوڑا اسی مطلق حکیم نے اپنی حکمت کے تقاضا سے واقع کر دیا ہے اور اسی طرح صاحب ارادہ
چیزوں کے ارادہ کے درمیان اور پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور انہی جیسے
مذکورۃ الصدر امور کے درمیان سببیت کا علاقہ مضبوط کر دیا ہے مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فرمانبردار
لوگوں کے دلوں میں ان کاموں کا ارادہ جنکی بجا آوری کا حکم کیا گیا ہے۔ ہدایت کرنیوالوں کی ہدایت
اور سکھانیوالوں کی تعلیم سے پیدا ہوا ہے یا بت پرستی یا زنا کرنے اور شراب پینے کا ارادہ جہاد کرنے
اور حد لگانے کے خوف سے نابود ہو گیا ہے اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ تمام افعال اور اقوال
اگرچہ ازلی استعدادوں کے آثار ہیں لیکن صرف پوشیدہ استعداد پر سزا نہیں دی جا سکتی اس
واسطے کہ استعداد الزام کے قابل نہیں۔ بد آدمی اپنی بدی سے انکار کر سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے نا
کردہ نیک کو اپنے برابر جانے اور اپنی سزا اور نیک کام کے ثواب کو ظلم اور بیداد سمجھنے لگے نیز
عدل اور حکمت اور مروت کے ساتھ منصف بادشاہوں کی عادت یہی ہے کہ اپنے علم کی وجہ
سے خواہ وہ یقینی ہی ہو کبھی انعام اور سزا نہیں دیتے اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک حاکم اپنے رفیق کی
جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ بڑا بہادر ہے اور کسی میدان جنگ میں قصور نہ کریگا اور کوشش اور جانفشانی
کی داد دیگا لیکن میدان جنگ میں کسی نمایاں امر کے ظاہر ہونے کے بغیر اس کو ایسا انعام نہ دیگا
جس سے اس کو دوسرے لوگوں پر فوقیت حاصل ہو اور اس کی ضد کی مثال میں اتنا ہی کافی
ہے کہ ایک شخص بھیڑیے کے بچے کو پالتا ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ انسان پر حملہ کرنا اور اسے پھاڑ
ڈالنا اس کی طبعی عادت مگر اس کے شر کے ظاہر ہونے کے سوا اس شخص کا غضب جوش نہ مارے گا
اور اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کریگا اور جونہی کسی انسان پر اس نے حملہ کیا اس قدر

مخفی ہوگا کہ قتل کے سوا اور کوئی سزا اس کے واسطے تجویز نہ کرلیا اور اس کے مار ڈالنے کے بغیر اس کی تسلی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کے کارخانے کو ایک گونہ انہی تمثیلات میں سے سمجھنا چاہیے اگرچہ اس علام الغیوب کو ذرہ ذرہ کی استعداد بھی معلوم ہیں لیکن گناہ کے بغیر اس کا غضب انتقام کا باعث نہیں ہوتا اور ایسا ہی عبادات کے ظاہر ہونے کے سوا اس کی رحمت کا دریا خوش زن نہیں ہوتا تعظیم

تا نہ گرید کودکے حلوا فروش بحر بخشایش نمے آید بجوش

چوتھا افادہ ۔ مرشد کی تعظیم میں اس قدر افراط کرنا کہ جس سے اس کے خدا یا نبی ہونے کا اعتقاد ظاہر ہو دراصل شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عموماً تمام اہل زمان میں اور خصوصاً ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول لوگ بھی اس میں پھنس گئے ہیں پس ضروری ہے کہ اس کی حد اعتدال کو سمجھ لینا چاہیے اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ پہلا۔ مرشد اللہ تعالیٰ کے رستے کا وسیلہ ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاہِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف (پہنچنے کیلئے) وسیلہ ڈھونڈو اور اس کے رستے میں جہاد کرو تاکہ شاید تم نجات پاؤ۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں اہل سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔ پس حقیقی نجات کیلئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرز پر جاری ہے اس واسطے راہبر کے سوا راستہ پا لینا نہایت نادر و کمیاب ہے۔ پس مرشد اس شخص کو بنانا چاہیے جو کسی طرح شریعت کے مخالف نہ ہو اور متابعت قرآن اور حدیث کے سیدھے رستے پر ثابت قدم ہو ایسے شخص کو اپنا ہادی اور مرشد مقرر کرے لیکن اس کے بعد چاہیے کہ مرید ہر حال میں اس کے اتباع کو منظور رکھے بلکہ مطلق پیشوا شرع شریف کو جانے اور ہادی و مرشد اور رسول کے حکم کا متبع ہو۔ اور جو چیز شرع شریف کے رو سے مرشد فرمائے اسے دل اور جان کے ساتھ قبول کرے۔ اور شریعت کے مباح امر کو اس کے حکم کی وجہ سے لازم جانے اور جو کچھ شریعت کے برخلاف کہے اس کی متابعت ہرگز نہ کرے بلکہ اس کو رد کرے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ یعنی اللہ تعالیٰ کے

نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیے اور مرشد کی محبت اس طرح چاہیئے کہ اپنے مال اور جان کو اس کی رضا اور آرام کے واسطے خرچ کر دے۔ اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضامندی سے زیادہ عزیز نہ جانے اس لئے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے۔ اس کو فائدہ تمام دنیا سے ہزاروں درجہ بہتر ہے اور اس حد تک پیر کی محبت مستحب ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کو اس کی محبت کے پہلو میں گوارا کرے۔ کیونکہ یہ بات اللہ جل شانہ کے دربارے سے دوری کا باعث ہے تمام محبتوں اور حقوق کی اصل اللہ تعالیٰ کی محبت اور حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے حق کے سامنے کسی اور محبت اور حق کو خیال میں لانا اس جل شانہ سے محجوب اور اس کی عنایتوں سے محروم ہونا ہے اور اگر پیر کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد کسی طالب حق کو اس پیر میں کوئی منکر کام معلوم ہو جائے۔ پس اس کو نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے واسطے دعا کرے اور اگر وہ باز نہ آئے اور اس کام کو نہ چھوڑے تو اگر وہ کام فساد عقیدہ کی قسم سے ہے تو اس سے بیعت کو توڑ دے اور اس کو اپنا پیر اور مرشد نہ جانے اور اگر وہ کام فساد عقیدہ سے نہ ہو تو بیعت نہ توڑے لیکن اس کو بلا میں مبتلا جان کر اس کام میں اس کی پیروی کرنا حرام جان کر اس بلا سے اس کی نجات میں ظاہری اور باطنی کوشش بجا لائے۔

پانچواں افادہ۔ اہل اللہ کی قبروں پر ناجائز بدعتوں کا اظہار صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات سے ہے جو اس ملک کے لوگوں کی نظر میں نیک کام کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ بدعتیں بے شمار ہیں لیکن ان میں تین امر مثال کے طور پر اس مقام میں ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ دوسرے قبیح کاموں کو بھی انہیں امور مذکورہ پر قیاس کر سکیں دور دور کے ملکوں سے سفر کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر اور رات دن کی تکلیفیں اور دکھ جھیل کر اولیاء اللہ کے قبروں کی زیارت کے واسطے آنا انہی بدعات میں سے ہے اور ان سفروں میں اگرچہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور یہ سفر ان کو شرک کی ظلمات اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وادی میں پہنچاتے ہیں تاہم عوام اہل سفر کو سفر حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے بہتر جانتے ہیں اور شکل احرام اور محرمین کی صورت کو بعینہ اس طرح یا ان کی مشابہ احرام باندھتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ بد انجام مسافر اس

سفر میں اور ان کے متعلقین گھروں میں اپنی طرف سے کئی ایک واہیات قیدوں کا التزام کرتے ہیں الغرض اگرچہ صاف باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا ہے مگر عام مومنوں کو اس سے اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ بیان سے باہر ہے پس سب خواص و عوام کو چاہیئے کہ ضرور اس امر سے اعراض کریں اسکو بھلا دیں اور منجملہ ان بدعات کے اہل قبور سے مدد مانگنا اور استعانت کرنا ہے کہ ان کو مطلق حاجت روا جان کر طلب اور آرزو میں شرک کی داد دیتے ہیں اور ان لوگوں کا توحید کے سیدھے راستے سے دور ہو جانا تو ظاہر ہے لیکن اس جگہ اہل دلوں میں سے ان خاص لوگوں کا حال بیان کرنا منظور ہے جو باطنی فیض کے حاصل کرنے کے ارادے پر دور کی قبروں کی زیارت کرنے جاتے ہیں پس جاننا چاہیئے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور مقبولوں کیلئے موت ایک ایسا پل ہے کہ ان کو اپنے دوست تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو ایسے انعام اور معارف عطا ہوتے ہیں کہ اس جہان میں زندوں کو بہت کم ملا کرتے ہیں اس بنا پر ان کو زندہ کہنا چاہیئے لیکن اس جہان کے حکموں کی طرف نسبت کرنے سے بیشک وہ مردہ ہیں جو قدرت اور طاقت اس جہان کے زندوں کو حاصل ہے ان کو ہرگز نہیں اور اگر فی الواقع ایسی قدرت اور طاقت ثابت اور قبروں کی مجاورت سے مقصود حاصل ہو جاتا تو سارا جہان مدینہ منورہ کو چلا جاتا اور تربیت اور ارشاد کا سلسلہ بالکل لغو اور بے فائدہ ہو جاتا پس واضح ہو گیا کہ لوگوں کی تربیت اور ارشاد میں عادت اللہ اسی طرز پر جاری ہے کہ فیوض باطنی زندوں سے حاصل کیے جائیں اور اگر کسی وقت کسی شخص کو ایسا زندہ نہ ملے جس سے مشکل کے حل ہو جانیکا گمان ہو تو اسے دور کے ملکوں سے قبروں کی زیارت کے واسطے سفر نہ کرنا چاہیئے بلکہ قرآن مجید اور حدیث شریف کی متابعت کو لازم پکڑے کیونکہ یہ دونوں چیزیں حل مشکلات کیلئے کلید ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے وَتَرَكْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي یعنی میں تمہارے پاس قرآن اور اپنی اولاد دو بزرگ چیزیں چھوڑ چلا ہوں میرے پیچھے جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور دوسری روایت میں اس طرح پر آیا ہے تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِي۔ میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب

اور اس کے رسول کی سنت دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے
ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ پس اس زمانہ میں آپ کی پاک آل میں سے مقبول آدمی کا پہچاننا اگرچہ دشوار
امر ہے کیونکہ آپ کی پاک آل میں سے اس حدیث شریف کا مصداق وہی شخص ہوگا کہ اس کے
تمام اقوال اور افعال اور احوال قرآن مجید اور حدیث شریف کے موافق ہوں اور ظاہر ہے کہ
اس زمانے میں ایسے بزرگوں کا پایا جانا اکسیر اعظم اور کبریت احمر کی مانند نادر و کمیاب ہے۔ لیکن
قرآن مجید جو نجات کے لئے بہتر ذریعہ ہے ہر جگہ موجود ہے اور اسی طرح حدیث ہر وقت میسر ہے
پس اسی کا اتباع بڑی غنیمت جانے اور اسی کو اعلیٰ ولایت سمجھے اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی اس لئے
کہ قرآن و حدیث کی پوری متابعت ہی ولایت ہے اور اگر ان کو قوت اور طاقت ہو یعنی تو انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام کے غیر میں شیطان کی دھوکا دہی کا مقام ہے اور چونکہ ارواح کے آثار کا
ظاہر ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان اُن کی آواز یا صورت کی نقل کر کے خلاف
شرع کام کا حکم کرے اور یہ بے خبر بیچارہ نہایت اعتقاد اور حد سے زیادہ نیاز کی وجہ سے
دل و جان کے ساتھ قبول کرے جو کچھ قرآن اور حدیث میں متواتر طور پر ثابت ہوا ہے اس سے
چشم پوشی کر کے ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے اور صورت یا آواز کی نقل تو صورت یا آواز کے
پہچاننے والے کیلئے کرنی پڑتی ہے اور جو شخص پہچانتا ہی نہ ہو تو اسے سیدھے راستے سے
پھسلانے کے واسطے مراقبات میں حالت بدلنے اور توجہ اور کیفیتوں کے وقت صرف آواز یا دل
میں القا ہی کافی ہے اور بعض نادان اکثر اوقات کہا کرتے ہیں کہ نوکری یا تجارت کے طور پر معاش
کی تلاش میں دور کے سفر کرنے تو جائز ہیں پس دینی مطلب کے حاصل ہونے کے گمان پر ایسے
سفر کیوں برے ہیں پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طریق دینی مطلب کے حاصل ہونے کا راستہ
نہیں ہے بلکہ یہ راستہ ڈاکوؤں اور چوروں کی دست اندازی سے ایمان کے مایہ کے برباد
ہونے اور کسب سعادت کے اصل سرمایہ کے ضائع ہو جانے کا مقام ہے۔ اور قبروں پر چراغوں
کا روشن کرنا بھی جسے روشنی کہتے ہیں انہیں بدعات میں سے ہے یہ کام بیشک حرام ہے اور صحیح
حدیث میں اس کام پر صریح لعنت وارد ہوئی ہے اور وہی لوگ ہیں جو معاذ اللہ اس کو لیلۃ القدر
اور شب برات کے انوار کے ظہور کے وقت کی طرح قبولیت کی ساعت جان کر اس وقت میں

دعا کرنے کے منتظر رہتے ہیں اور چراغوں کے روشن ہو جانے کے ساتھ ہی دعا کرنے کو ضروری مقصودوں سے جانتے ہیں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ چور اور زانی کا ایمان چوری اور زنا کرنے کے وقت جدا ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ تر دعا کرنے کے وقت ان لوگوں کا ایمان برباد ہو جاتا ہے بلکہ اگر جہالت اور نادانی کا غلبہ ہو تو صاف کافر ہو جاتے ہیں اور جو شخص جاہل نہیں وہ تو ضرور کافر ہو جاتا ہے کیونکہ شرعی حرام کو اس نے عمدہ عبادات سمجھا حالانکہ صرف حرام کو حلال جاننا کفر ہوتا ہے چہ جائیکہ اسکو عبادت جاننا۔

چھٹا افادہ۔ اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کا اس طور پیدا کرنا کہ شرک خفی اور اسراف اور کئی طرح کی بدعتیں اس میں پیدا ہو جائیں صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو اہل اسلام کے خاص و عام میں بلکہ اکثروں میں نہایت درجہ کی مشہور ہو چکی ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگرچہ بہت عمدہ اور حکم شرع کے موافق ہے لیکن جب عوام نے اپنے ظنوں اور وہموں کو اس میں دخل دیا اور ان کی اولاد اپنے سلف کے تابع ہو گئی اور ان امور کی تجدید اور تحدید کی۔ اور ہر کہ آمد بر آں مزید کرد والے قاعدے کو دستور العمل ٹھیرا دیا تو وہ پسندیدہ اصل تو پوشیدہ ہو گیا۔ اور وہ خبیث اور ناپاک فروع جو لوگوں کے تماشی خواہش سے پیدا ہوئی تھیں ظاہر اور رائج ہو گئیں اور وہ فروع اپنی خباثت میں متفاوت ہیں اور ان سب سے ادنیٰ رسم اور عادت کی تقلید اور یہاں تک اس امر کا التزام کرنا ہے کہ اس کا چھوڑنا محال ہو چکا ہے اور ان امور میں جو چیز لازم نہیں اس کو لازم جاننا شیطانی چھیڑ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے بعید ہے نماز کے بعد داہنے طرف سے پھرنے کا التزام منع ہونا اس بیان کا گواہ ہے۔ اس لیئے کہ جب اس قدر سہل کام کا التزام کہ نماز سے فارغ ہو کر داہنی ہی طرف سے پھرنا چاہیئے شیطان کا حصہ ہو گیا تو دوسرے عمدہ کاموں اور ان کے التزام کی تعبیر نصیب شیطان سے بڑی کرنی چاہیئے اور ان سب سے اعلیٰ شرک ہے جو کہ مثلاً حضرت سید احمد کبیر قدس اللہ سرہ کی گائے کے ذبح کرنے کے وقت ان دنوں اس ملک کے عوام سے دیکھی جاتی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ زندوں کی عبادت کا ثواب بیشک دو سبیل سے مردوں کو پہنچتا ہے۔

پہلی سبیل چونکہ جدہ اور بہتر ہے یہ کہ مردے اور زندے کے درمیان ایسا علاقہ ہو کہ اس علاقے کی وجہ سے زندے کی عبادت میں میت کا دخل ثابت ہو مثلاً باپ بیٹا ہونے کا علاقہ خواہ یہ ابوت اور بنوّت ولادت کی وجہ سے ہو یا تعلیم اور ارشاد کی وجہ سے جو شخص کہ عبادت کرتا ہے اس کے ہر قسم کے آثار کو جس قدر کہ انہوں نے اس کی ظاہری اور باطنی ترتیب میں کوشش کی ہے ثواب پہنچتا ہے۔ پس مسلمان آدمی نیک کام میں جس قدر کوشش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خالص نیت کرتا ہے اللہ جل شانہٗ کا حق جو کہ سب حقوں سے بڑھ کر ہے، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق اور سارے استادوں اور مرشدوں اور گذرے ہوئے مومن باپ دادوں اور گذری ہوئی مومن ماؤں کا حق اس کے ذمے سے ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں بندگی کے انہی نیک عملوں سے محض اس کے فضل اور انعام کے باعث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور تبعیت اور باقی اہل حق کے سامنے رشد اور سعادت مندی روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ ایک ایسا دقیقہ ہے جو احکام شریعت کے واقفوں پر ظاہر ہے اور ان سے جو ناواقف ہیں پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے اور اسی واسطے جو کوئی رواجی طور پر فاتحہ اور ایصال ثواب نہ کرے۔ بے خبر لوگ اس کو نالائق اور اہل حقوق کے حق کا منکر جانتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اگر فاتحہ اور ایصال ثواب کی ان رائج رسموں کے چھوڑنے سے آدمی ناخلف اور اہل حقوق کے حق کا منکر بن جاتا تو لازم آتا کہ اہل بیت عظام اور صحابہ کرام اور مومنوں اور صالحوں اور عالموں کے وہ طبقے جو ان رسوم کی شہرت سے پہلے گذر چکے ہیں معاذ اللہ اپنے اسلاف کی بہ نسبت ناخلف ہوں بلکہ امام الانبیاء خلیل خالق الارض والسماء حضرت ابراہیم کی بہ نسبت حضرت افضل المرسلین محبوب رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان میں بھی حرف دل میں کھٹکتا ہے۔ معاذ اللہ من ذالک ثم معاذ اللہ من ذالک۔
پس اس بیان سے واضح ہو گیا کہ فاتحہ خوانی کی برکتیں دین متین کے لوازم اور ارکان سے نہ ہیں۔ اور یہاں کا کمال ان پر موقوف نہیں اور اگرچہ یہ معنی اجمالی طور پر سب لوگوں کے مرکوز خاطر ہے۔ لیکن بہت دفعہ اتفاق پڑتا ہے کہ کسی کامل نیکوکار سے اس رسم کے ترک

ہو جانے سے عادت کے پردے کی کثافت کے باعث وہ اجمالی اذعان مستقر، چونکہ اس کا ان صالح کے حق میں بدظنی کا سبب بن جائے۔ اس واسطے اس حقیقت کو مفصلاً دل میں جانشین کرے ان رسموں کے تارک کو سلف صالح کے ساتھ مشابہ اعتقاد کرنا چاہیئے۔

دوسری سبیل یہ ہے کہ زندہ ایسا کام کرے کہ مردے کو نفع پہنچانا اس سے مقصود ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں زیادہ ظاہر اور مشہور طریقہ دعا ہی ہے اس میں سے ایک صورت یعنی نماز جنازہ تو واجب ہے اور اس کی دوسری صورتیں یعنی پانچوں نمازوں کے اوقات اور ان کے سوا اور وقتوں میں عام یا خاص طور پر، دور یا نزدیک سے اس کا وقوع ہو تو بیشک یہ مسنون اور مستحب ہے اور حدیثوں میں مشہور ہے اور ان حدیثوں کا بیان کرنا تطویل کا باعث جان کر ان کو معلوم کرنا حدیث کی کتابوں کے حوالہ کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی ایک کارآمد دقیقہ سن لینا چاہیئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے کئی مرتبے ہیں اور ان میں افراط و تفریط[ع] ہو جایا کرتی ہے اگرچہ اس افراط و تفریط میں کچھ قباحت نہیں لیکن ان دونوں سے اعتدال بہرحال افضل ہے پس اگر اموات کے حق میں قبروں کے روبرو یا ان سے غیبت کے وقت میں جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوئی ہیں . . . . اگر اسی طرح کی جائیں تو وہ دوسرے طریقوں سے بہتر ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب برات میں کسی کو اطلاع دیئے اور جتلانے کے بغیر بقیع میں تشریف لے جاتے اور دعا کرتے اور صحابہ میں سے کسی کو امر نہ فرماتے کہ اس رات قبروں پر جا کر دعا کرنی چاہیئے۔ چہ جائیکہ آپ نے تاکید کی ہو۔ پس اگر اب کوئی شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے واسطے شب برات کو صلحاء کا جمع کر کے کسی مقبرہ میں بہت ساری دعائیں کرے تو آنجناب کی مخالفت کے باعث اسے ملامت نہیں کر سکتے لیکن اس قدر سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر ہوتے ہوتے رسم بن جائیگا اور اس وقت میں حقیقت کا اثر باقی نہ رہے گی اور اس کا بیان کے لئے واضح کرنے والی مثال یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں اور اگر تداعی سے ہو تو مکروہ ہے لیکن دعا کے سوا اور صورتیں پس ان میں سے ایک تو کھانا کھلانا مروج ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت

ع افراط زیادتی تفریط کمی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہے اور بول نہ سکی اگر بول سکتی تو کچھ وصیت کرتی۔ پس اب اگر میں اس کے واسطے کچھ کروں تو اس کو نفع پہنچے گا آپ نے جواب دیا کہ کنواں کھود دو اور کہو یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے دوم جمعہ کے دن والدین کی قبر پر جا کر سورۂ یٰسین کا پڑھنا وارد ہوا ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد غلام آزاد کئے اور باقی عبادتوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے پس جو عبادت کہ مسلمان سے ادا ہو اس کا ثواب کسی فوت شدہ کے روح کو پہنچائے اور جناب الٰہی میں دعا کرنا اس کے پہنچانے کا طریق ہے اور یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے اور وہ شخص کہ جس کے روح کو ثواب پہنچایا چاہے اگر اس کے حقداروں میں سے ہے اس کے حق کے برابر ثواب پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں اور وقتوں اور طعام کی قسموں اور اسکی قسموں اور کھانے والوں کی تعیین قباحت سے خالی نہیں ہاں بمصداق ظلماتٌ بعضها فوق بعض[1] قباحت کے مرتبوں میں تفاوت بہت ہے صرف تعیین ہی التزام ما لا یلزم کی قسم سے ہے جس کا حال شرح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور وقت کی تعیین کی وجہ سے بہت سے خلل کیا دینی کیا دنیوی پیش آتے ہیں اور خالص نیت باقی نہیں رہتی بلکہ اکثر اوقات میں تو مطلقاً عبادت کی نیت بھی نہیں ہوتی صرف دنیاوی نام و ناموس یا لوگوں کے طعن و تشنیع کے دفع کرنے کیلئے یا ہم چشموں کے سامنے خفت اور عار کے لاحق ہونے کے ڈر سے یہ کام کیا جاتا ہے اور اس سے وہ نام نہاد مدعا ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ عمل صالح سے خالی ہیں تو اپنے اسلاف کا حق ادا کرنے کے لحاظ سے ان لوگوں کا حال اور ان رسموں کے چھوڑنے والے صالح کامل کا حال اس زمانہ میں دہلی اور بخارا کی سلطنت کے مشابہ ہے کہ دہلی سلطنت تو محض ایک رسم ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں اور سلطنت کا معنی اس میں ہرگز باقی نہیں رہا اور رسموں کا وجود تو سراب سے بھی بہت کم ہے اور بخارا کی سلطنت ٹھیٹھ کی سلطنت ہے کہ رسوم سے آلودہ نہیں ہوتی اس مثال اور محل کے فرق کو خوب

[1] بعض اندھیرے بعض اوپر یعنی کوئی زیادہ ہے کوئی کم۔

اور عقل کے ترازو سے تول کر اور ان رسموں کے ارتکاب کے وقت میں اپنے دل میں واردات کی بحث کر کے امر حق ڈھونڈ کر ان رسموں کے التزام سے تائب ہونا چاہیے رَزَقَنَا اللّٰہُ التَّوْبَۃَ وَ جَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ کُلِّ الْمُنْکَرَاتِ وَالْمَکْرُوْہَاتِ اور جو آداب کہ طعام فاتحہ کے حاضر ہونے کے وقت بجا لاتے ہیں۔ یہ بھی اپنے فاسد خیالوں کا اتباع ہے کیونکہ اس طعام کی وجہ سے فاتحہ صاحب فاتحہ کے قائم مقام تو نہیں ہوا۔ پس وہ آداب کیوں کرنے چاہئیں کہ صاحب فاتحہ کی بہ نسبت بھی ان کے جائز ہونے میں گفتگو تھی۔ اور وہ طعام ان کے ملک بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر ان کے ملک ہوتا تو فاتحہ کرنے والے اس میں اپنا دخل کیوں کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق کیوں کھاتے کھلاتے بلکہ وہ طعام صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیاز سادات کو دیتے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز ان کی اولاد کے حوالہ کرتے وعلیٰ ہذا القیاس اور اگر وہ آداب اس گمان پر کرتے ہیں کہ صاحب فاتحہ کی روح اس طعام میں گھس گئی ہے یا اس طعام کو اس نے ہاتھ لگا دیا ہے یا اس نے اس طعام سے کھا لیا ہے اور یہ ان کا پس خوردہ بن گیا ہے پس یہ ساری باتیں ان کے فاسد گمان ہیں۔ ان پر ہرگز ان کا یقین نہیں۔ اور اگر بالفرض والتقدیر ان میں سے کوئی چیز معلوم بھی ہوتا ہم آداب طعام میں جو حد چاہیے اس سے اس طعام نے تجاوز نہیں کیا۔ پس اس طعام کے آداب کا حاصل ہندوؤں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے کے بغیر اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اکثر اوقات وہ دانوں اور ظروف اور طعام کے اجناس کی پرستش کرتے ہیں اور کھانے والوں کے لئے قید لگا لیتے ایک کو کھانے سے منع کرنے اور دوسرے کو اس کی اجازت دینے سے تحلیل حرام اور تحریم حلال پیدا ہوتی ہے اور اہل جاہلیت کا اتباع لازم آتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذمت کے مقام میں اسی قسم کے قول ان سے نقل فرمائے ہیں (اول) وَقَالُوْا ھٰذِہٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا یَطْعَمُھَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِھِمْ۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ چارپائے اور کھیتی ممنوع ہے کوئی شخص اس سے نہ کھائے مگر وہ کہ ہم چاہیں اپنے گمانوں سے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا وَاِنْ یَّکُنْ مَّیْتَۃً فَھُمْ فِیْہِ شُرَکَآءُ سَیَجْزِیْھِمْ وَصْفَھُمْ اِنَّہٗ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ

ــــــــــــــــــــــــــ
[1] اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مومنوں کو سب ناپسندیدہ کاموں سے توبہ نصیب کرے۔

ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو
وہ سب اس میں شریک ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بیان کا بدلہ دیگا۔ بیشک وہ
صاحب حکمت اور صاحب علم ہے اور ترجمہ کے معنی اچھی طرح سمجھ کر جاننا چاہیئے کہ لفظاً چوپایا
سے اس ملک اور اس وقت کے لوگوں کی یہی مراد ہے۔ ہر کھیتو کا اور محتاج طعام کا مصرف
ہے ہاں پرہیزگار غیر پرہیزگار سے بہتر ہے پس محرک اور توشہ جو پچھلے لوگوں کے ساختہ
پرداختہ ہیں۔ اور دری فکروں کے ملجانے سے انہوں نے دوراز حق حقیقات پیدا
کرلی ہے اور زمانہ حال کے بزرگ اور اکابر تربیت اور ارشاد کے وقتوں میں ان امور
کی قباحت بالاجمال تو بیان فرماتے ہیں اور ان رسموں کے عین مقابلہ کے وقت میں
تخصیص کے ساتھ ظاہر ان کے بُرا کہنے کو غیر مفید جان کر خاموش ہو جاتے ہیں انکے
خاموش رہنے سے دھوکا نہ کھا کر ان کے مٹانے میں کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ قید
ہیں ہوتے ہوتے بڑی خرابیوں کا باعث بن گئی ہیں اور جہلا کے خیال میں یہ قیدیں شرعی
قیدوں سے ضروری ہو چکی ہیں اس لئے کہ وہ ان کے التزام کو اسلام اور ایمان کا جزو گمان
کرتے ہیں۔ اور ان کے تارک اور ان کی جڑ کو اکھاڑنے میں کوشش کرنیوالے کو ایمان سے
خارج جانتے ہیں۔ جب رسموں کا التزام اس حد تک پہنچ جائے تو بالکل مطلوب اور مقصود
کے برخلاف ہو کر واجب الترک ہو جاتی ہیں اور حدیث شریف میں جو تاکید سنتوں کو فرض کے
جدا کرنے کے بارے میں کی جاتی ہے یاد کر کے اس کو عمل میں لانا چاہیئے نذر اور نیاز کی رسم
اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ طعام وغیرہ کی نذر سے گزر کر جانوروں کی جانوں کو نیاز کرتے ہیں۔
اور ان کے ذبح کرنے میں غیر خدا جل شانہ کی خوشنودی کا ارادہ کر کے حدیث شریف لَعَنَ
اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ[1] کے مطابق ملعون ہوتے ہیں اور بقول اکثر علماء یہ لعنت کفر کی
وجہ سے ہے پس کفر کے کام کو عبادت جاننا کس درجہ کی خرابی ہوگی اور اصل میں بات تو
یوں ہے کہ جو لوگ نذر اور نیاز میں نافرمانیوں اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو ثواب
پہنچانا منظور نہیں بلکہ وہ تو شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں کے لئے کئے
جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی ان کے ذہن میں ہرگز نہیں ہوتا اس کی دلیل یہ ہے

[1] یعنی غیر اللہ کے لئے کسی جانور کو ذبح کرے اللہ تعالیٰ اسکو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

کہ جو لوگ توشوں اور نیازوں میں بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے خدا تعالیٰ کے لیے بھی کبھی کوئی چیز دی ہے تو کہیگا نہیں غرض کہ بعض تو خدا تعالیٰ اور بزرگوں کو تقرب اور رضا جوئی کے مرتبہ میں مساوی جانتے ہیں اور انہی بعض لوگوں کے حال کا یہ بیان ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔ یعنی بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنا کر اللہ کی طرح ان سے پیار کرتے ہیں اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ہی بڑھ کر محبت رکھتے ہیں اور بعض تو ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض ان کو مستقل طور پر حاجت روا سمجھ کر اللہ جل شانہٗ کے دربار میں دعا کرنے سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ بس اس وقت میں حق اور ثواب کے طالب اور خدا اور رسول کی مرضیات کے متبع کیلئے یہی چارہ ہے کہ جس شخص کے روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو تو طعام اور اس کے کھانے والوں کی وضع اور جنس کی تقلید چھوڑ کر جو چیز کہ اس وقت کے فقیروں اور محتاجوں کے حق میں زیادہ مفید ہو خالص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور اگر دعا بھی کرے تو بہتر ہے اور ساری قیدوں اور رسموں کو یک لخت دور کر دے۔

دوسری ہدایت ان بدعتوں کے بیان میں جو رافضیوں کے میل جول کی وجہ سے عام لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور اس میں تین افادے ہیں۔

پہلا افادہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا رافضیوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عام اہل سنت کے دلوں میں داخل ہو گئی ہیں پس سنت کے متبع اور بدعت سے متنفر حق کے طالب کو چاہئے کہ اپنے تہ دل سے اعتقاد کر لے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بڑے یار رضی اللہ عنہم اجمعین تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ مسلمان آدمی کو چاہئے کہ اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھے۔ اور وجوہ تفضیل کو نہ ڈھونڈے۔ کیونکہ وجوہ تفضیل کا ڈھونڈنا دین کے واجبوں بلکہ مستحبوں سے بھی نہیں خاص کر عام مسلمانوں کے لیے تو اس تلاش کے پیچھے

پڑنا محض بے عقلی اور نادانی ہے۔ لیکن اس زمانہ کے خاص و عام میں اس جھگڑے کے مشہور ہو جانے اور اس عقیدہ میں اہل زمانہ کی افراط و تفریط کے باعث لکھا جاتا ہے۔ کہ خلافت سے قطع نظر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دربار خداوندی میں بے حساب عزت اور نہایت لطیف قرب ہے اور خلافت میں سبقت اس کے علاوہ ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت سے قطع نظر اس قدر مرتبہ اور قرب نہیں ہے کہ حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہوں بلکہ وجاہت اور قرب کے لحاظ سے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں۔ لیکن خلافت راشدہ جو یہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقدم ہونا اس وجہ سے ہوا ہے کہ صاحبان مناصب اور مراتب کی کثیر اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کے ظاہر ہونیکے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوں۔ مگر ان کا مرتبہ اور قرب زیادہ تھا اس کی یہ مثال ہے کہ خلعتیں دینے کے وقت صاحب منصب متقدم کو صاحب منصب متاخر سے پہلے خلعت پہنائیں۔ اگرچہ صاحب منصب متاخر کا قرب وارتضا اور وجاہت زیادہ ہو اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمان برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لیکر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ عطیہ اس امر کے مقابلے میں ہے کہ خلافت اور حکومت اور بادشاہت کا انتظام آپ کی آل اطہار میں کبھی نہیں ہوا باوجودیکہ اتفاق میں سے بعض بزرگوں نے اَعْلَى اللّٰهُ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْعِلِّيِّيْنَ اس کام میں بہت ساری کوششیں کی ہیں اور اس کام کے حاصل کرنے میں سب تکلیفیں اپنے آپ پر اٹھائی ہیں۔ اور اہل ولایت کے اکثر سلسلے بھی جناب مرتضیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ عمدہ مقام والے ہوں گے۔ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے دکھائی دیگا کہ اس مقام کا تماشہ دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا اور بعض متصوفین

کے لئے اس مقام کا ظاہر ہونا اور شیخین رضی اللہ عنہما کے مقام کا پوشیدہ رہنا اس امر کا باعث ہوا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں متردد ہو کر اہل سنت کے راسخ عقیدہ سے پھسل گئے ہیں اور نہ در حقیقت خلافت کے انتظام کی وجہ سے بلکہ اس سے قطع نظر کر کے جو شان حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لئے ثابت ہے اس بزرگی کے ساتھ اس کو افضلیت اور مساوات کی نسبت نہیں بلکہ ان دونوں بزرگوں کی شان خلافت سے قطع نظر اس شرح صدر اور حوصلے کی فراخی اور اخلاق اور تدبیر منزلی اور مدنی اور سیاست ملکی وغیرہ کی ہر باب میں اعتدال کے قائم رکھنے کی وجہ سے جس کو تشبہ بالانبیاء کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تمام فرمانبرداروں پر اس مذکورہ بزرگی کی بہ نسبت بہت ہی بلند ہے ظاہر میں ان دو شخصوں کے مرتبوں کی باہمی نسبت اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے ایک تو وہ امیر کبیر ہے جو حقوق خدمت بجا لا کر امور سیاست سے فارغ ہو کر بادشاہ کا ملازم ہو گیا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو ابھی خدمت اور کارگزاری میں مشغول ہے پس اگرچہ سرسری نظر میں تو اس امیر کبیر کی خدمات ملکیہ سے مستغنی ہو کر بادشاہ کے حضور میں مصروفیت اور دربار بارگاہ سلطانی کی وجہ سے ظاہر حشمت اور شوکت اور فرمانبرداروں کی کثرت اس مصاحب کی اس امیر اعظم کی بہ نسبت جو اپنی خدمت میں لگا ہوا ہے کچھ بھی نہیں یا بہت تھوڑی ہے لیکن اس مصاحب کی عزت اور وجاہت اس امیر اعظم سے بڑھ کر ہے کیونکہ در اصل وہ امیر اپنی ساری شوکت اور دبدبہ اور فرمانبرداروں کے ہمراہ گویا اس مصاحب کے فرمانبرداروں کے ہمراہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا منشور بادشاہ کے تمام فرمانبرداروں کے حق میں جاری ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہ بارگاہ الٰہی کے مقبول تھے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ان کے درجہ کے بلند کرنے کی طرف متوجہ تھی اس واسطے خلافت میں وہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر مقدم کئے گئے تاکہ انکو بھی اپنے پچھلے لوگوں کے مرتبے کے مرتبہ ملجائے۔

دوسرا افادہ۔ اگرچہ صحابی ہونے کے لحاظ سے باقی امت مصطفویہ (علی اہلہا الصلوٰۃ والسلام) کی بہ نسبت صحابہ کبار میں سے ہر ایک کیلئے فضیلت ثابت ہے لیکن ہدایت کے پھیلانے اور دین متین کے رواج دینے اور عند اللہ قرب کے مرتبوں پر کامیاب ہونے میں امت کے

بعض بزرگوں کو بعض صحابہ پر بیشک افضلیت ثابت ہے لیکن جس طرح کہ اس فرزند پر اپنے باپ کی تعظیم لازم ہے جو علم اور ہنر میں اپنے باپ سے بڑھا ہو اسی طرح ان بزرگوں پر بھی صحابہ کی تعظیم واجب ہے حدیث شریف میں ہے فَاِنَّ مِنْ وَّرَائِکُمْ اَیَّامَ الصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ فِیْهِنَّ کَانَ کَمَنْ قَبَضَ عَلَی الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِیْهِنَّ اَجْرُ خَمْسِیْنَ رَجُلًا یَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِهٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْهُمْ قَالَ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْکُمْ۔ یعنی تمہارے پیچھے صبر کے دن ہیں پس ان میں صبر کرنے والا چنگاڑے کو پکڑنے والے کی مانند ہوگا ان دونوں میں (نیک) عمل کرنیوالے کو اس جیسے پچاس عاملوں کا اجر ملیگا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ انہی میں سے پچاس عمل کرنیوالوں کا اجر آپ نے فرمایا نہیں تم میں سے پچاس کا ثواب اس کو ملیگا۔

تیسرا فائدہ ۔ ماہ محرم میں حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی محبت کے گمان پر ماتم داری اور تعزیہ سازی بھی رافضیوں کی انہی بدعات میں سے ہے کہ ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو گئی ہیں پس ان کے احوال جاننا اس زمانہ کے ضروریات سے ہے تاکہ کامل ایماندار اس سے پرہیز کریں اور جو شخص (پھر بھی) اس کا مرتکب رہے اس کے لئے جہالت اور غفلت کا عذر باقی نہ رہے اور ان بدعتوں کی ظاہر چند صورتیں ہیں۔ اول قبروں اور مقبروں اور علم اور شدہ وغیرہ کی نقل اتارنا بھی بت سازی اور بت پرستی کے قبیل سے ہے اس لئے کہ قبروں اور مقبرے کی شکل بنانا اور اس کی تعظیم کرنا اور حضرت امامین علی جدہما وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبر کا نام رکھنے کی وجہ سے اس کو اصل قبر اور مقبرہ کے جا بجا بنانا بت پرست مشرکوں کے اطوار سے ہے بت پرستی کی اصل یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک شکل تراش کر اور ایک شخص کا نام اس پر رکھ کر جو معاملہ کہ اصل سے کرنا چاہیے اس نقل کے ساتھ جو گھڑی ہوئی لکڑی یا پتھر ہے عمل میں لائیں اور اس مقام میں فی الواقع قبریں (بھی) ہوں دعا اور سلام علیک کے سوا کچھ بھی مقرر نہیں۔ اور اہل زمانہ جو کچھ تعزیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ واقعی قبروں کے ساتھ بھی کرنا نہیں چاہیے۔ چہ جائیکہ وہ قبریں بھی نقلی اور بناوٹی ہوں۔ اور یہ جو شدہ کو سجدہ اور طواف کی عبادت کر کے اپنے آپ کو صراحۃً شرک کی سرحد تک پہنچا دیتے ہیں اور شدہ اور علم اور تعزیہ جب موجود ہو جائیں تو سب بت پرستی کے معنی

جاتا ہے پس طالب حق کو اس باطل امر کے ابطال میں پوری سعی کرنا ضروری ہے اور اسکے دور کرنے میں نہایت کوشش کرے جبر اور زور کے ساتھ اس کے توڑنے کو ہرگز مکروہ نہ جانے بلکہ بت شکنی کی طرح اس کو ثواب اور اجر کا موجب سمجھے اور اس لحاظ سے کہ بدعتی جاہلوں نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی قبر کا نام رکھا ہوا ہے مطلقاً اس کے توڑنے اور پامال کرنے سے نہ ڈرے کیونکہ ان افعال کے دور کرنے اور ان کے فاعلوں کی اہانت کرنے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی رضامندی ہے اور اگر ہاتھ سے دور نہ کر سکے تو زبان سے کہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے بُرا جانے۔ اور یہ درجہ ایمان کے درجوں میں سے بہت ادنیٰ درجہ ہے ہاں اگر مقابلہ کے سوا تعزیوں کو پائے اور ان پر قادر ہو جائے تو بلا اہانت ان کو نابود اور بے نشان کر دے لیکن مقابلہ میں ان کے توڑنے کا ارادہ کرے اور اگر تعزیہ والوں کے مقابلہ اور مزاحمت سے پیش آنے کے وقت کوئی اہانت آمیز حرکت صادر ہو جائے اور اس کے سوا اس بُری بدعت کا ابطال نہ ہو سکے تو اس حرکت کی پروا نہ کرے بلکہ اس کے معدوم کرنے پر قدم بڑھائے لیکن حدیث شریف میں جو وارد ہوا ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کو دفن کر دیا اور باقی بتوں کی طرح اس کو اہانت کے ساتھ نہ توڑا سو اس کا باعث یہ ہے کہ ان دنوں میں عرب کے جاہلوں کو الفت دینا امر ضروریہ میں سے تھا اور وہ جہالت کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے جہالت اور نادانی کے دریا میں غرق تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہانت ان نادانوں کی بدگمانی کا موجب تھی کہ وہ اس بت کی اہانت کو حضرت خلیل کے مذہب پر مخالفت پر حمل کرکے اس نبی وقت کی دعوت سے جو آپ کی متابعت کے مدعی تھے، متنفر ہو جاتے اور تعزیہ کا امر تو اس سے بالکل برخلاف ہے کیونکہ وہ زمانہ تو جہالت کے زمانہ سے قریب تھا اور یہ زمانہ علوم حقہ کے تواتر اور ہدایت کی شہرت کا زمانہ ہے دوسری صورت شیون کی رسمیں ہیں اور وہ پیٹنا اور کپڑوں کا پھاڑنا اور بین کرنا اور اسی جیسی اور رسمیں مطلقاً حرام ہیں کسی کے مر جانے پر ایسے کام جائز نہیں تیسری صورت ایام مذکورہ میں سوگ کی رسمیں ہیں اس کی اصلیت تو یہی کچھ ہے کہ کسی شخص کے مر جانے کی وجہ سے غم اور اندوہ ظاہر کرنے کے لئے مباح امر کو چھوڑ دیا جائے اکثر اوقات

بعض جاہل تو فرضوں اور واجبوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی قباحت بالکل ظاہر ہے لیکن مباح کا ترک کر دینا سو وہ حلال زینت کا چھوڑ دینا ہے جیسے مرد کنگھا نہ کرے یا سفید اور عمدہ کپڑے نہ پہنے یا آنکھوں میں سرمہ نہ لگائے یا خوشبو کو استعمال نہ کرے اور مزاح پہلی طرح نہ کرے وعلیٰ ہذا القیاس اس کی مثالیں بہت ہیں اور اسی طرح عورتیں اپنی زینت چھوڑ دیں اور کسم سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنیں اور مہندی نہ لگائیں اور اس کے سوا اور اسباب زینت میں سے کسی چیز کو استعمال نہ کریں ہر میت کے مرنے سے تین دن تک یہ سوگ مباح ہے اگر نہ ہو تو بہتر ہے اور اگر کر لی جائے تو کچھ گناہ نہیں اور اس سے زیادہ کی حرمت حدیث شریف میں صراحۃً موجود ہے ہاں عورت کو اپنے خاوند کے مر جانے پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا فرض ہے اگر نہ کرے تو گناہ گار ہوگی اس کے سوا تمام سوگ حرام ہیں خواہ وہ کسی پیغمبر پر ہوں یا صدیق یا شہید پر موت یا قتل یا شہادت کے دنوں میں ہو یا اور دنوں میں اس حکم میں کسی کی تخصیص نہیں۔ پس جو شخص کہ محرم کے پہلے دس دنوں میں اظہار مصیبت کے ارادہ سے کسی مباح کو ترک کرے۔ گناہ گار اور حرام کا مرتکب ہوگا اور اگر اس قصد کے سوا ترک ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں مثلاً جو شخص آنکھوں میں سرمہ لگانے کا عادی نہ ہو اگر ان دنوں میں بھی سرمہ نہ لگائے تو گنہگار نہیں۔ اور جو شخص کہ اس کا عادی ہے اور صرف انہی دنوں میں چھوڑ دے تو قصد مذکورہ کا قوی گمان ہے اور اسی قصد پر گناہ کا مدار ہے حاصل کلام مدار نیت پر ہے اور اپنی نیت کو ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔ ایک مشتبہ صورت باقی رہی۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک انہی محرم کے دس دنوں میں مباحات کو ترک کر دیتا ہے لیکن سوگ کے ارادے پر ایسا نہیں کرتا بلکہ بدمذہب لوگوں کی طعن و تشنیع سے بچنا اس کی غرض ہے کہ اگر ان دنوں میں مباح کو نہ چھوڑیگا تو بعض لوگ اور عام اہل زمان اس پر طعن کریں گے اور اس کو اہلبیت کی عداوت اور بغض سے متہم کر کے طعنہ زنی کریں گے اور حقارت کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھیں گے یا کوئی دنیوی نقصان پہنچائیں گے اگرچہ اس ارادے سے مباح کا چھوڑنا حرام نہیں۔ لیکن خلل سے خالی بھی نہیں کیونکہ یہ بھی ایک ایسے امر کا ارتکاب ہے جو ظاہر میں حرام معلوم ہوتا ہے اور اس سے بدعتیوں کی موافقت لازم آتی ہے اور اس کا یہ فعل جو ظاہراً منع ہے

آئندہ نسلوں کیلئے محل اتباع رہیگا اور پچھلے لوگ اس کے کام کو حجت گمان کر کے اپنی بلا تحقیق
اس کے ساتھ جوڑلیں گے۔ مبتدعی لوگوں کی بدگوئی کا عذر مقبول نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ
نے فرمایا ہے وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا
وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ یعنی اور ضرور تم اپنے سے پہلے اہل کتاب
اور مشرکوں سے دکھ دینے والی بہت سی باتیں سنو گے اور اگر تم نے صبر کیا اور پرہیزگار بنے تو
بیشک یہ ہمت کے کاموں سے ہے اور دنیوی نقصان اٹھانا اہل بدعت کی موافقت سے بہت
بہتر ہے اور دینداری کے کاموں میں اس کا لحاظ کرنا کمال ایمان سے دور اور ایمان کے
نقصان کا باعث ہے ہاں اگر توبہ کی امید یا اسی جیسی کسی اور دینی نفع کیلئے ایسے تساہل کا مضائقہ
نہیں۔

چوتھی صورت دوسری صورت کی ایک باریک شاخ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مجلس
منعقد کرکے نہایت شرح اور تفصیل کے ساتھ شہادت کا قصہ اس ارادے سے بیان کریں
کہ لوگ اسکو سن کر افسوس اور حسرت اور گریہ وزاری کریں اگرچہ ظاہر نظر سے اس میں کچھ خلل
ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن درحقیقت یہ مکروہ ہے اور ناپسندیدہ کام ہے اس لئے کہ صدمے
کے حادث ہونے یا اس کے بیان کے وقت میں استرجاع اور صبر کا حکم کیا گیا ہے افسوس اور
حسرت کے اظہار اور تکلف کے ساتھ اسکو پیدا کرنے کا حکم نہیں کیا گیا۔ پس کسی مصیبت کے آجانے
یا اس کے یاد کرنے کے وقت میں صابرین کے طریق کو اختیار کرنا تو تکلیف ہی سے ہو لازم ہے اور
گریہ وزاری اور جزع وفزع کے اسباب کا جمع ہونا بیشک صابرین کے طریق کے برخلاف ہے
اور جو لوگ اس صورت کا ارتکاب کرتے ہیں اپنے دلوں میں اسے حضرت امامین رضی اللہ عنہما کے
نہایت محبت اور کمال پیوندگی جانتے ہیں اور یہ ظاہر مغالطہ ہے کیونکہ مصائب کا تکرار اور اس کا
ذکر کرنا مصیبت والوں کی ناخوشی کا باعث ہوا کرتا ہے وہ تو ایک مصیبت تھی جو گزر گئی۔ پھر اس
کے تکرار اور ذکر کا کچھ فائدہ نہیں۔ جو صحیح العقیدہ مومن اس کو سنے گا اس کو غم اور اندوہ پیدا
ہوگا حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے کہ اگر یہ باتیں
ان پاک لوگوں کو سنیں تو ضرور رنج حاصل کریں گے۔ اور اگر اس طرف نظر کی جائے کہ حزن روز کی یادگاری

انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا یعنی ہم (بھی) اللہ کا مال ہیں اور ہم اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

مصیبت اور تکلیف حضرت سید الشہداء اور باقی شہداء کربلا اور اس مشہد مقدس کے حاضرین کے
مرتبے کی کمال بلندی کا باعث ہوئی ہے بلکہ ہرگز غم اور اندوہ کا مقام نہیں بلکہ خوشی اور فرحت کی جگہ
ہے اور جو لوگ اپنے زعم باطل سے اپنے آپ کو حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا محب قرار دیکر
صریح ممنوع اور حرام امور کو عمل میں لاتے ہیں بالکل اس جناب کے مردود اور مطرود ہیں اس سے کہ
ان بزرگوں نے تو مشروع امور کے قائم کرنے اور نامشروع کے موقوف کرنے کے لئے بڑی جانبازی
کے کام کئے ہیں پس جو شخص امور مذکورہ بجا لاکر ان کو خوش کرنا چاہتا ہے گویا وہ یزید کی طرح
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقابل ہے کیونکہ یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اس سے ناجائز امور کے
صادر ہونے کے سوا اور کوئی نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اصرار کیا
اور اس کام کو بہتر اور عبادت جانا تو حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ کی جانب سے دھتکارنے کے
لائق ہو گیا اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں داخل ہو گیا اور اصل یہ ہے کہ اپنے فاسد
گمانوں کی متابعت مسلمان آدمی کے لئے زہر قاتل ہے اسے چاہیے کہ شریعت کے حکم کو لازم جانے
یہاں تک کہ اس کو نہ چھوڑے چونکہ شارع علیہ السلام نے ماتم وغیرہ امور کی اجازت نہیں دی اور
مطلقاً اس سے منع فرمایا ہے تو اپنی محبت کے گمان پر ان ناجائز کاموں کا مرتکب ہونا گویا اپنی
ناقص عقل کو حکم شرع پر ترجیح کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ دھوکا دہی کے باعث اپنی چھپی ہوئی بیماری کی
دھوکے میں معلوم نہ ہو اور ایک صفت دوسری صفت سے مشتبہ ہو جائے جیسے بیمار جو اپنے
آپ کو تندرست سمجھتا ہے اور جو محبت کے مدعی یہ کام کرتے ہیں ان کے دعوی کو جھٹلانے والی
بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اس واسطے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ گریہ زاری اور محفل آرائی کے
جوش اور تعزیہ سازی سے ہرگز حضرت امام رضی اللہ عنہ راضی نہیں ہوتے۔ اور ان کو کوئی
فائدہ نہیں پہنچتا پس صرف نفسانی خواہش ہی کے لئے وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور جس امر کو
فریب اور مکر کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا راضی کرنا کہتے ہیں در حقیقت وہ نفس و
شیطان کا راضی کرنا ہے اور اس جھوٹے دعوی کے ساتھ کہ یہ تمام خرچ اور کام آپ کی محبت کی
وجہ سے ہیں بھولی بھالی خلق کو دکھاتے اپنے برے کاموں کو نیک ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اگر حضرت امام کا
راضی کرنا اور آپ کی محبت منظور ہے تو اس مال کے محتاج سادات پر کیوں خرچ نہیں کرتے

اور ان کی تعظیم اور اعزاز میں کوشش کیوں نہیں کرتے اور اشتباہ نسبت کا بہانہ ہر جگہ پیش نہیں کیا ہوا اس لیے کہ بہت صحیح النسب سید بھوک کے مارے مرے جاتے ہیں اور یہ لاف زن مدعی جان و جگر اپنے غلاموں بلکہ کتوں کے برابر بھی ان کی خبر گیری نہیں کرتے سادات کے بارہ میں ان کی اس قسم کی بے پروائی کے ظاہر ہونے کے باوجود پھر بھی ان کو محب اور مخلص سمجھنا محض نادانی اور حماقت ہے دین متین کی اشاعت اور شرع مبین کے احکام کے رواج دینے میں اپنی جان و مال کو خرچ کرنا اور امر معروف اور نہی عن المنکر میں کسی کی پرواہ نہ کرنا اور کافروں اور فاسقوں بدعتیوں پر ظاہر انکار کرنا اور ان کی چاپلوسی اور خوشامد سے پرہیز کرنا اور باطل مداہنت نہ کرنا اور آپ کی بزرگوار آل کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دینا اور قولی اور فعلی اور مالی عبادت کا ثواب آپ کی پاک روح کو پہنچانا سچی محبت کے نشان ہیں۔ پس جو شخص ان امور میں قصور کر کے حضور امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر نفسانی کھیلوں میں مال خرچ کرتا ہے وہ بیجا اور بے محل جھوٹ باندھ کر اپنی عاقبت کی تباہی سے بے فکر ہو گیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ شُرُوْرِ الْمُنَافِقِیْنَ الْفَاسِقِیْنَ۔

تیسری ہدایت ان بدعتوں کے ذکر میں جو فاسد رسموں کے التزام سے عوام الناس میں پھیل گئی ہیں اور اس میں ایک تمہید دو افادے اور ایک فائدہ ہے۔ تمہید جو رسمیں کہ شادی اور ماتم کے موقع پر ہندوستان کے ملک میں رائج ہو گئی ہیں اور ان کا التزام لوگوں کے ذہن نشین ہو گیا ہے اور ان کا چھوڑنا ان کی مخالفت اور طعن و تشنیع کے سبب سے نہایت شاق گزرتا ہے اور جاہل لوگ ان رسموں کے اہتمام کو شرعی واجبات پر مقدم اور ان کے چھوڑنے کو محرمات سے زیادہ جانتے ہیں دینی اور دنیوی امور کی بربادی کا باعث ہیں کہ لوگوں کو نہایت تنگی میں ڈال کر ضروریات دینیہ سے باز رکھتی ہیں مثلاً ختنہ کی دھوم دھام کا التزام یہاں تک پہنچا ہے کہ مختون بالغ لڑکے کی عمر کا ہو جاتا ہے اور بے حیائی اور بے پردگی کا باعث ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ شرعی شعار رہ ہی جاتا ہے اور نیز نکاح کے معاملہ میں جو تاخیر واقع ہوتی ہے نوجوان لڑکی کے واسطے حرام کاری کا باعث ہوتی ہے بالغ ہونے اور جوانی کے زمانے کے بعد بڑی مدت تک انتظار کرنا اور ارتکاب حرام سے صبر کرنا نہایت ہی دشوار ہوا کرتا ہے اسی

طرح ماتموں میں اگرچہ تاخیر کو ان میں گنجائش نہیں لیکن ان رسموں کا التزام ضروری امور میں حرج کا باعث ہوتا ہے اور رسوم کے پابند لوگ تجہیز و تکفین اور قبر کے کھودنے میں سستی کر کے اولیٰ سنت سے قصور کرتے ہیں اور طعنہ زنی کے ڈر سے سوم اور چہلم کے کھانوں میں فراخی کرتے ہیں اور ماتم اور شادی کی رسوم کی حفاظت کے لیے واجب حقوق سے غفلت کرتے ہیں اور اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسم کے چھوڑنے کی شرمندگی انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے اور رسم کی حفاظت کے واسطے اپنی معاش کے اسباب کو بیچ کر مفلس ہو جاتا ہے اور گداگری کو جو دونوں جہان کی ذلت کا باعث ہے اپنے آپ پر گوارہ کر لیتا ہے اور یہ خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ان رسوم کے سخت پختہ ہو جانے اور ان کے چھوڑنے والے کے حال پر طعنوں کے متوجہ ہونے کے باعث ہی پیدا ہوتی ہیں مثلاً اگر کوئی شخص نماز کو عمداً چھوڑ دے تو وہ اس قدر ملامت کا سزاوار نہ ہوگا جس قدر کہ شادی کی محفل میں ناچ راگ کے ترک سے ملامت کا مستحق سمجھا جائیگا اس واسطے ایسے آدمیوں کو کھانوں میں بہت تکلف کرنا پڑتا ہے اور وہ شادی کی محفل کی آرائش میں نہایت کوشش کرتے ہیں حالانکہ چھوٹے بچے بھوک کے مارے مرنے لگتے ہیں اور کمال جہالت اور نادانی ہے کہ اس الٹی بات کو کمال مروت اور جوانمردی جانتے ہیں اور ایسی ضرورتوں کے پیش آنے کے موقعوں پر حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرتے اور جہاں سے جس طرح مال ہاتھ آئے اس کے لینے کی پروا نہیں کرتے اور جب مال ہاتھ آ جاتا ہے تو صریح خلاف شرع اور خلاف عقل اور محض شیطانی راستے میں اس کو خرچ کرتے ہیں حاصل کلام رسموں کے التزام کی بنا اور ان کا اہتمام دنیا کی غیرت اور عزت اور نام پر ہے اور جس کام کی بنا ایسی ہو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے بلکہ عالم علوی سے اس کام اور اس کے کرنے والے پر لعنت کی آوازیں آتی ہیں اور اس کا دیکھنا کامل ایمانداروں کے صاف دلوں کی کدورت اور تاریکی کا باعث ہوتا ہے اور قیامت کے دن اس کے مرتکب سے حساب ہوگا کہ اس قدر مال بیجا خرچ کر کے اخوان شیاطین کی جماعت میں کیوں داخل ہوا اور اکثر ناجائز امور کے ارتکاب اور حرام کی پروا نہ کرنے کے باوجود بھی مجبوراً ان سے یہ رسمیں خود بخود موقوف ہو جاتی ہیں پس اگر پہلے پہل اپنے اختیار سے بغیر مجبوری کے اگر ان

بیہودہ رسموں کو چھوڑ دیں۔ قرآن کی معاش اور معاد کی کس قدر اصلاح کا باعث ہو اور اللہ عزوجل کی رضامندی اور خوشنودی ان کو نصیب ہو۔ پس راہ خدا کے طالب کو لازم ہے کہ ان رسموں سے بیزار ہو کر ان کے برہم کرنے اور اپنے گھر اور خاندان اور قبیلہ دار محلہ اور شہر اور ملک سے ان کی موقوف کرنے میں حتی المقدور کوشش کرے اگر یہ صحیح نیت سے کیا تو اسے اس کا اجر اور ثواب ملیگا اور اس بات سے نہ ڈرے کہ میری رسم کی قدر نہ ہوگی یا میرے خویش اور اقربا میری متابعت نہ کریں گے ایسے فاسد گمانوں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کام کی پیروی کرنے میں قصور کرنا محض قبیح ہے جب کام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو اور کسی کا فکر کیا ڈر ہاں ان رسموں کے توڑنے میں جو طریق کہ دوسروں کی پیروی کا باعث ہو اور شریعت کے ساتھ مخالفت بھی نہ رکھتا ہو اسی طریق کو اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اس کی کوشش اس حدیث خیر الهدی ما اتبع[1] کے مضمون کے موافق ہو اور یہ بھی گمان نہ کریں کہ فوت شدہ لوگوں کو طعام سے فائدہ پہنچانا اور ان کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے۔ اسلیے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ رسم کا پابند نہ ہونا چاہیئے تاریخ اور دن اور طعام کی جنس اور قسم کی تعین کے بغیر جس وقت اور جس قدر کہ موجب ثواب ہو بجا لائے اور جب میت کو کچھ نفع پہنچانا منظور ہو تو اسے کھانے کھلانے پر ہی موقوف نہ سمجھنا چاہیئے اگر ہوسکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے اور تاریخ اور دن اور طعام کی قسم اور وضع کے مقرر کرنے میں تنگی پیش آتی ہے اور اس بات کا اہتمام تضیع اوقات کا باعث ہوتا ہے اور دوسرے ضروری کام موقوف رہ جاتے ہیں اور اپنا اور بیگانہ تاریخ اور دن کا انتظار رہتا ہے اور خویش و اقربا جمع ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ دشوار کام کا بھی آدمی کو ضرور انتظام کرنا پڑتا ہے۔ پس میت کے حق میں تجہیز و تکفین اور دفن کے بعد دعا اور تعزیت کے سوا اور کسی رسم کا التزام نہ کرنا چاہیئے اور اسی طرح نکاح میں ولیمہ کے سوا جو سنت موکدہ ہے اور سب رسموں کو چھوڑ دینا چاہیئے اس مقام میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام اخلاق میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلق پیشوا اور محبوب مان کر اور دل و جان سے اس پر راضی ہو کر ہند اور سندھ اور فارس اور روم کی ان تمام رسموں کو جو آپ

---

[1] بہتر ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔

کے برخلاف ہوں یا صحابہ کرام کے طریقہ پسان سے زیادتی لازم آئے ترک کر دے اور ان پر کوئی ظاہر کرے اور اگر بیٹیوں کے بارے میں نئی یا اگلی جیسی زمانہ جاہلیت کی وہ رسمیں مروج ہو جائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ نابود ہو گئی تھیں اور ان کے ابطال میں آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت ساری تاکیدیں منقول ہیں، تو ان کے ابطال میں پوری کوشش کرے۔

پہلا افادہ۔ بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح سے منع کرنا انہی بد رسموں میں سے ہے جو ہندوؤں کے اختلاط سے ہندوستان کے مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور یہ خراب رسم یہاں تک مروج ہو گئی ہے کہ (لوگ) اس جائز بلکہ مستحب امر کو محرمات شرعیہ سے زیادہ برا جانتے ہیں پس اس کے دور کرنے میں پوری کوشش کرے اور اگر اس کے خویشوں میں یہ صورت پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرا دے اور اگر اس کے اتباع سے قصور کریں تو اللہ کیلئے ان سے ملاقات اور برادری ترک کر دے کیونکہ غالباً بلکہ یقیناً اس کام کے عیب سمجھنے کی وجہ ہندوؤں کی رسم کا التزام ہے ورنہ اور کوئی مطلب معلوم نہیں ہوتا اگر اس رسم کے توڑنے سے اپنے بزرگوں اور بڑوں کی رسم کا چھوڑنا لازم آتا ہے تو ہرگز پروا نہ کرے اور اللہ جل شانہ کی جانب کو تمام اہل حقوق کی جانب سے مقدم جانے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قطع تعلق کو مدنظر رکھے۔

دوسرا افادہ۔ اپنے باپ دادا کی بزرگیوں پر فخر کرنا اور انکی شفاعت پر بھروسہ کرنا رسوم جاہلیت کا وہ بقیہ ہے۔ راہ امت مرحومہ میں نہایت درجہ کی پھیل گئی ہیں اور سادات اور پیرزادوں جیسے بلند خاندانوں والے اس میں گرفتار ہیں اور اسی اعتقاد کی وجہ سے اہل اسلام کے شعار یعنی تواضع اور عاجزی اور اہل ایمان کی بڑی بزرگی یعنی پرہیزگاری اور نیکوکاری کو بالکل فراموش کر کے ان کی بجائے تکبر اور لغو بازی اور بدخلقوں کا اظہار اور ناجائز امور کا ارتکاب حاصل کر کے کلام اللہ اور کلام رسول کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا انہوں نے آیت کریمہ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اور

ـــه اللہ تعالیٰ کے پاس اس شخص کے سوا جس کے لئے اس نے اذن دیا ہے کسی کی سفارش سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا

آیت کریمہ لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا[1] اور آیت فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ[2] اور آیت یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[3] اور آیت تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ[4] اور حدیث اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَ فَخْرَھَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا ھُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِیٌّ اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ[5] اور انہی جیسی اور آیات اور احادیث کو کبھی ہوش کے کانوں سے نہیں سنا اور نفس اپنے دشمنوں اور نفسوں اور اپنے جیسے لوگوں کے باطل مسلمات پر اعتماد کر کے اپنی جان کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیا ہے بھلا ان شخص کیسی نادانی اور حماقت ہے کہ یہ لوگ نجات کے یقینی اور قطعی اسباب کو چھوڑ کر وہمی اور ظنی اسباب پر اعتماد کر بیٹھے ہیں اور ان نادانوں کی جہالت کا حال اس کے مشابہ ہے کہ ایک شخص بہت سارے مال جو اپنے قبضہ میں رکھتا تھا اور اسے یقینی طور پر ان سے فائدہ حاصل کرنے کی امید تھی پھر کیمیا کے موہومی حیلوں کے حاصل کرنے میں سارے کا سارا برباد کر دیا الغرض اگر یہ نسبی علاقہ آخرت میں نافع ہے تو نہایت ہی ظاہر ہے کہ اس سے غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے اس نفع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ نسبی علاقہ اختیاری افعال سے نہیں کہ غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے ٹوٹ جائے پس جب غافل آدمی کو قیامت کے دن نسبی علاقہ سے فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ تو اس کو غیر مترقبہ نعمت کے حاصل ہونے کے باعث دوگنی خوشی حاصل ہو گی اور اگر قیامت میں یہ علاقہ کار آمد نہیں ہے اور اس شخص نے اپنی تمام عمر اسی کے نفع کی امید پر گذار دی ہے تو اپنے جہل مرکب سے نہایت پشیمانی اور ندامت

[1] کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا [2] جب نرسنگا پھونکا جائے گا تو لوگوں میں نسب کا کچھ لحاظ نہ ہو گا۔
[3] اے لوگو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے تم کو پیدا کیا اور تمہاری گوتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو بیشک تمہارا بڑا پرہیزگار اللہ کے ہاں زیادہ باعزت ہے [4] وہ ایک جماعت ہے جو گذر چکی ہے ان کے اعمال کا فائدہ انہی کو پہنچیگا اور تمہارے اعمال کا تم کو [5] بیشک اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا فخر اور باپ دادا کے ساتھ فخر کرنا دور کر دیا ہے آدمی مومن پرہیزگار ہے یا فاجر بدبخت ہے سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی کے ہیں۔

اٹھائیگا۔ اور نفسانی رنجوں اور روحانی عذابوں میں گرفتار ہوگا۔ پس اس قسم علاج کی پرواہ کرنا ایسے ہی ذریعوں امور پر بھروسہ نہ کرنا ہر طرح اچھا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

فائدہ۔ بزرگوں کی اولاد میں میراث کے طور پر ایک استعداد رکھی جاتی ہے لیکن محض استعداد امور معاش یا معاد میں کار آمد نہیں ہے ہاں اگر وہی استعداد ظاہر ہو جائے اور سیکھنے سکھانے اور شریعت پر کاربند ہو جانے کے باعث جلوہ گر ہو چکے تو اس اس سے بڑے بڑے کام اور فائدے نکلتے ہیں۔ اور ان استعدادوں کو بھی ان ازلی استعدادوں کے قائم مقام سمجھنا چاہیئے جو کہ بعض کی استعدادوں سے ازل الآزال میں ہر شخص کے حصہ میں آتی ہیں لیکن جزا کی بنا محض استعدادوں پر نہیں اسی واسطے جب تک اس استعداد کے آثار ظاہر نہ ہوں جزا کے کارخانے میں وہ استعداد کسی شمار میں نہیں آتی ہاں اتنی بات یقینی ہے کہ ہدایت اور گمراہی کے اسباب بہم پہنچنے سے نیک بختی اور برائی کے آثار اسی کے موافق ظاہر ہوں گے پس ثمرات بالفعل مترتب ہونا آثار پر موقوف ہے اگرچہ ان کو ایک پوشیدہ سا ربط استعدادوں کے ساتھ بھی ہے لیکن استعدادوں کے ساتھ ثمرات کا رابطہ بہت پوشیدہ ہے اور آثار کے ساتھ بہت ظاہر مثلاً آلات حرب کے ساتھ منافع حرب کو ایک ظاہری سا ربط ہے اور لوہے کے ساتھ پوشیدہ اسی واسطے پولاد کی زنگ خوردہ تلوار وہ کام نہیں کرتی جو لوہے کی صیقل تلوار کیا کرتی ہے دوسری فصل تہذیب اخلاق میں اور اس میں دو ہدایتیں ہیں پہلی ہدایت پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق کے اجمال ذکر میں اور اس میں تین تمہیدیں اور پانچ افادے ہیں۔

پہلی تمہید۔ بخل اور حسد اور تکبر اور حرام اور غیبت اور کینہ اور ریا اور کذب اور طمع اور حرص جیسی بدعادتوں کے ساتھ سالکان راہ حق کے نفوس کا آلودہ ہو جانا ان پر روحانی فیض کے اترنے اور خدائی عنایات کے وارد ہونے کا بڑا ہی قوی مانع ہے سلف صالح ان رذائل کا تزکیہ نہایت ضروری جانتے تھے اور ان کو صرف خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے اپنے دل سے دور کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا تھا ان کے دل صاف

ہو جاتے۔ اس لیے بے نہایت مہربانیوں کا مورد ہوا کرتے اور اسی تصفیہ کی وجہ سے جو صعق
اللہ تعالیٰ کے خوشنود کرنے کے واسطے عمل میں لاتے۔ مقبول ہو جاتے اور جو شخص کہ سلوک کے
مراتب طے کرنے کے باوجود آثار عنایات کا مورد نہ ہے تو بیشک ان تمام رذائل یا بعض کے
آثار اس میں موجود ہوں گے پس ان رذائل کا وجود عنایات الٰہی کے ورود کا مانع ہے
دوسری تمہید سلف صالح کے واسطے بدعاتوں سے نفس کے پاک کرنے میں اللہ
کی توفیق سے یہی اصلاحی نیک اعمال اور اپنے پیشواؤں کی ہم نشینی ہی کافی ہوا کرتی تھی اور
اس فن کے لوگوں نے تطبب کے طور پر ان کی علامتوں اور اسباب اور معالجوں کو تحقیق کر کے
کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لیکن وہ بیان نہایت واضح اور روشن ہونے کے باوجود کافی نہ
تھا بلکہ پست ہمت لوگ ان بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ سے یہی گمان کرتے ہیں کہ انہی لوگوں
کا حال ہے جو گذر گئے ہیں اور خطیرۃ القدس میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کی ماہیت کچھ
اور ہی تھی کہ ان کثیر عملوں اور مشکل محنتوں پر قائم رہے اور اپنے آپ کو اس مقام سے بہت
دور خیال کرتے ہیں اور بعض غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو ان بدعاتوں سے بالکل پاک
اور ان کی ضد بعض محض نیک عادتوں سے مزین جانتے ہیں پس اس زمانے کے لوگوں کے
مناسب حال یہ ہے کہ معرفت الٰہی کی طرف پہنچنے کے واسطے جس طرح شغل اور مراقبہ کرتے
ہیں اسی طرح ان امور کے واسطے مراقبہ اختیار کریں اور بدون اس کے بارگاہ قبولیت میں
پہنچنے کو محال سمجھیں اگرچہ معرفت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں لیکن عنایت اور قبول کے رستے سے
نہیں بلکہ ایک اور دروازے سے پہنچے ہیں جہاں مقبول اور نامقبول کی کوئی پرسش نہیں ہے
اور نفس اور شیطان جو کہ مقبولیت حق کی بارگاہ میں کتے اور دربان کی جا بجا ہیں۔ ان کو نہیں چھوڑتے
کہ اس مقام میں پہنچ جائیں اعمال صالحہ اور رذائل مذکورہ سے خالی ہونے اور نیک عادتوں
کے ساتھ مزین ہونے کے سوا شیطان اور نفس کی شرارتوں سے بچ کر اس مقام تک پہنچنا ممکن
نہیں اور ان بدعاتوں کا چھوڑ دینا تو اس جوہلاد اور تعیب کا ماخذ ہے جو خود بخود انسان کو
تمام مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور بعض اوقات اس بارگاہ سے ایک نظر ابتداءً حاصل ہوتی
ہے کہ اعمال میں شوق و ذوق ریاضتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کے بغیر ہی آدمی کو مقبولیت سے نوازا

کر دیتا ہے اور ایسے برگزیدہ بندوں کے تربیت اور تلقین کی کچھ حاجت نہیں خود اللہ تعالیٰ ان کا مربی ہو جاتا ہے مخلوقات میں سے کسی کا احسان ماننے اور تکلیفیں جھیلنے کے سوا بھی ان کو بُری خصلتوں سے مزین اور ناپسندیدہ خصلتوں سے پاک کر دیتا ہے پس اس کا طریق یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید اور حدیث کے پڑھنے کا شغل کرے اور اپنے کچھ اوقات کو ان کے حاصل کرنے میں خرچ کرے تاکہ فضائل اور رذائل کی اصلیت سے واقف ہو جائے اور اپنے ضروریات کا حاصل کرنے کیلئے پریشان نہ ہووے بعد ازاں اس یادداشت کے ساتھ مشغول ہو جائے جو نقشبندی طریقے میں مقرر ہے یعنی ذات حق کا ہمیشہ ملاحظہ رکھے اور اسی ملاحظہ میں دوسرا ملاحظہ ملا دے جس سے احکام شرعیہ کی تعظیم اور انکی بجا آوری کا عزم اور منہیات شرعیہ کا اجتناب اور ان سے بچنے کا عزم مراد ہے پس ہر وقت اور ہر جگہ تنہائی اور مجلس اور کوچہ اور بازار اور مسجد اور خانقاہ اور کھانے اور پینے اور یار دوستوں کی ملاقات اور معاش اور معاد کے وجوہ میں مشغول ہونے ۔ القصہ تمام حالتوں میں باخبر رہے کہ کبھی کبھی منہیات شرعیہ کی طرف دل کا میلان نہ ہو جائے اور احکام شرعیہ کے اہتمام میں ہمیشہ دل کو چالاک اور با نشاط رکھے اور جملہ احکام شرعیہ سے نماز اور تلاوت قرآن مجید جیسی عمدہ اوامر کو خاص لحاظ کے ساتھ ملحوظ رکھے اور ہر حال میں اس کا دل نماز سے متعلق رہے اور جونہی نماز کا وقت پہنچ جائے یا اذان سن لے تو اس طرف سے غفلت نہ کرے اور کسی کام کو نماز پر مقدم اور اس سے ضروری نہ جانے اور ہر کام کا فوت ہونا نماز کے ادا کرنے کی جانب میں اس کو سہل اور آسان معلوم ہو جیسے کسی محبوب کی ملاقات کسی عاشق کو میسر ہو جائے تو ممکن نہیں کہ دوسرے کام میں مشغول ہو اگرچہ اسکے ہزاروں کام فوت ہو جائیں گے تاہم وہ اپنے معشوق کی ساتھ بات چیت کو نہایت ہی مرغوب جانیگا اسی طرح نماز کو حدیث شریف وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ[1] کے موافق اصل خوشی اور راحت سمجھ کر دنیا اور دین کا اور کوئی کام اس پر مقدم نہ رکھے اور اسی طرح دوسرے ارکان روزہ اور زکوٰۃ اور حج کی تخصیص کرے اور اسی طرح جہاد کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھے کیونکہ وہ سنام الاسلام ہے اور اس میں جان اور مال کے خرچ کرنے اور رنج اور تکلیف اٹھانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی حقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہے

[1] میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اور جب اسی لحاظ و خیال پر عمل کرتے ہوئے کچھ زمانہ گذر جائے گا تو ساری عادتیں عبادت
بن جائیں گی مثلاً وہ کھانا بھی ایسی ہی نیت سے کھائیگا جو اللہ جل شانہ کی خوشنودی کا باعث
ہوگی اور اسی وقت سوئے گا جب اس کا دل گواہی دے گا کہ اس وقت کا سونا اللہ تبارک
وتعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے باقی امور کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے دل سے عیوب
کے دور ہو جانے کے بعد شجاعت سخاوت پاکدامنی۔ صبر۔ شکر۔ رضا بقا۔ توکل وغیرہا جیسی
صفتیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی لیکن مستقل طور پر ان کے حاصل کرنے کا بھی ارادہ کرے
تاکہ ہر ایک کے ساتھ کمال طور پر موصوف ہو جائے اور جب اپنے دل کو پاک کرکے احکام
شرعیہ پر چست و چالاک ہو کر سلوک کی راہ اختیار کریگا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے
کہ سلف کی طرح عنایات الٰہی کا مورد ہوگا اس کی عنایت کا کوئی ٹھکانا نہیں جو لوگ کہ اس
کی عنایات سے ممتاز ہوئے ہیں وہ بھی اسی قسم کے آدمی تھے اور جو لوگ کہ اس کی عنایتوں
سے محروم ہیں وہ بھی اپنے ہی قصور سے محروم ہیں۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ اس سے خبر دے رہا ہے۔ شعر

ہر چہ ہست از قامت ناساز بےاندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اور ماموات اور منہیات کا بیان لمبا ہے ان کی واقفیت کی سبیل یہی ہے کہ سالک کلام اللہ
کو مضبوط پکڑے مارتے رہے اگر یاد کرے تو بہتر ہے اور اگر یاد نہ کر سکے تو قرآن مجید کی تلاوت
کی پوری مہارت حاصل کرے اور اس کے معانی کو ظاہر کرنے والے ترجمہ سے آگاہ ہو کر
تدبر اور سوچ بچار کے ساتھ اس کی تلاوت کیا کرے اور صرف تلاوت قرآن کو بڑی غنیمت
جانے کیونکہ یہ سب عبادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ
ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونا ہے اور یہ اس کی صفات میں
سے ایک ایسی صفت ہے جو حرف بلا معجز عبادت کے لحاظ میں ظاہر ہوئی ہیں اب جب اللہ جل شانہ
کی صفتیں اس کی غیر نہیں تو تلاوت قرآن کے وقت اپنے آپ کو ایک قسم کا واصل بذات حق
سمجھے اور وصول اور ہمکلامی اور سماع کی لذتیں حاصل کرے اور خود غفلت حجاب اکبر ہے
جب غفلت کا پردہ اٹھائیگا اس کے ساتھ داخل ہو جائیگا۔ مصرعہ

ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

حضوری گرچہ ہمی خواہی ☆ ازو غائب مشو حافظ

تیسری تمہید۔ اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت جو تمام اہل اسلام میں مروج ہیں بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیئے بلکہ آپ کا علم تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے اور جس وقت سے کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان علموں کی جمعیت ظاہر ہو گئی ہے۔ پس جس مسئلہ میں کہ صحیح صریح غیر منسوخ حدیث ملجائے اس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے ان کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیونکہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علم کے اٹھانے والے ہیں ایک طرح سے آپ کی مصاحبت کر کے آپ کے مقبول ہو گئے ہیں اور مقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں وہ اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں۔

پہلا افادہ۔ جو شخص امرا میں اور حکام میں سے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ راہ سلوک میں قدم رکھے تو ان امور شرعیہ کے اہتمام کے ساتھ جو سالکان طریقت کو چاہیئے عدالت اور انصاف کا اہتمام بھی ان کے واسطے ضروری ہے کیونکہ ان کے حق میں عدالت سب عبادتوں سے بہتر ہے عدالت میں گذشتہ بادشاہوں کے طریق کی رعایت نہ کرے بلکہ عدالت اور سیاست میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت اس کے واسطے کافی ہے اور خلفا اور بادشاہوں میں فرق یہی ہے کہ بادشاہ تو دنیا کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہیں اور آخرت کی کچھ پروا اور اس کا کچھ اہتمام نہیں کرتے۔ اور خلفا راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیاوی کمال انتظام کے باوجود دین کو جانے نہیں دیتے اور اس کی اصلاح اور ان یادکو مقدم اور ضروری جانتے ہیں۔ اور بادشاہ اور امیر ظاہری شان و شوکت اور مکان اور پوشاک اور سواری میں اپنی عزت گمان کرتے ہیں جس قدر کہ وہ دینداری میں پکے رہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کی عزت اور شوکت، اور رعب ان کے دشمنوں میں زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرا افادہ۔ ہر مسلمان کو دو چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے اول تکبر یعنی اس سے کہ

ہے آپ کو سب لوگوں سے بہتر اور بلند جاننے اور ہمیشہ اپنی بلندی اور بزرگی کا خواہاں رہے کیونکہ یہ بری خصلت انسان کو کبر تک پہنچاتی ہے اسی واسطے اور خصلتوں اور عملوں سے بہت قبیح ہے حدیث شریف میں آیا ہے لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ یعنی ایسا کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی بھر ایمان ہوگا اور ایسا کوئی آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی بھر کبر ہوگا دوم مسلمانوں کی ایک جماعت میں فساد و خرابی ڈالنا اور مکانوں اور وقتوں کے عموم کے لحاظ سے اس کے بہت سارے مرتبے ہیں ایک تو گھر والوں کو خرابی میں ڈالنا۔ دوم ایک شہر والوں کو سوم ایک ملک یا چند ملک والوں کو اور ایک قرن یا دو قرن یا اس سے زیادہ کا فساد بھی اسی طرح ہے اور ان سب سے اعلیٰ وہ فساد ہے کہ کئی زمانوں تک اس کا اثر باقی رہے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر بلوہ کرنے والوں کا فساد کہ اس کا اثر اس امت کے تمام زمانوں پر پھیلا رہا ہے اور یہ وہ پہلا فساد ہے جو امت میں واقع ہوا۔ اور فساد کی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی تو قتل سے ہوتا ہے اور کبھی اہانت سے اور کبھی عیبوں کے ڈھونڈنے سے اور کبھی بری صلاح دینے سے اور نیز امور بھی اشخاص کے لحاظ سے فساد کے معنی میں بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً محلے کے امور معاش اور معاد کے منتظم رئیس کے مار ڈالنے میں اور قسم کا فساد ہے اور کسی عادل منتظم بادشاہ کا قتل کرنا پہلی قسم سے ہزار درجہ قبیح ہے کیونکہ یہ کام تمام لوگوں کی امور کی پریشانی کا باعث ہے۔ ایسا ہی کسی مسجد کے ایسے مہتمم کو جس کے باعث چند مسلمان نماز کے واسطے مسجد میں جمع ہوتے ہیں قتل کر دینا قبیح ہے اور کسی ایسے باکمال عالم کو جو مشکلات کا حل کرنے والا اور خاص و عام کا مرجع ہو کر اپنے وقت کا امام اعظم اور زمانہ کا بخاری اور غزالی ہو چکا ہو، مار ڈالنا ایسا برا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور اہانت اور تجسس عیوب کو بھی قتل پر قیاس کر لینا چاہیے اور جس قدر خلل زیادہ ہوگی اسی قدر ایمان کا نقصان زیادہ ہوگا۔ اور اس بد کام کی زیادہ برائی کا یہ باعث ہے کہ اس میں کئی لوگوں کے حق ضائع ہوتے ہیں اور بہت سارے گناہوں کا بیج مدتوں تک باقی رہتا ہے اور فتنہ انگیز مفسد پر اس قدر وبال اکٹھا ہوتا ہے کہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو کر

برے خاتمہ کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مغفرت سے ناامید ہو جاتا ہے اور ظلم سے بھی پرہیز کرنا لازم ہے کیونکہ دراصل ظلم کا منشا یا تکبر ہے یا افساد پس ظلم میں یا تو تکبر کی شاخ ہوگی یا افساد کی اور تکبر اور افساد سے احتراز کرنا اس وقت پیدا ہوگا کہ ظلم سے پرہیز کرے حدیث شریف میں ہے اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّیَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ قَالُوْا بَلٰی قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَاِفْسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ هِیَ الْحَالِقَةُ۔

تیسرا افادہ مسلمانوں کو اپنے دل کی تسلی اور مصیبتوں میں توکل اور اللہ تعالیٰ کی بخیر قسمتی ہی نعمتوں کا ہے ہر نعمت خاص کر اس نعمت کے لیے جو بمقتضائے اِنَّ لِلّٰهِ فِیْ اَیَّامِ دَهْرِکُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا خوشبو کے طور پر ہواؤں کے جھونکوں میں چلتی ہے اور ان عالی دماغ لوگوں کے دماغوں کے سوا جو "خاص الٰہی رحمت کے مہبط ہو گئے ہیں،" نہیں پہنچتی اس بے مثال قادر کی قدرت کی قدر جس طرح کہ چاہیے اپنے دل میں نقش کرنی ضروری ہے کیونکہ اسی نقش کے اہمال نے ہی ایک جماعت کو جو اہل کتاب کے نام سے موسوم تھی وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ کے داغ سے داغدار کر دیا اور ایک بدانجام گروہ کے حال کی برائی کے بیان میں، جو مشرکین کے نام سے تمام مخلوق میں بدنام ہے نشان وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ جو کہ سخت انتقام کی علامت ہے،" بلند کیا۔ پس جاننا چاہیے کہ اس کی کامل قدرت کا پہچاننا ایمان کا لازمہ ہے۔ ہر ایماندار جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن یہ معرفت اس کی ضعیف والی طاقتوں پر محیط اور اس کے دل میں جاگیر نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب

ے کیا میں تم کو روزے اور صدقے اور نماز کے درجے سے افضل چیز نہ بتاؤں۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ کیوں نہیں آپ نے فرمایا وہ آپس کی بگاڑ کی اصلاح ہے اور آپس میں پھوٹ ڈالنا ہی مونڈنے والی چیز ہے ۱۲ منہ

ے بیشک تمہارے زمانہ کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشبو کی لپٹیں آتی ہیں ان کا تعرض کرو

ے اور نہ قدر کی اللہ کی حق قدر اس کی جس وقت کہا انہوں نے نہیں اتارا اللہ نے اوپر کسی آدمی کے کچھ

ے اور جس طرح کہ چاہیے تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے جس چیز کو وہ اسے شریک بناتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہے

وہ کوئی عجیب امر سنتا ہے اس کو بعید جانتا ہے ہاں اسلامی عقیدہ کی طرف رجوع کر کے ایسا انکار نہیں کرتا کہ اس کو اسلامی دائرے سے نکال کر کفر کے گڑھے میں پھینک دے لیکن شدید استبعاد اس کے دل سے نکلتا نہیں اگرچہ ایمان کے واسطے تو اسی قدر معتبر کافی ہے مگر جو معرفت یہاں مطلوب ہے وہ تو اس مرتبہ سے بہت بلند ہے یعنی وہ جاننے والی طاقتوں پر غالب اور اس کے دل پر جاگیر ہوتی ہے اور جب کسی امر کو گو وہ نہایت ہی عجیب ہو حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ آدھا آسمان ٹوٹ کر گر پڑا ہے اور باقی آدھا کھڑا ہے تو اس بات کو سن کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کے لحاظ سے اس کا دل اس کو قبول کر لے ہاں ان دوسرے عقائد کی طرف رجوع کرنے کے بعد کہ قیامت سے پہلے تو آسمان نے ٹوٹنا نہیں اور قیامت کے واسطے علامتیں ہیں جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں اس قول کو خلاف واقع جان لے گا اور اسی بات کی تحقیق کے واسطے اللہ جل شانہ فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو ٹلنے سے روکا ہوا ہے اور اگر ٹل جائیں تو اس کے سوا ان کو کوئی روک نہیں سکتا بیشک وہ بردبار بخشنے والا ہے حاصل یہ ہے کہ آسمان اور زمین کو اپنی جگہ سے ٹال دینے کا مانع اس کا حلم اور اس کی مغفرت ہے ورنہ اس کی قدرت اور اس کا انتقام تو اس کام کا تقاضا کرتے ہیں اور ان صفات میں کسی قسم کا قصور اور فتور نہیں ہے اور اسی بات کے ذہن نشین کرنے کے لئے حدیث شریف میں شام کی دعاؤں میں وارد ہوا ہے أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ ۔ یعنی اس اللہ کے ساتھ جس نے اپنے اذن کے سوا آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اس چیز کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہے پس معلوم ہوا کہ معرفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ کسی امر کے وقوع کو سن کر گو نہایت ہی دشوار اور دور ہے واقع ہی گمان کرے اور یہ معرفت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے دل میں بے تامل ظاہر ہو ہاں اس کے وقوع کی تصدیق کے واسطے خبر دینے والوں کی خبر دینے کے صدق کی تحقیق کرے اور اس کے سوا اس کے وقوع کا یقین نہ کرے اور اس کے محال الوقوع ہونے کی ہمیشہ تصدیق کرتا رہے اسی طرح اس کی باقی صفات کمال

کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

چوتھا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور پیار کا دعویٰ ہر شخص کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت کمیاب بلکہ نایاب ہے محبت اور الفت کی حقیقت تو یہ ہے کہ محب کے ایمان اور اولاد اور علم اور عقائد کے ہر باب میں کمال اور نافرمانیوں اور گناہوں سے پرہیز اعلیٰ درجہ پر ہونے کے باوجود اگر اس کو ایسی مصیبتیں اور بلائیں پہنچیں کہ اس کی جان اور مال اور اولاد اور دین اور قوم اور آبرو کو گھیر لیں اور وہ نہایت ہی بری امراض میں گرفتار ہو جائے اور انہی بلاؤں میں جان دیکر اس جہان کے سخت عذاب میں گرفتار ہو جائے تو شکایت کی ذرہ سی بات بھی اس کے دل میں نہ گزرے ہاں ان مصیبتوں کی عدم برداشت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے نہایت اعتقاد کے باعث اس کی بارگاہ میں جس قدر کہ التجا اور زاری اور عاجزی اور بیقراری کرے بہتر اور بجا ہوگی بلکہ یہ تو کمال ایمان کا مقتضا ہے لیکن اس ذات پاک کی بہ نسبت شکایت کے معنی کو وہم اور خیال میں جگہ نہ دے بلکہ اس کو بالکل حالی اور مالی قصور اور اپنے ازلی استعداد کے نقصان کی طرف نسبت کرے اور آیۂ کریمہ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اور آیت کریمہ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ کو اپنے حال کا مبین سمجھے اور یہی امر صبر اور رضا بالقضا کے مقام اور مرتبے کے حاصل ہونے کا باعث ہوتا ہے اور یقین کر لے کہ وہ اس سے زیادہ سخت عذاب کا مستحق تھا۔ اور جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ اس کے استحقاق کے موافق نہیں اور یہ اس معاف کرنے والے بخشنے والے خدا کی مہربانی ہے کہ اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا جو اس کے قصور کے برابر تھا۔ اور یہی امر بلاؤں اور مصیبتوں کے عین ہجوم کے وقتوں میں شکر کے اعلیٰ مقام کے صادر ہونے کا باعث ہوتا ہے حاصل کلام انسان درحقیقت اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے متوجہ ہونے کے لائق ہو اور اس کی قدردانی کرے اور اس کے غضب کے متوجہ ہونے کی صورت میں اس کو نا قدردان خیال کرے اس لئے کہ انسان کی امین کو اپنی قدر نہیں کہ وہ اس کے

---

[1] اور جو بھلائی تجھکو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھکو پہنچے پس وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

[2] اور جو مصیبت تم کو پہنچے پس تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور بہت کچھ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔

باعث اللہ تعالیٰ کو اپنی نسبت قدردان یا ناقدردان خیال کرو۔

پانچواں افادہ ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر عام لطف اور مہربانی پسندیدہ اخلاق میں سے ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ یعنی رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے اور رحمت کا یہ معنی نہیں کہ ہر ایک کو راضی رکھے بلکہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ جو چیز فی الواقع ان کے حق میں بہتر ہے ان کے واسطے اس کا حاصل کرنا دل سے چاہیے اور اس میں کوشش کرے اگرچہ وہ اپنی ناقص رائے میں اسے نقصان ہی سمجھیں اور تمام لوگوں کے حق میں ظاہری کوشش تو ہو نہیں سکتی۔ لیکن عام لوگوں کے حق میں خواہ کافر ہوں خواہ مسلمان ہدایت کی دعا کرے کیونکہ رحمت کا دروازہ کھلتا ہے اور بمقتضائے اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ خلق کو اللہ تعالیٰ کا عیال جان کر ان پر رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث جانے اور تمام مخلوقات میں سے امت محمدی کو خلق اور تعظیم اور رحم سے مخصوص کرے اور ان کو اور اپنے آپ کو ایک آقا کا غلام سمجھے اور بشاشت خلق کے ساتھ ہر ایک سے پیش آئے اور اگر مقدور ہو تو ہر طرح کی خدمت بجا لائے اور جس طرح کی مالی غمخواری کر سکے کرے اور خوراک اور پوشاک میں دریغ نہ کرے اور چیزوں کے دینے کا کچھ مضائقہ نہ رکھے خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اور اخلاق میں تمام لوگوں کی مساوات نہ کرے بلکہ فضیلت والوں کے درجوں کو نگاہ رکھنا ضروری ہے جو شخص کہ دینی اوصاف میں سے کوئی وصف رکھتا ہو اسی کے موافق تعظیم و تکریم وغیرہ امور میں اس کو ترجیح دے اور اخلاق کی تفصیل مرتبوں کی تفاوت کتب حدیث سے معلوم کرے اور دنیا داروں میں سے جو شخص اپنے ہم جنسوں پر تکبر کرے اور اپنی جاہ و دولت سے مغرور ہو اس کے ساتھ ظاہری اخلاق نہ چاہئیں۔ بلکہ اس سے بے پروا رہے اور اس کی طرف توجہ نہ کرے لیکن جس طرح پہلے گزر چکا ہے اس کے واسطے غائبانہ دعا کرنے سے قصور نہ کرے خواہ وہ نیک ہو یا بدکار۔

فائدہ جب انسان اچھی عادتوں کے ساتھ مزین ہو جائے اور بری عادتیں اس سے دور ہو جائیں اور روزہ اور نماز باقی عبادات سے آراستہ ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی محض عنایت اور توفیق جانے اور اپنی کوشش اور علمی اور عملی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے اس واسطے کہ

بالکل ظاہر ہے کہ اس کے ہم جنس اور اسی جیسی عقل اور سمجھ والے ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ وہ فضائل اور رذائل کو جانتے بھی نہیں اور بہت سارے باخبر بھی ایسے ہیں کہ ان کی ماہیتوں کو پوری تمیز اور ان کے اسباب اور علامتوں اور نفعوں اور نقصان کو جاننے کے باوجود بھی بد عادتوں سے خالی نہیں ہوسکتے اور عمدہ خصائل سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ پس ہر صبح اور شام کو بلکہ ہر وقت اور ہر گھڑی مضمون اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ۔ کا اقرار اور اعتراف کرتا رہے اور اپنے آپ کو محض عاجز اور ناچیز سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے کبھی بے خوف نہ رہے اور نہ رجا کی جانب کو غالب رکھے۔

دوسری ہدایت ۔ بدعادتوں کے مفصل معالجہ کے بیان میں اور اس میں ایک تمہید اور گیارہ افادے ہیں۔ **تمہید** ۔ بدعادتوں میں سے یہ دس عادتیں نہایت ہی خبیث ہیں۔ پس طالب حق کو چاہئے کہ تمام بدعادتوں سے ان کے دور کرنے کی اس حد تک تخصیص کرے کہ یہ کبھی بھی اس کے دل میں نقشے نہ پائیں اور ان کی طرف اس کا دل مائل نہ ہو۔ اور ان میں سے ہر ایک خصلت کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر اور بغض کا موجب اور اس کے قبول اور رضا کی بارگاہ سے نہایت دوری کا باعث جان کر تہ دل سے اس کا دشمن بن جائے اور اس کو اپنے محبوب کے وصال سے بھاری مانع سمجھے اور اوامر اور نواہی کے اہتمام میں اس قدر تعمیم کرے کہ مسلمانوں کے راستے سے کانٹا دور کرتے جیسا ادنیٰ حکم اور مسجد میں تھوک ڈالنے جیسا ادنیٰ ممنوعہ اس کے اہتمام کے لحاظ اور اعتبار کی نظر سے رہ نہ جائے اور ایسے امور کے صادر ہونے سے بے پرواہی نہ کرے اس لئے کہ کمال محبت تو یہی ہے جو کہ قبولیت کا سبب بنتا ہے اور اس درگاہ میں مشکل کام کے بہ نسبت سہل کام زیادہ مقبول ہوتا ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ مسلمانوں کی راہ سے خار دار شاخ دور کرنے کی وجہ سے ایک شخص بہشتی ہو گیا۔ اور اگر کسی وقت اوامر یا نواہی کے اہتمام میں کچھ سستی یا غفلت ہو جائے تو نفس کو اس سستی کے بدلے مناسب سزا دے اس واسطے کہ ہر نفس اپنا آرام چاہتا ہے اور جب کہ احکام اور نواہی کی مخالفت میں تکلیف اور ذلت پائے گا اور عبادات پر ہمیشگی کرنے اور اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز کرنے کے بغیر یقیناً خلاصی کو محال جانے گا تو خود بخود امور شرعیہ کا انحراف اس میں پیدا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ہر نفس کو تکلیف اور ذلت سے بچنا منظور ہے اور جب

حکم الٰہی کی بجا آوری میں وہ اپنا بچاؤ سمجھیگا تو مخالف راہ اختیار نہ کریگا۔ اور دوسرا کا نمونہ یہ ہے کہ نماز سے سستی کرنے کے مقابلہ میں جو کہ بہت کھانے اور پینے سے پیدا ہوتی ہے" روزہ رکھے اور اگر دوست یاروں کی ہم نشینی اور دلپذیر باتوں سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو گوشہ نشینی اختیار کرے ان کی صحبت چھوڑ دے اور اس قسم کی باتوں سے خاموشی لازم جانے اور وہ دس بد عادتیں اس رباعی میں بیان کی گئی ہیں۔ رباعی

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ — دہ چیز بروں کن از درون سینہ
حرص و طمع و بخل و حرام و غیبت — کذب و حسد و کبر و ریا و کینہ

حرص اور طمع میں یہ فرق ہے کہ حرص کو موجود چیزوں میں ہوتی ہے اور غائب خیالی چیزوں کی خواہش طمع ہے خواہ وہ چیزیں بعید الوقوع ہی ہوں۔

پہلا افادہ۔ کافی قدر کے حاصل ہوتے زیادتی کی طلب اور خواہش حرص ہے پس اگر اس زیادتی کی مقدار جو نفس کو مطلوب ہے موجود چیز کی مقدار سے کم ہو تو مطلوب نفس کے انداز سے پر موجود سے خیرات کر دینا اور باقی پر قناعت کرنا اس کا علاج ہے مثلاً ایک سیر موجود ہے اور نفس حرص کی وجہ سے آدھ سیر کی زیادتی چاہتا ہے تو آدمی کو چاہیے کہ اس ایک سیر سے آدھ سیر خیرات کر دے اور باقی آدھ سیر پر قناعت کرے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور نفس کو کہدے کہ اگر تو موجود چیز پر قناعت نہ کریگا تو اسی طرح میں تیری مخالفت کروں گا اور لباس اور مکان اور ان کے سوا اور جن چیزوں میں نفس کی حرص معلوم کرے ایسا ہی عمل درآمد کرے اور اگر نفس کی خواہش موجود چیز کے برابر یا اس سے کئی گنا ہو تو بھی موجود کا نصف خیرات کر دے اور مذکور کلام سے نفس کو تنبیہ کرے اور اگر پھر حرص باقی رہے اور نفس موجود مقدار پر قناعت نہ کرے تو پھر اس کا نصف صدقہ کر دے اور اسی کلام سے نفس کو خطاب کرے پھر بھی اگر وہ بد عادات اس کے نفس سے بالکل زائل نہ ہوئی تو پھر قدر موجود میں سے نصف دیدے اور نفس کو وہی بات کہے۔ القصہ یا تو نفس قدر موجود پر قناعت کرے گا اور وہ بد عادات اس سے جاتی رہیگی یا وہ مرغوب چیز بالکل اس کے ہاتھوں سے جاتی رہیگی اس طرح کرنے سے حرص کی جڑ اس کے دل سے اکھڑ جائیگی۔

دوسرا افادہ۔ طمع کا یہ علاج ہے کہ جب کسی چیز کی طمع اس کے دل میں آئے تو اس قسم کی جو چیز

فائدہ میں اس جیسی چیز کے پاس موجود ہو۔ اسی کو لندر خرچ کر دے مثلاً اگر عمدہ پوشاکوں کا طمع اس کے دل میں آجائے تو زینت کے موجود لباس کو خیرات کر دے۔ اور اگر عام چیزوں کی طمع اس کے دل میں کھٹکے تو آہستہ آہستہ تمام موجودہ اشیاء کو خرچ کر دے اس بد عادات کی تدبیر اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا نفس اس سے پاک ہو جائے یا ساری مرغوب چیز اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں۔ لیکن مال کو اس طرح نہ خرچ کرے کہ اس سے کسی ناجائز کام کا ارتکاب لازم آئے مثلاً جس لباس سے ستر عورت کرتا ہے یا اس کے ساتھ گرمی یا سردی سے بچتا ہے نہ دے یا اپنی گذران کا سارا سرمایہ برباد کر کے اس قدر محتاج ہو جائے کہ بھیک مانگنے لگے۔ اس طرح کا خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں اس لیے کہ اس طرح سے طمع کا علاج کرنے میں صریح ناجائز کام لازم آتا ہے اور ناجائز سے بچنا لازم ہے پس اس طرح ہرگز خرچ نہ کرے مگر اس قوی ہمت کو اپنا تمام سرمایہ صرف کرنا جائز ہے جو اپنی معاش کا تمام سامان خرچ کر دینے کے باوجود بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہو گا اور شریعت کے حکم پر مضبوط رہے گا۔

تیسرا افادہ۔ صفت ذمیمہ بخل جو دل کے ساتھ چسپاں ہو اگرچہ بظاہر اس کے آثار میں سے کوئی اثر آشکارا نہ ہو اس کا یہ علاج ہے کہ ہر حال میں اپنے آپ چشم پوشی کے اعلیٰ مراتب کے اثر کو رکھے اور ہمیشہ سخی لوگوں کے طریقہ پر چلنا اختیار کرے تاکہ کبھی بھی اس کا وسوسہ اس کے دل میں نہ آئے۔ فائدہ طمع اور بخل کے علاج میں یہ فرق ہے کہ طمع کے رفع کرنے کے واسطے تو اپنی ضروری حاجات کے سوا جو کچھ اس کے پاس موجود ہو دیدے اور بخل کے دور کرنے کیلئے جس چیز پر خیال گذرے دیدینی چاہیئے اگر کوئی بخیل اپنا تمام اسباب خرچ کر کے بے سامان فقیر بن جائے۔ تو بھی بخل کی بد عادت اس سے دور نہ ہو گی بلکہ اس بد عادت کے دور کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ جب کپڑے کا دینا اس پر گراں گذرے تو کپڑا دیدے اور اگر طعام کا دینا دشوار معلوم ہو اور نفس اس کے دینے سے سرکشی کرے تو وہی کھانا فقیر کے حوالے کر دے اور اپنی تمام مملوکہ چیزوں میں اسی طرح کا تصرف کرے یہاں تک کہ اس کی مملوکہ چیزیں ختم ہونے کو پہنچیں اس وقت مال کے خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لے اور حلال طریق سے اور مال حاصل کرے پھر اس مال میں اس طرح کا تصرف کرے اور اس بد عادت کی تدبیر اسی طرح کرتا رہے

یہاں تک کہ نفس اس سے پاک ہو جائے اور جب رات دن نفس کے ساتھ اس طرح کا مقابلہ کرتا رہا اللہ تعالیٰ کے تفضل سے امید ہے کہ یہ بدخصلت اس سے دور ہو جائے گی۔

چوتھا افادہ۔ حرام کا یہ علاج ہے کہ جب نفس حرام کی خواہش کرے تو اس حرام کی جنس کا جو حلال ہو اس کو بھی ترک کر دے خواہش نفسانی سے اس کا تناول نہ کرے بلکہ جان بچانے یا شرعی عبادت اور احکام کے بجالانے یا حقداروں کے حق ادا کرنے کے واسطے استعمال کرے مثلاً نفس کہے کہ غیر کا مال چھین کر یا چرا کر کھانا چاہیئے تب حلال طعام بھی خواہش کے وقت اسے نہ دے اور جب نفس چاہے کہ اس وقت کھانا کھا کر آرام کرنا چاہیئے اس وقت کھانا نہ کھائے بلکہ جب وقت کے بدل جانے سے کھانے کی خواہش اور بھوک جاتی رہے تو اس نیت سے کہ ضعف بدنی جہاد جیسی عبادات شاقہ یا نماز جیسی عبادات غیر شاقہ میں مانع گیا ثابت ہو گا بقدر حاجت کھائے اور طعام کی جنس میں بھی اسی طرح کرے۔ مثلاً نفس چاہے کہ فلاں کھانا کھانا چاہیئے تو ضرورت ٹالنے کیلئے دوسری قسم کا کھانا کھائے اور دوسری قسم کی حرام خواہشوں کو بھی اسی پر قیاس کر لے مثلاً اگر نفس زنا کی خواہش کرے تو حلال جماع سے بھی نفس کے ارادے کے مطابق پرہیز کرے اور وقت اور حالت کو ٹال کر بی بی کا حق ادا کرنے کے واسطے دوسرے وقت میں جماع کرے۔

فائدہ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیگانی عورت کے دیکھنے اور اس کی طرف اپنے دل کے میلان کے وقت اپنی حلال عورت کے ساتھ حاجت کو دور کرے جیسے مشکوٰۃ شریف میں ہے اِنَّ الْمَرْاَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ وَّتُدْبِرُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدُکُمْ اَعْجَبَتْهُ الْمَرْاَۃُ وَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِهٖ فَلْیَعْمِدْ اِلٰی اِمْرَاَتِهٖ فَلْیُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذٰلِکَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِهٖ۔ یعنی بیشک عورت شیطان کی شکل میں سامنے ہوتی ہے اور اسی کی شکل میں پیٹھ پھیرتی ہے جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت پسند آجائے اور (اس کی محبت) اس کے دل میں بیٹھ جائے تو اسے چاہیئے کہ اپنی عورت کا ارادہ کرے اور اس سے صحبت کرے بیشک یہ کام اس کے دل کی بات کو دور کر دیگا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا پس آنجناب کو وہ عورت اچھی معلوم ہوئی

پس آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے وہ خوشبو تیار کر رہی تھیں اور ان کے پاس اور بھی چند عورتیں بیٹھی تھیں۔ پس وہ مکان کو خالی کرنے کے واسطے وہاں سے چلی گئیں تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حاجت پوری کی۔ اور فرمایا مَنْ اَعْجَبَتْهُ فَلْيَعْمِدْ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِيْ مَعَهَا یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور وہ اُسے خوش لگے تو اُسے چاہیے کہ اپنے اہل کی طرف اٹھ کر چلا جائے کیونکہ اس کی بی بی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس کے پاس ہے یعنی حاجت روائی میں دونوں برابر ہیں یہ سنت قولی اور فعلی بیان مذکور کے مخالف نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث شریف میں پاک پرہیزگار کے حال کا بیان ہے اور بیان مذکور اس بدکار حرام کے گرفتار کا معالجہ ہے کہ اس کا نفس ارتکاب حرام سے ہرگز باز نہیں آتا۔ پس اس کا علاج خواہش نفس کی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں اللہ عزوجل نے فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ یعنی ولیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا اور اس مقام کی پوری ماہیت یہ ہے کہ جماع کی خواہش دو طرح پر ہے ایک تو یہ ہے کہ نفس اس کی لذت میں مستغرق ہو جائے اور دل کا حرام کی طرف مائل ہو جانا اور حرام سے باز نہ آنا اور خاص کر اس وقت کہ نفسانی اور شیطانی لذت حلال میں کم ہو اور حرام میں زیادہ ہو حلال سے انحراف کرنا اس کے آثار میں سے ہے مثلاً ایک شخص کی منکوحہ نہایت خوبصورت خوش وضع اور خوش لباس ہے اور ایک دوسری عورت ایسی تو نہیں لیکن عین جماع کی حالت میں شہوت انگیز ادائیں اور صدائیں پوری بے حیائی سے کرتی ہے وہ نفس و شیطان کے دام کا گرفتار اس دوسری عورت کی طرف زیادہ مائل ہوگا۔ اور اس کی وجہ لذت جماع میں گرفتار ہو جانے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ناتوانی اور مادہ منی کی قلت کے باوجود شہوت انگیزی میں تکلف اسی کے آثار میں سے ہے اس کے حال کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بیان فرماتے۔ بیت

بہ بے رغبتی شہوت انگیختن
بہ رغبت بود خون خود ریختن

جماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ منی سے مکان منی کے سخت بھر جانے کی وجہ سے انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہو جائے اس میلان میں کسی عورت یا طریق جماع کی کسی خصوصیت کو کچھ

دخل نہیں اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح بول کے ساتھ مثانہ بھر جانے کے وقت انسان کی طبیعت میں قلق اور بے آرامی پیدا ہوتی ہے اور اسی بے آرامی کی وجہ سے چار و ناچار دفع حاجت کے لئے کوئی مکان تلاش کرتا ہے اور جب کوئی مناسب مکان مل جائے اور اس میں بول کرنے سے کوئی شرعی یا عقلی مانع نہ ہو تو اس شخص کی طبیعت اس مکان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور جب تک اس کو حاجت سے فراغت حاصل نہ ہو اس کا خیال اسی مکان کی طرف لگا رہتا ہے اور اگر کوئی مانع ہو مثلاً ایسا مکان ہو کہ اس کا مالک اس جگہ بول کرنے سے ناخوش ہو یا اسی جیسا کوئی اور مانع ہو تو اس کا دل اس مکان کی طرف متعلق نہ ہوگا لیکن وہ بے آرامی کہ کثرت بول کے سبب لگی ہوئی ہے سخت ہو جائیگی پس اس مکان کی خصوصیت یا غصب یا بیع یا ہبہ جیسے وجوہ تمییز کی طرف اس کی طبیعت کو مطلق توجہ نہ ہوگی۔ اسی طرح جب کہ منی کا ظرف بھر جائے طبیعت میں سخت شہوت ظاہر ہو جاتی ہے پس جس وقت اپنی قضائے حاجت کے مناسب کسی عورت کو دیکھتا ہے اس کی شہوت کا جوش بڑھ جاتا ہے اور جب تک اس کی حاجت پوری نہ ہو اس کا خیال اپنی حاجت سے لگا رہتا ہے پس اس میلان میں اس عورت کی خصوصیت کو کچھ دخل نہیں ہوتا بلکہ اس عورت اور حرام کاری سے برکنار رہتا ہے لیکن جماع کا وہ اشتیاق جو اس عورت کے دیکھنے سے اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کے دل میں رہتا ہے یہاں تک کہ حلال سے اپنی حاجت کو پورا کرے پس حدیث شریف کا مورد یہی دوسری قسم ہے چنانچہ فَاِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِي مَعَهَا کا فقرہ اس سے خبر دے رہا ہے اس لئے کہ اس جگہ محض حاجت روائی میں مماثلت مقصود ہے صورت اور سیرت میں مماثلت مراد نہیں اس جگہ سے معلوم ہوا کہ جناب امام المعصومین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دل میں اجنبی عورت کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی بلکہ محض حاجت کے پورا کرنے کا وہ تقاضا جو دل میں چھپا ہوا تھا ظاہر ہو گیا اور پہلی قسم سے نفس کی مخالفت ہو کہ نفس کو اس کی خواہش سے روکنے میں داخل ہے ایک ایسا امر ہے جو اہل شرع اور اہل عقل دونوں کے ہاں مسلم ہے شعر

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى　　حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

یعنی نفس بچے کی مانند ہے اگر تو اس کو چھوڑ دے تو وہ دودھ پینے کی محبت پر وہ جوان ہو جائے گا

اور اگر اس کا دودھ چھوڑا دے تو دودھ چھوڑ بھی دیتا ہے۔ خلاصہ کلام اس فن کی اصلاح کے بموجب یہ حدیث شریف حقوق نفس کے ادا کرنے کے بیان میں ہے اور مذکورہ معالجہ اس کو اپنی لذتوں کی پیروی کرنے سے پاک کرنے کے بیان میں ہے۔

پانچواں افادہ۔ غیبت کا علاج یہ ہے کہ اگر صرف اس کا خیال ہی دل میں گذرے تو چاہیئے کہ ماسوی اللہ سے منقطع ہو کر نہایت زاری کے ساتھ اس شخص کی بہتری کی دعا کرے جس کی غیبت کا خیال دل میں گذرا ہے اور بہتری بھی وہ ہونی چاہیئے جو اپنے نفس کے واسطے چاہتا ہو اور دعا بھی ایسی کیفیت سے ہونی چاہیئے کہ اپنی اشد ضرورت کے موقع پر کیا کرتا ہے اور اگر اس کام میں نفس سستی کرے تو نفس کے در پے ہو کر خواہ مخواہ یہ دعا کرے اور نفس کو اس دعا میں ہرگز سستی نہ کرنے دے بلکہ دو یا تین روز تک اس کے در پے رہے۔ اور غیبت ہو جائے تو دعا کے علاوہ اس شخص سے اپنا قصور معاف کرا لے اور تنہائی میں اس کو کہے کہ میں نے تیری غیبت کی ہے ظاہر کرنے کا تو یہ فائدہ ہے کہ نفس اپنے عیبوں کے ظاہر کرنے سے بھاگتا ہے اور اپنے عیب کا ہرگز اقرار نہیں کرتا اور عیب کے ظاہر کرنے میں نفس کو سخت شکستگی پہنچتی ہے اور تنہائی کا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کا شائع کرنا منع ہے اور ناجائز کام کا کرنا برا اور اس کا افشا اور بھی برا ہے اور شخص کو بھی اس کے اظہار سے منع کرے۔

چھٹا افادہ۔ جھوٹ اگر محض زبانی لذت کے واسطے ہو اور اس میں کسی کا نفع نقصان نہ ہو تو اس کا علاج خاموشی ہے اور مجلسوں میں بھی گفتگو سے پرہیز کرے تاکہ کلام کی لذت اس کے دل سے جاتی رہے اور مجلسوں میں بیٹھنے سے پرہیز نہ کرے بلکہ مجلسوں میں بیٹھ کر خاموش رہے کیونکہ یہ بات نفس پر نہایت شاق گذرتی اور اگر دو شخصوں کے درمیان بگاڑ اور فتنہ انگیزی کیلئے جھوٹ بولا ہے تو اس کا علاج غیبت کے علاج کی مانند ہے دونوں کو اکٹھا کرے تنہائی میں ان کو مطلع کرے کہ میرے نفس نے مجھکو تمہارے درمیان فساد ڈالنے پر اغوا کیا تھا میں تم سے اس قصور کی معافی چاہتا ہوں اور ان کو اپنے آپ سے راضی اور خوش کرے اور ہمیشہ ان کی بہتری میں کوشش کرے اور جو امر کہ ان کے زیادہ اتحاد کا

باعث ہو اس میں نہایت سعی بجا لائے۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو اکٹھا کرے۔ اور بطور سابق اعتبار سے پرہیز کرے اور غیبت اور کذب میں اہل حق سے معافی طلب کرنے سے پہلے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ نصوح کرے۔ کیونکہ اس کا حق تمام اہل حقوق کے حقوں سے اعلیٰ اور اصل ہے۔

ساتواں افادہ حسد اگر صرف دل میں ہو تو اس کا علاج تو محسود کے کمالات اور عزت اور مرتبے کی زیادتی کیلئے جس میں حسد کیا ہے دعا کرنا ہے اور جیسا غیبت کے بیان میں مذکور ہوا ہے۔ نہایت زاری کے ساتھ دعا کرے اور ظاہر میں بھی حتی المقدور اپنے ہاتھ اور زبان کے ساتھ محسود کی ترقی میں کوشش کرے تاکہ حسد کا وسوسہ نفس کے مقابلہ اور مخالفت کے باعث اس کے دل سے جاتا رہے اور پھر کبھی نہ آسکے اور اس محسود مسلمان کو فائدہ حاصل ہو اور اگر حسد کے آثار میں سے کوئی اثر ظاہر ہو گیا مثلاً جو کمال حسد کا باعث ہوا ہے اس میں محسود کی نالائقی کی نسبت کوئی کلمہ اس کی زبان سے نکل گیا ہو تو محسود کو اس پر مطلع کر دے اور جس کے سامنے اس کی نالائقی کی بابت کہا ہو اس کو بھی اپنی غلطی کی خبر دیکر اپنے قصور کا اقرار کرے اور جس قدر اس کی لیاقت معلوم ہو نہایت خوبی اور عمدہ تقریر کے ساتھ بیان کر دے مثلاً آقا کے حضور میں کسی شخص کی نسبت حسد سے کہا ہو کہ وہ لیاقت اور انتخاب کے لائق نہیں تو اس شخص کو بھی اطلاع دیکر اپنے قصور کا اقرار کرے اور اس سے معافی مانگے اور آقا کو بھی اپنی غلطی پر آگاہ کرکے نالائقی کے بجائے اس کی لیاقت اس کے ذہن نشین کر دے جتلانے کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ شخص اپنے کام کے خلل سے آگاہ ہو کر اس کا تدارک کریگا اور اگر واقعی لیاقت والا ہے تو اپنی لیاقت کو ظاہر کریگا۔ ورنہ اظہار لیاقت کے بغیر ہی کوشش کریگا۔

آٹھواں افادہ اگر کسی شخص کی نسبت تکبر ظاہر ہو گیا تو حد سے زیادہ اس کے سامنے ذلت اختیار کرے اگرچہ اس قدر تذلل اور تعظیم کیوجہ سے لوگوں کی مجلسوں میں اس کی حرکات کے تذکرے ہوں۔ اور اپنے ہم جنسوں میں اس پر ہنسی اڑے اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اور اپنے آپ کو اس کے طالبوں کی سلک میں داخل کرنا چاہتا ہے تو کسی بات کی پرواہ نہ کریگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باعزت لوگ جب اپنے آپ کو آزادوں کے زمرے میں داخل کرتے ہیں ان کا لباس

اور ان کی روش کے قبول کرنے میں جو بالکل عقل کے برخلاف ہے ہرگز کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس کو اپنی عزت اور فخر جانتے ہیں۔ معرّز امیر زادہ ہوتا ہے وہ ہیجڑوں کی محبت کا شکار ہو کر وہ سب باتیں جنکو کوئی سلیم الطبع آدمی گوارہ نہیں کرتا جان و دل سے قبول کر کے انہیں اوضاع و اطوار کے ساتھ بازاروں اور گلی کوچوں میں لوگوں کے سامنے پھرا کرتا ہے اگر سچا خدا کا طالب ہے تو ان امور سے ہرگز انکار نہیں کریگا جو کہ عقل اور شریعت کے بالکل موافق ہیں گو مرضیات الٰہی سے بے خبر لوگوں کی ناقص عقلوں کے خلاف ہیں اور تذلل سے بھی یہ بناوٹی تذلل یعنی سر جھکا لینا اور پاؤں چوم لینا مطلوب نہیں بلکہ ہر مقام اور ہر جگہ میں اس کی حقیقت جدا اور علیحدہ ہے مثلاً جو شخص کہ مشائخ کے لباس میں ہو اور مشائخ میں سے کسی شخص کی بہ نسبت تکبر کیا ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ لوگوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ اس شخص نے اس شخص سے طریقت کا فائدہ حاصل کیا ہے اور اپنے نقصان کو اس کی صحبت میں پورا کیا ہے۔

نواں افادہ۔ مثال کے طور پر ریا کا علاج یہ ہے کہ جو ریا نماز میں عارض ہو جائے اس کے خیال کو اپنے مقدور کے موافق دور کرے اور اگر کوشش کے باوجود بھی دفع نہ ہوئی تو ریا کے لمحوں کو گن کر یاد رکھے اور تنہائی کے وقت میں مثلاً رات کے وقت جبکہ بالکل اکیلا ہو اور کسی آدمی کے آگاہ ہونے کا امکان نہ ہو پس اگر یہ معاملہ دو رکعت والی نماز میں ہوا ہو تو دو دو رکعتیں اور اگر چار رکعت والی نماز میں ہوا ہو تو چار رکعتیں لمحات ریا کی گنتی کے موافق نہایت ہی خضوع اور خلوص کے ساتھ ادا کرے اور اگر اس وقت بھی خلل ہو تو جس نماز میں خلل واقع ہوا ہو اس کو گنتی سے ساقط کر دے اور دوسری دفعہ پڑھے یہاں تک کہ لمحات مذکورہ کے برابر ریا سے پاک اور خالص نماز پوری ہو جائے اور اس کے پورا کر لینے تک نفس کو ہرگز نہ چھوڑے اور اسی طرح اگر اللہ دینے میں ریا پیش آئے تو اپنے نفس کو جھڑک کر محبوب مال کا دس گنا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیگا اور باز نہ آئے تو ایسا ہی کرے بلکہ نفس کی کمال سرکشی کی صورت میں اس کو کہے کہ جس قدر تو چاہتا ہے سیر ہو کر اپنا کام کر انشاء اللہ تعالیٰ تو اس کی پوری سزا پائیگا پھر اسی سرکشی کے موافق اس کو سزا دے اور فرضوں کے ادا کرنے میں ریا نہیں سنتیں اور نفل ریا کا مقام ہیں۔ لیکن اسی خیال سے کہ ریا پیش آگئی ہے یا آجائیگی سنتوں یا نفلوں کے چھوڑ نہ دے۔ بلکہ پڑھے۔ اور جس طرح ریا کا علاج

مذکور ہوا ہے اس کی تعمیل کرے۔

دسواں افادہ۔ اگر کینہ دل سے تجاوز نہ کر چکا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ اس طرح سے اخلاص کا طریقہ اختیار کرے کہ اس کے دل میں بھی اخلاص پیدا ہو جائے۔ اور دل سے موافقت کے سوا ظاہری اخلاص کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور اگر کینے کی وجہ سے کوئی بات یا حرکت ظاہر ہو گئی تو جیسے مفصل بیان ہو چکا ہے معافی مانگنا اور اپنے قصور کا اقرار کرنا اور اخلاص اور دوستی میں کوشش کرنا ہی اس کا علاج ہے۔

گیارہواں افادہ۔ جب آدمی یادداشت کے طور پر ہمیشہ ان امور مذکورہ کا ملاحظہ کرتا رہیگا تو بھی امید ہے کہ اس کو صفائی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن دل میں صرف تصفیہ اور تخلیہ کے گمان پیدا ہو جانے سے ہی اس پر بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ اس کا امتحان کرے اور امتحان کے طریقہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس سے اپنا امتحان کرے مثلاً خانقاہ پر بیٹھنے والے کسی فقیر نے کسی بادشاہ یا امیر کو نہایت دبدبے اور دھوم دھام میں دیکھکر اپنے دل میں کچھ رشک اور حسد معلوم نہ کیا تو یہ نہ سمجھ لے کہ میں حسد سے پاک ہوں بلکہ اس بدعادت سے اس کی پاکیزگی۔ اس وقت ظاہر ہو گی کہ اس کا کوئی پیر بھائی اور ہم خانقاہ اور ہم نسبت اور ہم پیشہ ان ہی اشغال اور اعمال میں مشغول ہو کر تھوڑی مدت میں بہت سارے فائدے حاصل کرلے اور اس کا وہ پیر اسی کام میں کہ اس نے اس کے واسطے مدت دراز تک بہت ساری محنتیں اٹھائی تھیں بہت جلدی سے محنت کے سوا ہی مشار الیہ اور ممتاز ہو گیا۔ اور اس کے سامنے اس کا مقدم ہونا اور آگے بڑھ جانا واضح ہو گیا۔ اور اس کام کے داناؤں اور خانقاہ نشینوں اور ان کے مرشد کی زبان سے جو اس خانقاہ کا رئیس ہے اس کام میں اس کی چالاکی مشہور و معروف ہو گئی اور وہ اس کی وجہ سے بڑے بڑے مشائخ کے سامنے معظم و محترم ہو گیا۔ پس مذکورہ اتحادات کے لحاظ سے اس شخص کو بہت خوشی حاصل ہو اور کسی وجہ کی کوئی سوزش اور قلق اس کے دل میں نہ آئے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ البتہ اس کا اندر حسد کی بدعادات سے پاک ہو گیا ہے اسی طرح عالم اور سپاہی اور شریف اور پیشہ ور کا حال علیحدہ علیحدہ ہے

تیسری فصل۔ عبادت میں خلل انداز چیزوں کے بیان میں اور اس میں دو ہدایتیں ہیں۔

پہلی ہدایت عبادت میں خلل انداز چیزوں کے اجمالی بیان میں اور اس میں دو افادے ہیں

پہلا افادہ ۔ نام خدا کی محبت اور اس کی تعظیم کا نہ ہونا عبادت کے بڑے خللوں میں سے ہے اگرچہ ہر شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام محبت اور اس کی تعظیم ہوا کرتی ہے مگر جس قدر کمال کا موجب ہو اور جس طرح بزرگان دین کو ہوا کرتی تھی نہیں ہوتی اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کیلئے کچھ غائتیں اور غرضیں ہوتی ہیں کہ انہی اغراض اور غایات کے موافق محبت اور تعظیم بدلتی رہتی ہے مثلاً ایک شخص بہت ساری قیدوں اور شرطوں اور پورے اہتمام کے ساتھ اس غرض سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے کہ اس کے نام پاک کی برکت سے چند روپیہ کی نوکری ہاتھ آجائے یا کسی سردار یا امیر کے سامنے معزز ہو جاؤں جس قدر وہ غرض زیادہ ہوتی ہے تعظیم اور محبت زیادہ ہوتی ہے دنیا کی اغراض میں سب سے اعلیٰ سلطنت اور بادشاہی ہے اگرچہ اس عمدہ غرض کے واسطے جو شخص اللہ عزوجل کا نام یاد کریگا اس نام پاک کی تعظیم اور محبت اس کے دل میں احاطہ بیان سے باہر ہوگی لیکن رب العباد کے اس فرمان لازم الاتقیا دقُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ[1] اور حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان ہدایت نشان لَوْ كَانَتِ تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى مِنْهَا كَافِرًا شَرْبَةَ مَاءٍ[2] کے بموجب یہ دنیا فانی اور تھوڑی اور ذلیل چیز ہے جس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کو اس کے حاصل ہونیکا واسطہ بنایا اس نے اس بلند نام کا مرتبہ اور اس کی قدر نہ جانی اور اکثر اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دنیا کی یہی حقیقت دینداری کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور اپنے آپ کو اسی لباس سے آراستہ کر کے جلوہ دیتی ہے مثلاً کوئی شخص اس نیت سے اذکار الہی پر ہمیشگی کرے کہ میں ایسا کمال حاصل کر دوں کہ اس کے وسیلے سے بادشاہ اور امیر اور عزت والے لوگ میرے سامنے سر جھکائیں اور میرے پاس التجا کرے اور میرا نام ونشان اور میرے کمالات کا آوازہ زمانہ دراز تک باقی رہے اور دور دراز کے ملکوں میں میرا ولایت کا آوازہ مشہور ہو جائے درا صل اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ[3] اور اس کا حال ظاہر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ قاری اور سخی اور شہید کو قیامت

---

[1] یعنی اے پیغمبر کہہ دو کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے [2] اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ عزوجل اس سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا [3] یعنی یہ سب کچھ دنیاوی زندگی ہی کا سامان ہے اور بہتر ہے پروردگار کے ہاں آخرت (کی بہتری) پرہیزگاروں کے لئے خاص ہے۔

کے دن لائیں گے ان اشخاص مذکورین میں سے ہر ایک محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی کوشش بیان کریگا اور ظاہر اور باطن کھلا سننے والا جو کہ دلوں کے بھید سے واقف ہے ہر ایک کو ان کی اس نیت پر کہ اپنی مشہور ہونا اور کرو ان کا ہی چاہتے تھے مطلع فرما کر دوزخ میں داخل کرنے کا حکم دے گا۔ اس بیان سے یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ رزق کی طلب یا امور دنیاوی کیلئے اذکار الٰہی حرام اور شرع ہیں یہ بات تو صریح نصوص قاطعہ کے برخلاف ہے بلکہ اس موقع پر تو اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم کے درجوں کا فرق بیان کرنا مقصود ہے کہ ذکر کرنے والے ان میں مختلف ہوا کرتے ہیں اور ان تینوں فرقوں کا جہنم میں داخل ہونا جو حدیث شریف میں مذکور ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن فعلوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بھی طلب کر سکتے ہیں اور دنیا بھی حاصل کر سکتے ہیں انکو دو وجہ سے ادا کیا جاتا ہے کہ وہ عمل بجا لاکر یہ ظاہر کیا جائے کہ محض اللہ عزوجل کیلئے کئے گئے ہیں حالانکہ اپنے دل میں غیر خدا کی رضا کے حاصل کرنے کی نیت ہوتی ہے پس بیشک اس کا فاعل تو بارگاہ الٰہی سے دھتکارا ہوا اور دوزخ میں داخل ہونے کے قابل ہے اور ایسے ہی اشخاص کا حال کا بیان حدیث مذکور میں واقع ہوا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ افعال مذکورہ بجالاکر اپنی دلی نیت کے موافق غیر خدا کی رضا مندی کا طلب کرنا ظاہر کرے پس یہ شخص اگرچہ بارگاہ الٰہی میں حقیر ہوگا مگر اس قدر نہیں کہ اس کے دوزخ میں داخل کرنے کا حکم صادر ہو۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ بہی دنیاوی کام دھندے ہیں جو صحیح نیتوں کی وجہ سے اچھی خاصی عبادت بن جاتے ہیں۔ مثلاً نیند کہ سراسر غفلت اور حجاب ہی معلوم ہوتی ہے صحیح ارادے اور درست نیت کے باعث ریا کاروں کی عبادت سے بہتر ہو جاتی ہے عبادت میں اخلاص کرنے والے کیلئے جب بیخوابی حواس کے تھک جانے کا باعث ہو جاتی ہے اور مناجات کی لذت اور عبادات کی کیفیتوں میں خلل انداز ہو جاتی ہے تو وہ بے ریا مخلص اس لذت اور ان کیفیتوں کا مشتاق ہو کر ان کے دوبارہ حاصل ہونے کو خواب میں ہی منحصر جان کر اسی ارادہ اور نیت سے سو جاتا ہے (اور اس کا یہ سونا) صدہا ریا کاروں اور غافلوں کے نماز پڑھنے سے بہتر ہو گا۔ بلکہ اس کی نیند کو ریا کار کی نماز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ تاکہ اس کو بہتر کہا جائے کیونکہ اس کی نماز تو خدا تعالیٰ کی درگاہ

سے دوری اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے اور عوام علوی سے اس پر پیچھے کا نتیجہ ہے
اور ان سونے والے پر بے حد بارشیں نازل ہوئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی
کا اصل پریشان ہوتا ہے وَشَتَّانَ بَیْنَ الْمُرْتَبَتَیْنِ یعنی ان دونوں مرتبوں کے درمیان بڑا فرق
ہے اور جب دنیاوی غرضوں کا تقاضا معلوم ہو گیا۔ تو اخروی اغراض کی طرف انتقال کرنا چاہیے
اگرچہ آخرت کی تمام غرضیں بہتر ہیں لیکن ان سب میں مرتبوں اور درجوں کا بہت بڑا فرق ہے۔
اہل جنت کے مرتبوں اور درجوں کے تفاوت سے آخرت کی اغراض کا فرق معلوم کرنا چاہیے ان
ہی خصائل فطرت یعنی مسواک اور کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے اور مانگ نکالنے اور استنجا
کرنے اور استرہ لینے اور ختنہ کرنے اور بغلوں کے بال اکھیڑنے کی طرف دیکھنا چاہیے کہ معتبر
مفسرین کے قول کے موجب حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا انہی امور سے امتحان
کیا گیا۔ اور اسی معتبر کسوٹی کے ساتھ ان کی استعداد کے نقد کو پرکھ کر امامت کبریٰ کے درجہ
تک پہنچا دیا۔ اور یہی نماز اور روزہ اور قرآن شریف کا پڑھنا اور اذکار اور جہاد اور زکوٰۃ اور حج
ہے کہ انہی کے ادا کرنے سے ارادوں اور نیتوں کے فرق کے باعث حضرت صدیق اور فاروق اور
انہی جیسے دوسرے لوگوں کے مرتبے بدل گئے پس اللہ کے نام پاک کی محبت اور تعظیم میں اسی
کی رضامندی کا طلب کرنا سب غرضوں اور تمام نیتوں سے بہتر ہے اس کے نام سے اس کے سوا
کچھ نہ مانگے اور اس کے سوا کسی دنیاوی یا اخروی مطلب کو اس کی اجرت نہ سمجھے بلکہ وہ جلیل القدر
انعام کہ دنیا اور آخرت کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہی ہے کہ اس کے پاک نام کے
ذکر کی توفیق اور قوت ملی ہے اس انعام کو جو محض اس کی قوت اور توفیق سے ہے مفصل طور
پر سمجھ کر اپنے دل میں جگہ دے کر تہ دل سے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ممنون ہو اور اس کی شرح اور
تفصیل یہ ہے کہ ذکر کے مبادی اور اسباب کا ملاحظہ کرے کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں اور یہ
سارے اعضاء اور وہ ظاہر اور باطنی حواس کہ ہر ایک کو ذکر میں دخل ہے سب اسی کے عام انعام
میں سے ہیں اس کے بعد وہ توفیق بھی جو کہ خاص لوگوں کے واسطے ایک خاص انعام ہے اسی
کی طرف سے ہے اس لئے کہ بہت ایسے شخص ہیں کہ ان کے سارے اعضاء اور قویٰ اور دل اور
زبان اور فہم اور عقل سب کچھ درست ہوتا ہے اور ہزاروں طرح کی تقریریں اور معاشی فکر اس کی

زبان اور دل پر گذرتے ہیں اور جو شخص زبانی ذکر اور قلبی فکر کا ارادہ کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے اس کی زبان پر ایسا بوجھ اور اس کے دل میں ایسے ورم ظاہر ہوتے ہیں کہ اس کی زبان اور عقل ہرگز ذکر اور فکر نہیں کر سکتی حاصل کلام انسان کی زبان پر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا جاری ہو جانا ایک بڑی نعمت ہے اسی انعام کو سب انعاموں سے بہتر جان کر جتنا اور ثواب کی طلب سے اغماض کرے اس وضع سے اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم تمام کمالات کے لیے اصل اور بنیاد کہے جا بجا ہے۔

دوسرا افادہ شرعی احکام اور عبادات میں اہتمام نہ کرنا بھی عبادات کیلئے علیحدہ خلل انداز ہے اور اس کی اصل بنیاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی راہ دو طرح کے ساتھ ان کے ہاتھ سے گم ہو جاتی ہے اول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا خیال ہی دل میں نہیں آتا بلکہ محض اپنا کمال جو در اصل نقصان ہے مدنظر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے لیکن اس کے طریق میں خطا واقع ہو جاتی ہے اور جو کچھ ان کی ناقص رائے میں آتا ہے کہ یہ اس کی رضا مندی کا موجب ہے اسی کو اس کا وسیلہ بناتے ہیں اور اصلیت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی رضا جوئی کی راہ سے بالکل بھولا ہوا سمجھ کر اندھے کی مانند یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ ہمیشہ اپنے حال کی زبان کا ورد بنائے رکھے اور اللہ عزوجل کی اس ازلی کلام وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کو جس میں اکمل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف خطاب ہے اور اس حدیث قدسی كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ کو جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے صادق البیان سرور عالم کی زبان سے فرمائی ہے اچھی طرح سوچ کر اس کی رضا کے طریق کو اسی کے جتلانے میں منحصر جانے اور شرع شریف کو ہو کر مضبوط رہنا ہے اپنا رہبر سمجھ کر اس کے خلاف کو کبھی بہتری کا موجب نہ جانے اگرچہ اس کی مخالفت میں کشف وکرامات اور انوار تجلیات کے ظہور اور اہل سموات اور ارواح کے ساتھ مصاحبت کا بھی گمان ہو۔ فائدہ نامقبول سالکوں میں اس مانع کے ڈھونڈنے کی یہ علامت ہے کہ وہ مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد میں جو اہتمام کرتے ہیں فرض نماز کے ادا کرنے میں اس اہتمام کا عشر عشیر بھی خیال کرتے بلکہ جب ملعون شیطان اس

اے اندھوں کو راہ دکھانے والے میرے ہاتھ کو پکڑ لیو۔ اور اس نے تجھے بھٹکا ہوا پایا سو ہدایت دی۔ تم سب لوگ گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت کروں۔

جماعت پر قابو پالیتا ہے اور وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ان کو راہ حق سے بہت ہی دور لے جاتا ہے نماز کو سرکاری بیگار کی مانند بجا لاتے ہیں اور جو وقت کہ نماز اور وضو میں گذرتا ہے ضائع جاتے ہیں اور اسے اپنے لئے کارآمد نہیں سمجھتے معاذ اللہ من ذلک اور یہ تو اس جماعت کا حال ہے جو اسلام کے نام سے موسوم ہے اور جو لوگ اسلام سے خارج ہیں اس مقام میں ان کے حال کی گفتگو نہیں ہے

دوسری ہدایت۔ عبادت میں خلل انداز چیزوں کے تفصیلی ذکر اور ان کے علاجوں کے بیان میں اور اس میں تین افادے ہیں

پہلا افادہ۔ نفس اور شیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ نفس تو اس طرح سے کہ سستی کرتا ہے اور اپنا آرام چاہتا ہے اور ارکان نماز کے ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے تاکہ جلدی فراغت حاصل کر کے سو رہے یا آرام کرے اور اپنی محبوب چیزوں میں مشغول ہو جائے اور نماز کے پڑھنے میں قیام اور رکوع اور سجدہ اور قعدہ مسنون طور پر نہیں کرتا بلکہ لاغر اور فالج زدہ لوگوں کی طرح اس کے اعضا میں سستی اور استرخا پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے اعضا کو ارکان نماز کے ساتھ بے پروائی کی وجہ سے کیف ما اتفق یا جس طرح اس کی بدنی راحت کے مناسب رکھتا ہے اور اسی طرح تپ زدہ لوگوں کی مانند حواس باطنہ کی پراگندگی اور وہم اور خیال کی پریشانی اس کے معترض حال ہو کر نماز کی طرف قوی باطنہ اور اعضائے ظاہر کی توجہ میں بڑا خلل ڈالتی ہے۔ ولیکن شیطان وسوسہ ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے اور نماز کی شان میں ہلکی اور اس سے بے پروائی اور اس کو چنداں کارآمد نہ جاننا اس کے بڑے وساوس سے ہے اور یہ وسوسہ فرض کے استخفاف اور انکار کی وجہ سے بہت جلدی کفر تک پہنچا دیتا ہے اور آدمی کو کافر کر دیتا ہے اور اس کا ادنیٰ وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کی ہمکلامی اور مناجات کی لذت سے اس طرح غافل کر دیتا ہے کہ رکعتوں یا تسبیحوں کی گنتی کو اچھی طرح جاننا چاہئے ایسا نہ ہو کہ کوئی غلطی یا سہو واقع ہو جائے اور قرآن کے حافظ کو غلطی سے بچنے کے واسطے متشابہات قرآن کے خیال میں ڈال دیتا ہے باوجودیکہ وہی نماز خواں اگر ذکر اور وظیفہ یا سجدہ قعدہ آ رہا چکا ہوتا ہے کہ لقائے حضور میں نہ تو رکعتوں اور تسبیحوں کی تعداد

[illegible] ان کو عدد [illegible] کہ وہ حضور [illegible] کر سکے

میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور نہ قرآن میں تشابہ واقع ہوتا ہے یہ شیطان کا مکر ہے اور ان کنایوں اور تشبیہوں اور متشابہات کا یاد دلانا تو اس کا مقصود نہیں بلکہ نمازی کو اس کے اعلیٰ مرتبہ سے ادنیٰ کی طرف اتارنا مقصود ہوتا ہے یہاں تک کہ کشاں کشاں اپنے اصلی مقصود تک جا پہنچاتا ہے اور اس مردود کا اصلی مقصود یہی انکار اور کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا وہ مقصود پورا نہ ہو تو لاچار ہو کر بمقتضائے اِذَا فَاتَکَ اللَّحْمُ فَاشْرَبِ الْمَرَقَةَ آہستہ آہستہ گاؤ خر کے خیال کی طرف لے جاتا ہے حتی کہ یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے ع۔ بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر۔ گاؤ خر تو ایک مثال ہے حضور خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے خواہ گاؤ ہو خواہ گدھا احمق ہو یا دانا سب کا یہی حکم ہے طالب علم یہ نہ سمجھیں کہ صیغوں اور ترکیبوں میں ہماری سوچ بچار اس قبیل سے نہیں افسوس افسوس بلکہ یہ تو گاؤ خر کے خیال سے بھی نماز کا زیادہ مخل ہے اور دانشمند لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن میں سے عجیب مسائل کے استخراج کا فکر نماز کی تکمیل ہے بلکہ یہ اس کا ناقص کرنا ہے اور اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اس نماز کا حاصل کرتا ہے جو مومنوں کیلئے معراج ہے نہیں ہرگز نہیں نماز میں یہ توجہ بھی شرک کی ایک شاخ ہے خواہ وہ شرک خفی ہو یا اخفی یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ عجیب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح و فرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اسی کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اسی مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق باخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں۔ لیکن یہ ان کے حق میں ایک ایسا کمال ہے کہ خیال کے کو قصر پر مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آگیا ہے ہاں حاجتوں کی وہ دعائیں جو با کمال نمازی سے متعلق ہے نمازی کی ذات میں حاجت روائی کے منصرف کے اعتقاد کے باعث عین نماز میں صادر ہوتی ہیں اسی قبیل سے ہے یعنی نماز کے لئے کمال ہے گو وہ قلبی رغبتیں ماتحتی امور کے متعلق ہوں اور اپنی حاجتوں کے بارہ میں نفس کے ساتھ مشورے کرنا نماز کے وسوسوں اور نماز کے نقصان میں سے ہے اور جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نماز میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے سو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیئے ع

جب گوشت ہاتھ سے جاتا رہے تو شوربا ہی پی لو۔

کاسہ پا کاں زراقی اس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حضرت خضر علیہ السلام کے لئے تو کشتی کے توڑنے اور بے گناہ بچے کے مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا اور دوسروں کے لئے نہایت درجہ کا گناہ ہے جناب فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل انداز نہ ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے والوں میں سے ہوجاتی تھی اس لیے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے ہاں بمقتضائے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ زنا کے وسوسے سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں۔ اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے۔ کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے حاصل کلام اس جگہ وسوسوں کے مرتبوں کے تفاوت کا بیان کرنا مقصود ہے انسان کو چاہیے کہ آگاہی حاصل کر کے کسی مانع کے ساتھ اللہ عزوجل کے حضور سے مردود ہو کے اور پیچھے نہ ہٹے اور اس موقعہ پر اس خلل کا علاج اس طرح سے بیان کرنا مقصود ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو سمجھ سکے۔ پس اگر وسوسہ بدترین وساوس سے ہو تو نہایت ہی التجا کے ساتھ دعا کرے اگرچہ ساری چیزوں کے حاصل ہونے کا مدار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہے لیکن بعض چیزوں میں ظاہری اسباب کو کسی قدر مداخلت ہوتی ہے اور ان وسوسوں کا دفع کرنا تو بالکل اسی کے فضل پر منحصر ہے ظاہری اسباب کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اپنے پیر کی خدمت میں بھی عرض کرے کیونکہ پیر اس کام میں اس سے زیادہ باخبر ہے شاید کوئی عمدہ تدبیر بتلائے اور دعا کرے اور شیطان یا نفس کی طرف سے اس وسوسے کے علاوہ کوئی اور وسوسہ ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ مثلاً اگر وہ وسوسہ ظہر کی نماز میں پیش آیا ہے تو فرض اور سنتوں سے فارغ ہو کر تنہائی اور خلوت میں وسوسہ کو دل سے بالکل نکال کر سولہ رکعتیں نماز پڑھے اور یہ جب ہے کہ یاد کی رکعتوں میں خیالات

[illegible]

پا سدلہ لگا رہا تھا اور اگر ساری رکعتوں میں وسوسے نہیں رہے تھے بلکہ بعض تو حضور کے ساتھ خیالات سے خالی پڑی تھیں اور بعض خیالات سے آلودہ ہو گئی تھیں تو وسوسے والی رکعتوں میں سے ہر ایک رکعت کے بدلے چار رکعتیں ادا کرے اور مغرب کی نماز کے بعد نماز عصر کا تدارک کرے اور اس کے بعد نماز مغرب کا اور اسی طرح عشاء کا تدارک اس کے بعد کرے اور فجر کا تدارک طلوع آفتاب کے بعد چاہیئے تاکہ نفل ناجائز نہ ہو جائیں اور چونکہ یہ کام نفس کے واسطے نہایت شاق ہے البتہ باز آ جائے گا اور اپنے آپ کو وساوس سے روک رکھے گا اور جس وقت نفس قابو میں آ جائے اللہ تعالیٰ کا بہت سارا شکر بجا لائے اور شریعت کے بموجب اس کی خواہش کو پورا کرے اور اس کے کام کے بدلے اسکی دارو مدار کرے اور اس کو آرام دے اور اگر نفسانی یا شیطانی حرکت سے تہجد قضا ہو جائے۔ تو اس دن روزہ رکھے اور اگر روزے میں بھی کوئی شیطانی یا نفسانی خلل واقع ہو جائے تو اس روزے کے ساتھ ساری رات کا جاگنا ملا کر تنبیہ کرے جب شیطان اپنے اثر سے ناامید ہو جاتا ہے تو نفس کو اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے تاکہ اس کا مدعا حاصل ہو جائے اور نفس کی تادیب اور تنبیہ سے نفس اور شیطان دونوں اپنی شرارت سے باز آ جاتے ہیں بلکہ نفس حکم خداوندی کا مطیع ہو جاتا ہے اور شیطان کو انسان پر حکومت کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔

دوسرا افادہ۔ اگر زکوٰۃ کے ادا کرنے سے نفس بہانہ کرے اور اپنے پر اس کو گراں جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی اور شاکر نہ ہو تو زکوٰۃ سے چار گنا اپنے مال سے محض اللہ کے واسطے خرچ کرے تاکہ نفس پھر بہانہ نہ کرے اور اس کو سمجھا دے کہ جس قدر بہانے کرے گا میں اسی قدر زیادہ خرچ کروں گا۔ **تیسرا افادہ**۔ جس وقت حج اور جہاد فرض ہوں۔ اور نفس کو اس کے ادا کرنے میں سست معلوم کرے پس غور کرے کہ کونسی چیز اس امر کا باعث ہے کہ اس کی وجہ سے جہاد اور حج کے ادا کرنے میں نفس سستی کرتا ہے اسی چیز کو چھوڑ دے مثلاً اگر ریاست اور حکومت مانع ہے اور وہ فرماں روائی جو صدہا لوگوں پر اس کو حاصل ہے اسے نہیں چھوڑتی کہ حج اور جہاد کر سکے اور جہاد کا ارادہ کرے تو اپنے لباس اور خوراک اور نشست و برخاست غریبوں اور مسکینوں کی طرح اختیار کرے اگرچہ حج اور جہاد بلکہ ساری عبادتیں نفس کے جھگڑے اور کشاکش کے

باوجود ادا ہو جاتی ہیں لیکن جو برکت اور رونق فرصت اور اطمینان میں حاصل ہوتی ہے وہ اس صورت میں ہرگز ظاہر نہیں ہوتی اور جس وقت نفس مطیع ہو گیا اور عبادت میں نشاط کے ساتھ قدم رکھا یہ کام کی برکتوں کا باعث اور عبادات میں رونق کا موجب ہو گیا اور اگر امور جہادیہ میں اہتمام کے باوجود بھی نفس اس کے حق کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا اور اپنی حفاظت کرتا ہے تو جو کام پوشیدہ طور پر کسی کافر رئیس کے قتل کرنے کی مانند زیادہ مشکل ہو اسی کام کو اپنے ذمے لازم سمجھ کر پورا کرے اور نفس کو سمجھائے کہ اگر تو سستی کریگا تو اسی طرح تجھ کو ہلاکت کے مقاموں میں ڈالوں گا یہاں تک کہ وہ باز آجائے اسی طرح کرتا رہے۔

چوتھی فصل ادائے طاعات کے طریقوں کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید ہے اور پانچ افادے ہیں۔ **تمہید**۔ تہذیب اخلاق اور ادائے طاعات سے اصلی مقصود تو نفس کا سنوارنا اور اصلاح کرنا ہے تاکہ وہ مطیع ہو جائے اور بد عادات سے پاک ہو جائے اور بد عادتوں سے نفس کا پاک ہونا ہی نیک عادتوں کے ساتھ اس کا موصوف ہونا ہے اور عام اہل سلوک جو اس کو نفس کشی سے تعبیر کرتے ہیں محض خطا ہے کیونکہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس کے مار ڈالنے کا حکم ہے اور نہ زندگی کے باوجود اس کا کرنا ممکن ہے اور جو ممکن ہے اسی کی بجا آوری کا حکم بھی ہے یعنی نفس کی اصلاح کر کے اسے احکام شرعیہ کا مطیع کیا جائے جیسے جاہل انسان کو عالم بنا دیا جائے پس اس کو مار ڈالنے سے تعبیر کرنا غلط ہے اور نفس کشی میں جو مشکل ریاضتیں اور کھانے پینے کی کمی معمول ہے یہ سب غلط ہے ان ریاضتوں کے ساتھ نفس مرتا نہیں بلکہ انسانی وجود کمزور ہو جاتا ہے اور مشکل عبادتوں کے لائق نہیں رہتا اور ممکن ہے کہ ان ریاضتوں سے نفس میں ایک وجہ کی شکستگی آجائے اور کئی وجہ سے نازکی پیدا ہو جائے۔ **پہلا افادہ**۔ ارکان اسلام کی اصلاح کے لئے سب سے بہتر یہ طریقہ ہے کہ ان ارکان کی عظمت اچھی طرح سمجھ لے اور جب ان کا بہت سا فائدہ اور عزت جان لے گا تو ان کا اہتمام اور انکے اصلاح کی بہت تدبیریں کریگا پس ارکان اسلام خاص کر ان سے افضل رکن یعنی نماز کی عظمت کی حقیقت سمجھ لینا نہایت ہی دشوار ہے لیکن بحکم مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ کسی قدر جاننا

---

[1] اور جو سارے کی ساری سمجھ میں نہ آئے سارے کی ساری چھوڑنی بھی نہ چاہیئے۔

کی عظمت کھل جاتی ہے اور اس کے بعد دوسرے ارکان کی بابت نمونے کے طور پر کچھ بیان کیا جائیگا۔ پس پہلے ایک مثال سن لینی چاہیئے۔ ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت بڑی وسیع ہے اور اس کی رعیت بیشمار اور ان گنت لشکر ہیں اور مختلف مقاموں اور جگہوں میں بے حساب فنائیں کارخانے موجود ہیں اور ہر کارخانہ پر کئی قسم کے آدمی مقرر ہیں اور ہر ایک کارخانے میں طرح طرح کی چیزوں کو مداخلت ہے مثلاً مزارعے اپنے مختلف مرتبوں کے باوجود اپنے کام میں مشغول ہیں اور بیل بے شمار مختلف حاجتوں میں اٹھانے ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح تبدیلی اور کام میں ہیں اور وحشی اور کام میں ہیں اور ہر ایک کیلئے اس کے کام کے موافق ایک معین اجرت اور عہدہ مقرر ہے اور اسی کام کے باعث ہر ایک کو جناب بادشاہ کے ساتھ ایک علاقہ اور رابطہ ہے اور اس علاقے کو معلوم کر کے اپنے آپ میں پھولا نہیں سماتا اور اپنی کوشش اور کام پر فخر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ بادشاہ بے پرواہ ہے کسی کا محتاج نہیں اور میرا جو علاقہ اسکے ساتھ ہے یہ اسی کی عنایت ہے اور میرے فخر کا دارومدار ہے لیکن ان تمام کارخانوں کے ملازموں کے لئے ایک دوسرے پر درجوں اور مرتبوں میں تفاوت اور بعض کے اعلیٰ درجوں پر بلند ہونے کے باوجود ایک معین کام ہے۔ کہ اس سے تجاوز کرنا اور بڑھنا ممکن نہیں اور اسی واسطے کی بخشش کے لحاظ سے ان کی اجرت میں تفاوت نہیں ہوتی اور بعد ازاں بادشاہ نے ایک خاص چیلے کو نائب اور خلیفہ بنا کر تمام کارخانوں کے قیام کیلئے واسطہ بنایا ہے اور اس کے حاضر ہونے کے واسطے چند وقت مقرر کئے ہیں تاکہ ان وقتوں میں حاضر ہو کر اپنی حاجتیں بیان کرے اور سلطانی احکام سن کر ان کارخانوں میں ان کو جاری کرے اور چونکہ اس کے لئے دربار کے وقت معین ہیں اور مقررہ اوقات پر حاضر ہونے کے بارے میں اس پر سخت تاکید ہے تمام کارخانوں والے اس کے حال کے نگران اور اس کے مقام کے مشتاق رہتے ہیں اور ہر دربار میں اس کے واسطے ایک عجیب چیز اور ایک بلند مرتبہ کے ظاہر ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور ان مقررہ وقتوں میں بادشاہ کی طرف سے اس پر ایک خاص عنایت تمام کارخانہ جات والوں کی عقلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ اسی واسطے وہ خاص چیلہ تمام رعایا اور لشکر اور اہل سیف و قلم میں ممتاز و معزز ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین سے لیکر آسمان تک کی مخلوقات کا بھی حال سمجھنا چاہیئے جو احکام الٰہی میں سرگرم اور مسخر ہیں۔

اور اگرچہ مقرب فرشتوں کے لئے عمدہ عمدہ اور بڑے بڑے کام مقرر ہیں۔ مگر وہ اپنے کام اور مرتبہ سے تجاوز نہیں کر سکتے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے کارخانہ میں کچھ دخل نہیں اور اسی طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام کے امور میں کچھ دخل نہیں وعلیٰ ہذا القیاس جو مرتبہ جبریل علیہ السلام کے واسطے مقرر ہو چکا ہے نہ ان کو اس سے تنزل ہے اور نہ ترقی اور تنزل تو معصوم ہونے کی وجہ سے نہیں اور ترقی نہ ہونے کے لئے معراج کا قصہ گواہ۔ بیت

اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم صفی اللہ کو خلافت کے واسطے پیدا کیا اور بے نہایت کمالوں کی استعداد آپ میں رکھی اور انہیں بہت سارے کارخانوں کا مظہر بنایا اور ترقی اور تنزل حقیقت انسانیہ کیلئے مقرر فرمائی اور اول اول حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو افراد انسانی کا اصل اصیل اس کا پورا مظہر بنایا تاکہ اس حقیقت کے تمام افراد میں دوسرا اثر کر جائے اور اس واسطے جسطرح خاص شاہی چیلے ان امور مملکت میں سے ہر ایک امر کا مصدر ہو سکتا ہے جو شاہیت کے تمام نوکر چاکروں پر بانٹے ہوئے ہیں مثلاً گھس رائی اور چوبداری جیسے کام جو غلاموں کے متعلق ہیں تنہائی میں حاجت کے وقت اس چیلہ سے لئے جا سکتے ہیں اور اسی طرح کسی کو پیغام پہنچانا اور عندالطلب کسی کا حاضر کرنا جو نقیبوں اور چوبداروں کے متعلق ہے ضرورت کے موقعہ پر اس خاص چیلہ یا خلیفہ سے بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی فرمان نویسی اور جمع خرچ کا حساب کتاب جو منشی متصدی لوگوں کے سپرد ہوتا ہے ضرورت کے وقت اس خاص خانہ زاد سے بھی کرالیا جاتا ہے اور ایلچی گری اور انتظام سلطنت اور لشکر کی سرداری اور امور متعلقہ وزارت جیسے عمدہ کاموں کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے اسی طرح انسانی افراد میں سے کامل لوگ تدبیر کرنے والے فرشتوں کی ساری خدمتوں کا مصدر ہو سکتے مثلاً جہاد یا دعا کے ساتھ کفار کے ہلاک کرنے کی خدمت جو فرشتگان غضب سے متعلق ہے جہاد اور دعا کے ذریعہ اس کامل انسان سے ظاہر ہو جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے منافع پہنچانے کی خدمت جو فرشتگان رحمت کے متعلق ہے اس سے حاصل ہوتی ہے اور تسبیح و اذکار اور بجاآوری عبادت کی جو خدمت فرشتگان مسبحین

کی متعلق ہے اس سے ادا ہوتی ہے اور پڑھنے پڑھانے اور ارشاد و تلقین کی جو خدمت فرشتگان خدام وحی سے متعلق ہے اس سے درست ہوتی ہے اور سلطنت عادلہ اور خلافت کبریٰ کے تمام کرنے اور امامت باطنہ اور نبوت اور رسالت اور اولوالعزم اور خاتمیت کے عہدوں اور مرتبوں سے مرتب کرنے کی جو خدمتیں ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں سے متعلق ہیں اس سے ہوا کرتی ہیں اور باقی خدمتوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے الغرض اللہ عزوجل نے اپنے قطب کی دربار داری کے لئے چند وقت فرما رکھے ہیں اور وراثت کے طور پر سارے بنی آدم میں وہ استعداد پوشیدہ کر رکھی ہے اور اس کا اظہار ان ہی کے اختیار میں دیدیا ہے اور نہایت ہی مہربانی اور عنایت کی راہ سے رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے اتارنے اور ان ہی جیسے اور بواعث ظہور استعداد کے ساتھ ہر طرح اس کی امداد فرمائی ہے پس پانچ نمازوں کے وقت جو اس اشرف مخلوقات کے لئے نہایت قرب اور حضور کے وقت ہیں اور اسی واسطے بہترین امت پر فرض ہوئے ہیں وہی دربار کے وقت ہیں اور معنی خلافت کی ایک شاخ سب لوگوں میں موجود ہے جو چاہے اس کو ظاہر کرے اور جو چاہے اس کو برباد کرے۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا[1] پانچ وقتی نمازوں کا بندوں پر فرض ہونا تمام مخلوقات کی ماہیتوں پر انسانی ماہیت کے بلند ہونے پر معتبر گواہ ہے گو اس کے افراد آپس میں متناقض اور متفاوت ہوں بلکہ تنزل کر کے اسفل السافلین تک پہنچ جائیں اور دراصل ان کے اسفل السافلین میں پہنچ جانے کا باعث بھی انکی وہی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ چھوٹی بلاؤں اور بڑی سزاؤں میں گرفتار ہونا بادشاہ کے خاص حضوری ملازموں کا حصہ ہوتا ہے ظلوم جہول بغایت درجہ سرشار بس ایمانی کمال کی طلب کرنے والے مومن کو چاہیئے کہ نماز کی حقیقت اس طرح جانے کہ پروردگار عالم جل جلالہ نے جس کی بادشاہت کی بندگی اور مالک کمال کی کوئی انتہا نہیں اسے تمام مخلوقات سے جدا کر کے نہایت تاکید کے ساتھ پانچ وقت دربار میں حاضر ہونے کا مطلق اذن دیکر دستکی لینے کا محتاج نہیں رکھا اور دربانوں اور نقیبوں کی منت اٹھانے سے سبکدوش کر دیا ہے اور حضوری کی خلعت سے معزز فرمایا ہے بلکہ اپنے آپ کو اس بڑی نعمت سے جو تمام جہانوں کے

---

[1] جس نے اس کو سنوارا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کو آلودہ کیا وہ ناکام رہا۔

رشک کا مقام ہے محروم کر کے سخت سزا کا مستحق بنا تا کس درجہ کی جہالت اور نادانی ہے
نماز کی عظمت کو اس طرح سمجھ کر نہایت ہی ادب اور اس خشوع کے ساتھ اس کو بجا لائے جو اس
حقیقی بادشاہ کے دربار کی قبولیت کے لائق ہو اور اپنے آپ کو ہمیشہ خدا ہی کا کام میں رکھ کر
نماز کے وقتوں کو بے شبہ دربار اور حاضری کا وقت جانے اور تلاوت اور تسبیحوں اور
دعاؤں کو اپنے حق میں مناجات اور مکالمہ اور عرض حاجات سمجھے نماز کی اجمالی حقیقت تو یہ ہے
لیکن مفصل طور پر اس کے ارکان کی حقیقت سمجھنے کے واسطے یہ خیال سمجھ لینی چاہیے کہ جس
طرح وہ بادشاہ کا خاص خلیفہ یا نائب جس وقت مناجات اور عرض حاجات کا ارادہ اپنے دل میں
پکا کر کے اپنے آقا کے دربار میں نہایت ہی خضوع اور تعظیم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اسکے
ماسوا سے اعراض کر کے اس کی بادشاہت کی ہیبت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر امید اور
مناجات کی آنکھ اس کی طرف لگا لیتا ہے پس خواہ مخواہ جب وہ عالی جاہ بادشاہ اس کی سرگوشی
کے ارادے سے مطلع ہوتا ہے اور اس کی عرض حاجات کی امید کو دیکھتا ہے اس کے حق میں
ایک خاص مہربانی کرتا ہے اور قبولیت اور پیار کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور تعظیم کے
جتنے قول اور فعل اس خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں ان کی وجہ سے بادشاہت کی عنایت اور بھی
اس پر زیادہ ہوتی ہے۔ پس اس وقت وہ فرمانبردار بندہ اپنے آقا کی عنایتوں کو اپنے حق میں
زیادہ سے زیادہ معلوم کرتا ہے تو تخت بوسی یا اس جیسی اور تعظیمیں جو کہ سرگوشی کی اجازت طلبی کا مقدمہ
اور عرض حاجات کا توطیہ ہوتی ہیں۔ بجا لانے کے لئے تیار ہوتا ہے اور اس تعظیم کے صادر ہونے
کے باعث بادشاہ کی عنایت پہلے سے زیادہ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے مناجات اور عرض حاجات
کی دستوری دیتی ہے اور جب وہ مطیع بندہ مناجات کا اذن حاصل ہو جانے کے شکریہ میں اپنی زبان
سے حمد و تعریف اور حمد و مدح کرنے لگ جاتا ہے جو اس کے مولا کے شان کے لائق ہوتی ہے اور اپنے
آقا کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے بعد فرض بجا لا کر مناجات اور عرض حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے
اور چونکہ یہ وقت اس فرمانبردار بندہ کے لئے نہایت ہی کمال اور عالی جاہ بادشاہ کے نہایت
قرب اور [illegible] عنایت اور بادشاہت کے غلبہ کے نہایت ظاہر اور واضح ہونے کا وقت ہے
[illegible] مناجات [illegible] مضامین اور حاجات کے بعض مقامات میں بھول چوک کا اندیشہ

ہوتا ہے لہٰذا اس کا حکم ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر مقام مناجات سے جدا ہو کر اپنے خیال اور عقل کو درست کرکے پھر محل قرب میں داخل ہو تاکہ اچھی طرح فوت شدہ چیز کا تدارک ہو سکے اور جب کہ اس قسم کے قرب اور اتصال کی حالتیں اس مطیع بندہ پر وارد ہوتی ہیں۔ نہایت قدر دانی اور قبولیت کا قانون یہ تقاضا کرتا ہے کہ بیٹھنے کی اجازت دیکر اس بندے کی عزت افزائی کی جائے لیکن چونکہ بادشاہی دربار میں بیٹھ جانا سخت بے ادبی ہے اس لئے بادشاہت کی حکمت عملی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس بندے کو ایسی خدمت کی بجا آوری کا حکم دیا جائے جو بیٹھنے کے مناسب ہو مثلاً وہ بادشاہ عالی جاہ اس کی طرف اپنا پاؤں دراز کر دیتا ہے تاکہ چاپی کی خدمت ادا کرنے کے لئے بیٹھ جائے اسی طرح جس وقت شرک سے پاک درست عقیدے والا خالص نیت والا بدعت سے بچنے والا بدعادتوں سے خالی اور عمدہ خصائل سے مزین ایماندار اپنی جان کو بیرونی آلودگیوں اور اندرونی گندگیوں سے صاف اور اپنے بدن کو حقیقی اور حکمی نجاستوں سے پاک اور اپنے دل کی تجلی کو نقوش ماسوی اللہ سے صاف اور دل کو علائق غیر اللہ سے خالی کرکے اپنے دل جان سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نہایت محبت اور رغبت سے إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ[1] کے مضمون کو اپنے دل میں مضبوط کرکے تکبیر تحریمہ کہتا ہے صرف اسی عقد کے ساتھ رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور ایک خاص قسم کی عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ حدیث إذا صلى أحدكم فلا يبصقن قبل وجهه فإن الله بينه وبين القبلة[2] وفي رواية فإن الرحمة تواجهه[3] اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے اور تلاوت قرآن اور دعاؤں سے جس قدر تعظیمی اقوال اس سے ظاہر ہوتے ہیں اسی قدر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فیض اس کے حق میں مبذول ہوتا ہے تاکہ غایت تعظیم کا توطیہ یعنی نہایت قرب کی تمہید یعنی سجدہ بجا لاتا ہے اور جب اپنے خالص عقل کی طرف ملاحظہ کرتا ہے کہ اللہ عز و جل شانہ نے مجھ کو ایسے رفیع مقام یعنی کہ دربار مطلق میں ماذون کرکے کوئی مانع نہیں چھوڑا تو اس بڑی نعمت اور عطیہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سیدھا کھڑا ہو کر جو حمد و ثنا اس کی شان کے شایان ہے بجا لا کر اپنے مالک کو عاجزی کی

---

[1] یعنی میں نے اپنے منہ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ [2] نماز میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے۔ [3] کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

مثل پرکھش کر مناجات اور عرض حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے ۔ اور چونکہ سجود نہایت ہی قرب اور
تجلیات جمالی اور جلالی کے ظاہر ہونے کا مقام ہے ۔ لہٰذا حاجات کے بعض مضامین میں بھول
جانے کے گمان پر اس کو حکم کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اس رفیع مقام سے تھوڑی دیر اتار کر پھر
فوت شدہ حاجت کے تدارک کیلئے آجانا اور جب وہ پاک مومن ان پسندیدہ حالات کو
جن کے اولیٰ درجہ کا تکرار دو رکعتوں میں پایا جاتا ہے بار بار بجا لاکر بیٹھنے کی قابلیت پیدا کر لیتا
ہے تو بزرگی کے قانون کی محافظت کے لیے نماز کے قعود کو عبادت سے خالی نہ چھوڑ کر اُسے
اُس تشہد کے پڑھنے کا حکم ملا جو نہایت ہی تعظیمی اقوال پر مشتمل ہے ۔ اور ارکان نماز میں تکرار
اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ افعال تعظیمی کا بار بار بجالانا نہایت ہی اطاعت پر دلالت کرتا ہے
کیونکہ ایک بار تعظیمی فعل بجالانے میں اس کے اتفاقی صادر ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے اور
قومہ میں بھی ایک بھید ہے جس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ نماز کے ہر رکن میں ایک نئی شیرینی
اور تازہ لذت ہے پس ضرور ہے کہ رکوع کو سجود سے ایک اجنبی فعل کے ساتھ جدا کرنا چاہیے
تاکہ ہر ایک رکن کا مستقل لذت نمازی کو حاصل ہو جائے اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان
والے جلسہ میں بھی ایک گہرا بھید ہے ۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی بے حیثیت آدمی دفعتہً
کسی بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے مثلاً اس کا ہاتھ پایۂ تخت شاہی تک پہنچ جاتا ہے یا مستقل
دستار سے بہرہ ور ہوتا ہے ۔ تو خواہ مخواہ ہم جنس اور ہم جولی اس امر کا اتفاقی ہونا خیال کرتے
ہیں اور جب یہ امر بار بار متحقق ہو جائے تو وہ بیہودہ خیال باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب
اس مٹھی بھر مٹی کو قرب کے ان اعلیٰ مرتبوں کے ساتھ سجود میں حاصل ہوتے ہیں معزز کرتے
ہیں تو خواہ مخواہ سب جہان والوں کے دلوں میں بلکہ اس نمازی کے نفس میں اس امر کے
اتفاقی ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے پس اس گمان کے دور کرنے کے واسطے ہر رکعت میں
اس پاک مومن کو اس فاخرہ خلعت کے ساتھ دو بار معزز فرمایا جاتا ہے ۔ ارکان نماز کے
اسرار کی طرف اجمالی اشارہ ہے لیکن ان کی تفصیل بسبب مقام کی تنگی کی وجہ سے عقلمندوں کی
عقل کے حوالہ کی گئی ہے ۔ اگر اتنی بات پر اچھی طرح مطلع ہو کر مداومت کرے گا ۔ تو اللہ تعالےٰ
کے فضل سے امید ہے کہ اپنی استعداد کے موافق الہامات معجزہ کا مورد بن جائیگا حضرت خاتم

کے قول اُجَهِّزُ جَيْشِيْ وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ کا بھید اس جگہ سے معلوم کر سکتے ہیں اپنے دربار کے وقت میں مسلمانوں کے لشکروں کی وہ تدبیر جو کہ دین متین کی زیادہ قوت اور شوکت کا باعث تھی کیا کرتے تھے اسی واسطے جتنے فتوحات اور اسلام کی ترقیاں آپ کے زمانہ میں ہوئیں اور کسی زمانہ میں معلوم نہیں ہوئیں۔ القصہ انسان کے دل میں ایمان اس بیج کے جا بجا ہے جو زمین میں چھپا ہوا ہے جونہی اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کی عبودیت خدائی عالموں میں معلوم ہو گئی ہے تو فرشتوں کی اعلیٰ جماعت سے زبان حال کے ساتھ اس کی عبودیت اور قبولیت کی مبارکباد کی آواز نے جہان والوں کے کانوں کو زینت بخشی اور محض کلمہ شہادت کے صادر ہوتے ہی دربار میں پانچ وقت حاضر ہونے اور پاک ہونے کے بہت سے ان حکموں کے ساتھ جو دربار میں حاضر ہونے کے لیے ایک مقدمہ میں معزز کیا گیا۔ اور بہت سے قولی اور فعلی آداب اور بلند اور آہستہ عرضداشت کے سکھانے سے ممتاز ہو گیا۔

دوسرا افادہ۔ چونکہ بموجب منطوق آیہ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا دنیاوی مال اس جہان کی زندگی کا ستون ہیں۔ بالکل ان اموال سے قطع تعلق کر لینے کا امر نہیں کیا گیا اور ممکن ہے انسان مسلمان ہوتے ہی مالدار بن جائے یا پہلے سے ہی مالدار ہو اسی واسطے زکوٰۃ کو نماز کا ضمیمہ بنا دیا گیا تاکہ جو مال کہ اکثر غفلت کا موجب ہوا کرتا ہے۔ اور اسکی محبت سیاہ دلی کا باعث بنتی ہے مسلمان آدمی کے حق میں ایک قسم کی ہمیشہ کی حاضری بن جائے اس کی شرح یہ ہے جب آدمی مسلمان ہوا اور اس نے جان لیا کہ میں ارکان اسلام کے ساتھ مامور ہوں اور عمدہ ارکان جن میں سے زکوٰۃ بھی ایک عمدہ رکن ہے اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے اسی وقت اجناس اموال کی تفتیش میں لگ گیا کہ کونسا مال زکوٰۃ کے قبیل سے ہے اور کونسا نہیں۔ اور جو پہلی قسم سے ہے اس کی کیا مقدار ہے اور مقدار کی زکوٰۃ کتنی ہے اور سال کا گذرنا جو زکوٰۃ کی ایک شرط ہے کس وقت سے شروع ہوتا ہے پس جب تک یہ اہتمام اس کے دل کو دامن گیر رہیگا۔ خواہ عین ترقی اموال کی مقدار میں ہو تو ایک قسم کی حاضری اس کو نصیب رہے گی اور جب فرضیت کا معنی اچھی طرح سمجھ لیگا اور ایمان لے آئیگا کہ اتنا مال جو ہر سال میں نذرانہ اور تحفے کے طور پر اس کے دربار میں

میں نماز میں ہوتے ہوئے لشکر کی تیاری کرتا ہوں۔ ‌ وہ مال جو بنائے اللہ نے تمہاری گذران۔

وہ شخص اپنا جلیل القدر انعام مجھ پر چڑھانے کے حاضر کرنے کیلئے میرے ذمے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی واسطے مستقل طور پر زکوٰۃ کا لینا جس طرح کہ قرآن شریف اور حدیث شریف سے سمجھا جاتا ہے امام اور خلیفہ کا حق ہے گویا اس طرح ادا کرنا خود اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں پہنچانا ہے پس ہر سال زکوٰۃ کے ادا کرنے میں مسلمان آدمی اس شخص کی مانند ہے جس کو بے پروا عالی جاہ بادشاہ کی جانب سے ایک تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملکیت اور استعمال کی چیزوں میں سے ہر سال اس قدر نیاز عید یا جشن کے طور پر ہمارے حضور میں لایا کرو تاکہ ہم اس کو اپنی عنایت کے ہاتھ سے قبول کر کے تم کو اپنی مہربانیوں کا مورد بنا دیں پس دوسرے کارخانوں والے جن سے عید اور جشن کے موقعہ پر اس طرح کی نذر مطلوب نہیں بلکہ وہ ادا بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے مرتبہ کی اس بلندی اور اس کی اس محبت اور عزت کے معترف ہو جائیں جو بادشاہ کی درگاہ میں اس کو حاصل ہے۔ وہ شخص ہمیشہ زیادہ اور ترقی میں رہتا ہے۔ اور علی شغل اموال میں غفلت اس کے سامنے نہیں آتی

فائدہ۔ جس طرح طاقتور اور سخاوت شعار بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ نذر و نیاز کے مالوں کو اپنی خاص حاجتوں میں خرچ نہیں کرتے بلکہ عالی مقدار شاہزادوں اور بڑے بڑے امیروں جیسے اہل عزت کے مخارج میں بھی ان کے خرچ کرنے کی تجویز نہیں کرتے ان کے نزدیک ایسے مالوں کے مصرف فقط حاجتمند لوگ ہیں اسی طرح حضرت شاہنشاہ نے زکوٰۃ کے مالوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرام کر دیا کہ دراصل آنجناب کے خرچ خاص حضرت رب الارباب کے خزانے میں سے ہیں اور تمام بنی ہاشم پر جن کو آپ کے ساتھ قرابت کا رشتہ ہے صدقے حرام کر دیئے اور ان مالوں کا مصرف صرف حاجتمند لوگ مقرر فرمائے پس جن لوگوں پر صدقات حرام کیے گئے ہیں ان کو وہ عزت اور فخر حاصل ہوا ہے کہ وہ اس کے شکر کو کسی زبان کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے اگر فقط اسی نعمت کے مقابلہ میں بے حد با قسم کی عبادتیں بجا لائیں ان کو لائق ہے اور اس جیسی بڑی نعمت کے مقابلہ میں کفران اور نافرمانی کس درجہ کی نالائقی ہے۔

تیسرا افادہ۔ روزے کی فرضیت میں بھی مومن آدمی کی توجہ سارے سال میں حکم الٰہی کی تعظیم کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور خود انتظار میں رہتا ہے اور تیاری کرتا رہتا ہے کہ جب رمضان شریف آئیگا تو اس طرح روزہ اور نماز تراویح ادا کروں گا اور قرآن کریم کی تلاوت کروں گا

اور اس استغفار اور تیاری اور نیت کے اخلاص میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہوا کرتی ہیں اور اسی اختلاف کی وجہ سے ان کی قبولیت کے درجے مختلف ہو جاتے ہیں۔ پورے سال کی اس اصلاح کی وجہ سے رمضان کو زکوٰۃ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت ہے۔ جس طرح زکوٰۃ کے بیان میں مذکور ہوا۔ اگرچہ سب امتوں پر روزہ فرض تھا لیکن اللہ جل شانہٗ کی بے غایات عنایتوں سے اس امت مرحومہ کے بدنی ضعف اور عمر کی کمی اور بے حسی وغیرہ امور کے لحاظ سے اس مبارک مہینے کی تخصیص اور لیلۃ القدر کا تقرر ہوا۔ تاکہ یہ لوگ بھی مشکل اعمال کی مزاولت کے سوا ہی ماہ موصوف اور شب قدر کی برکات کے ذریعے پہلے لوگوں کی مانند یا ان سے زیادہ عالی درجوں پر کامیاب ہوں اور روزے سے ہر سال میں نفس پر ایک قوی اثر ہوتی ہے جس کا اثر پورے سال تک رہتا ہے۔ اور آدمی کی شہوت اور اس کے غضب اور حرص کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ گو ہر انسان کو اس کی اطلاع نہ ہو۔

چھٹا افادہ۔ لیکن حج اس کے جاننا چاہیے کہ بادشاہ نے ایک مقام کو مقرر کر کے اسے اپنی بے نہایت مہربانیوں کا مورد بنا دیا ہے اور جس شخص کو اس مکان میں طلب کرتا ہے اس کو بہت سا فیض پہنچاتا ہے اور اس کو اپنے ہم جلیسوں میں معظم اور معزز بنا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بلانے کے سوا اس مکان میں داخل ہو۔ اس پر بھی وہ مہربانیاں کرتا ہے جن کی اس کو لیاقت ہو اور اس کو بھی اپنے ہم جلیسوں میں ایک طرح کی عظمت حاصل ہو جاتی ہے۔ الغرض اسی مکان کو خوانِ یغما بنا دیا ہوتا ہے پس جو شخص بلانے پر وہاں حاضر ہو۔ اس کے حال کے موافق اس پر اعزاز اور انعام فرماتا ہے اور جو شخص بلا طلب وہاں پہنچ جائے اس کو بھی خالی نہیں چھوڑتا اور کسی نہ کسی وجہ سے اس کو عزت اور انعام دے ہی دیتا ہے اسی طرح بادشاہ مطلق جل شانہٗ نے خانہ کعبہ اور اس کے ارد گرد کو جسے حرم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ساری دنیا سے ممتاز کر کے اپنے فیوض کا مورد بنا کر ہر کس و ناکس کے واسطے خوانِ یغما کر دیا ہے پس وہاں بلائے ہوئے جو اشخاص یعنی بنی آدم حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رنگا رنگ نعمتوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں تمام گناہوں سے مغفرت عامہ بھی انہی نعمتوں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو بخش کر اسی طرح بنا دیتا ہے گویا ابھی پیدا ہوا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور آئندہ کے لئے بھی

اللہ جل شانہٗ کی عنایتیں اس کے شامل حال رہیں گی۔ اور حیوانات اور نباتات جیسی چیزوں سے جو با طلب وہاں پہنچ جاتی ہیں۔ وہ حرم کی حرمت سے معزز ہو کر اپنے امثال میں سے ایک درجہ کا امتیاز حاصل کر لیتی ہیں پس ہر ایک کو چاہیے کہ اس امر عظیم یعنی محض اعزاز و اکرام کے واسطے ایسے عاجز کو ایسے مقام میں اپنے پروردگار کے بلانے کا دھیان کر کے عظمت حج کو اپنے دل میں پختہ کر لے۔

پانچواں افادہ۔ جاننا چاہیے کہ جہاد بھی بے نہایت فوائد اور منافع والا امر ہے اور اس کی منفعت بارش کی مانند عام لوگوں کو کئی وجہ سے پہنچتی ہے اور اس امر عظیم کے فوائد کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ عام فائدہ ہے کہ فرمانبردار مومن اور سرکش کافر اور فاسق اور منافق بلکہ جن اور انس اور حیوانات اور نباتات اس میں شریک ہیں اور دوسری قسم فوائد مخصوصہ ہیں جو مخصوص لوگوں کو پہنچا کرتے ہیں۔ یعنی بعض لوگوں کو ایک طرح کا فائدہ پہنچتا ہے اور دوسرے لوگوں کو دوسری طرح کا لیکن منفعت عامہ کا یہ بیان ہے کہ جس طرح صحیح تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ حکام کی عدالت اور اہل معاملات کی دیانت اور مالداروں کی سخاوت اور بخشش اور عام لوگوں کی نیک نیتی کے باعث وقت پر بارشیں ہونے اور فصلوں کی کثرت اور کاروبار کی برکت اور بلاؤں اور آفتوں کے دفع ہونے اور مالوں کی ترقی اور زیادہ سے زیادہ اہل ہنر اور کمال کے پیدا ہونے کے مانند آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح دین حق کی شوکت دیندار بادشاہوں کے عروج اور ان کی حکومت کے ظاہر ہونے اور مذہب حق کے لشکروں کی قوت اور شہروں اور دیہات میں احکام شرعیہ کے پھیلنے کے سبب سے زمین کے ٹکڑوں میں اسی طرح کی آسمانی برکتیں بلکہ ان سے کئی گنا زیادہ ظاہر ہوتی ہیں چنانچہ برکات سماویہ کے نزول میں روم اور ترکستان کے حال کے ساتھ ہندوستان کے حال کا موازنہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان کے اس وقت یعنی ۱۲۳۳ھ ہجری کے حال کو کہ اس کا اکثر حصہ حرب بن چکا ہے آسمانی برکات کے نازل ہونے اور اولیاء عظام اور علماء کرام کے ظاہر ہونے میں اسی ملک کے اس وقت دو سو یا تین سو سال کے پہلے حال کے ساتھ قیاس کرنا چاہیے لیکن اس کے مخصوص فائدے سو شہید مومنوں اور غازی مسلمانوں اور منصور بادشاہوں اور لڑائی کرنے والے جوان مردوں کی نسبت ان کا حاصل ہونا بیان

کا محتاج نہیں اور صاف باطن لوگوں کی نسبت اس جہاد کا یہ فائدہ ہے کہ تھوڑے وقت میں بہت سی بڑی بڑی ترقیاں پاتے اور تھوڑی ریاضت سے ولایت کے مرتبوں پر کامیاب ہو جاتے ہیں اور علماء کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ علوم حقہ پھیلتے ہیں اور پڑھنے پڑھانے والے زیادہ ہوتے ہیں علماء قاضی مفتی مجتہد کے مرتبوں پہ فائز عام لوگوں کو مقبول مذہب کی طرف عام دعوت کر کے امامت باطنہ کے منصب پر کامیاب ہوتے ہیں اور عقائد حقہ اور احکام پسندیدہ کے پھیلانے کے باعث نیابت انبیا کو حاصل کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور ہوتا ہے اور عام صلحا کی طرف نسبت کرنے سے ان کے یہ فائدے ہیں کہ نیکوکار لوگوں کی عزت اور بدکار لوگوں کی بے عزتی اور پسندیدہ جائز امور کی مشہوری اور ناپسندیدہ ناجائز امور کی گمنامی کی وجہ سے صلاح اور پرہیزگاری کی طرف انکی رغبت زیادہ ہوتی ہے اور نیز اہل اسلام کے بادشاہوں کی اطاعت اور باعزت علماء اور بزرگ اور اولیاء کی تعظیم اور بڑی بڑی جماعتوں میں داخل اسلام ہونے کے باعث ان کی عبادات کے اجر کئی گنا بڑھ جاتے ہیں اور عام مومنوں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے منافع یہ ہیں کہ معاملات میں ان کی نیتیں صحیح ہو جاتی ہیں اور اللہ عزوجل کی مہربانیوں دین حق کے انوار کے پھیل جانے کے باعث ان کے دلوں میں عبادات کی طرف محبت اور رسوم شرعیہ کے مشہور ہونے کے سبب سے انکی متابعت اگرچہ تقلیداً ہو پیدا ہوتی ہے اور نیز برکات سماویہ کے نازل ہونے اور ذوالاقتدار بادشاہوں کی عدالت اور سخی لوگوں کی سخاوت کی وجہ سے ان کو معاش میں فراخی حاصل ہوتی ہے اور قوانین شرعیہ کی متابعت کے باعث ان امور معاشیہ اور معادیہ انتظام پاتے ہیں! اور بدکاروں اور فاسقوں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فوائد ہیں کہ بنی آدم کے دلوں میں حق مذہب کے انوار کی سرایت اور عام لوگوں کی عقلوں میں برے افعال کی برائی مضبوط ہو جانے اور حق مذہب کے مشہور ہونے کے باعث ان کے دل میں فسق و فجور سے کراہت پیدا ہو جاتی ہے یا حدود اور تعزیروں کے ڈر اور اپنے خویش و اقران کی طعن و تشنیع کے خوف کے مارے اظہار بدعات و منکرات سے دست کش ہو جاتے ہیں اور توبہ کی توفیق پاتے ہیں اور منافقوں کی بہ نسبت اس کے یہ فائدے

ہیں کہ قتل کے خوف یا ایمان والوں کی عزت اور سرکشوں کی ذلت دیکھ کر بظاہر ملت حقہ پر مستقیم رہتے ہیں اور بظاہر مل کر کفار کی جماعت میں داخل نہیں ہوتے اور ان کے حق میں یہ امید بھی ہو سکتی ہے کہ حق مذہب کے انوار کے پھیل جانے اور آسمانی برکتوں کے نازل ہونے اور اہل اسلام کے شوکت کے دیکھنے اور اولیاء عظام اور علماء کرام کے ساتھ میل جول کرنے اور ان کے انوار کے عکس اور ان بزرگوں کی نصیحت کے تاثیر کرنے کی وجہ سے مذہب حق کا نور ان کے دل کی تہ میں اثر کر جائے اور ذمی کافروں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ آسمانی برکتوں کے نازل ہونے سے ان کی معاش فراخ ہو جاتی ہے اور بادشاہوں کی عدالت کے باعث چوروں اور رہزنوں سے وہ مطمئن ہو جاتے ہیں اور امید ہے کہ اہل حق کے ساتھ خلط ملط رکھنے اور ان کی رسموں کے مشہور ہونے اور ان کے امور معاش اور معاد کے انتظام کے دیکھنے کے باعث اسلام کی طرف راغب ہو جائیں اور اہل حرب کی طرف نسبت کرنے سے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جائیں گے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی کیونکہ اگر وہ مارے نہ جاتے تو مدت تک اپنے کفر پر قائم رہتے پس خواہ مخواہ ان کا کفر بڑھتا رہتا اور جس قدر کفر بڑھتا عذاب بھی زیادہ ہوتا اور ان کی اہل ذریتوں کے حق میں یہ فائدہ ہے کہ غلام ہو جانے کی وجہ سے اہل حق کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے جس سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ان کے رنگ سے رنگے جائیں مختصر طور پر منافع جہاد بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس مقام میں اس کے فوائد کا مفصل طور پر احاطہ نہیں ہو سکتا القصہ شریعت کے کارخانہ میں اہل ایمان پر جہاد کا واجب ہونا دنیا کے کارخانہ میں بارش اتارنے اور نہروں کے جاری کرنے کے قائم مقام ہے اور بعض بد طینت لوگوں کا ہلاک ہونا خواہ وہ اہل اسلام ہو کر جہاد سے مانع ہوتے ہیں اور اپنے باطن کی خباثت اور کافروں کی محبت کے باعث غازیوں اور مجاہدوں کی مخالفت اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیتے ہیں۔ اور خبیث منافقوں کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں، اس قسم کے چند فاسد الاستعداد اشخاص کا ضائع ہو جانا جہاد کے عام فائدوں میں خلل انداز نہیں ہو سکتا بارش ہی کو دیکھو کہ اس کے عام فائدے

تمام مخلوقات کے حق میں ظاہر ہوئے۔ آگ، شہروں اور سیلابوں کی طغیانی کے باعث چند لوگوں کی عمارتیں گر بھی جاتی ہیں۔

خاتمہ متفرق فائدوں کے بیان میں

اور یہ پانچ افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ جاننا چاہیے کہ سرود کا سننا بغیر مزامیر کے اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ میل جول کرنا بدون شہوت کے اگرچہ ممنوعات شرعیہ سے نہیں لیکن اس قسم کے امور کو راہ حق کے سالکوں کے لیے خصوصاً ارادت کے طالبوں کے حق میں خالی خلل سے نہ سمجھنا چاہیے اس کا بیان اس طرح ہے کہ اس قسم کے امور مبتدیوں کے حق میں بھی مضر ہیں اور منتہیوں کے حق میں بھی مضر ہیں۔ مبتدیوں کے حق میں ان کے مضر ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ تمام روحانی پیروں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ راہ حق کے سالکوں کے لیے حقوق نفس کا پورا لینا ضروری ہے اور حظوظ نفس یعنی نفس کے مزوں کے پیچھے پڑنا مضر ہے خاص کر ایسے مزے جن کی لذت مطلب نفس میں راسخ ہو جائے اور ان کی شیرینی شیدا ہونے والوں میں مستحکم بیٹھ جائے اور ان کی طلب میں نفس سرگشتہ و حیران ہو جائے نہایت ہی مضر ہیں اور یہ حالات بالکل ظاہر ہے کہ اس قسم کے امور حقوق نفس کے قبیل سے نہیں کیونکہ ان کے ترک کر دینے کی وجہ سے کبھی جسم میں ضعف اور ناتوانی نہیں ہوتی جیسے کھانے پینے کے چھوڑ دینے سے (ضعف پیدا ہو جاتا ہے) اور نیز ان کے ترک کر دینے سے کبھی انتشار حواس اور طبیعت کی بے چینی اور عقل کی پراگندگی نہیں ہوتی جیسے نیند اور استراحت کے ترک کر دینے سے (یہ امور پیدا ہوتے ہیں) اور علی ہذا القیاس کبھی ان کے ترک کر دینے سے اس امر کا خطرہ نہیں ہوتا کہ کسی شرعی حرام میں واقع ہو جائے جیسے جماع کے چھوڑنے سے (اس امر کا خطرہ ہوتا ہے) الغرض اس قسم کے امور کو کوئی عاقل حقوق نفس کے قبیل سے نہیں شمار کر سکتا پس معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے امور حظوظ نفس کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ اس قسم کے حظوظ سے زیادہ ان سے طالب کو پرہیز کرنا نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ رسیلی آواز اور صورت دلربا ایسی چیزیں ہیں جن کی لذت دل کی تہ میں گھس جاتی ہے اور ان کا اثر مدت دراز تک نفس کے دامن میں لگا رہتا ہے اور ان کی طلب میں نفس کو بڑا

حظوظ نفس سے مراد ایسی لذات ہیں جو نفسانی خواہشوں کا قرب باعث ہوتا ہے۔

جوش اور اضطراب رہتا ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے امور ان مباحات کی جنس سے ہیں جن میں درجہ امور محرمہ سے پیوند لگا ہوا ہے اور بعض وقتوں میں بعض شخصوں کو کھینچ کھانچ کر گناہوں تک لے جاتے ہیں مثلاً راگ کے سننے کے ساتھ دل کا کمال تعلق مزامیر اور باجوں کے سننے کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ کثرت سے اختلاط و تنہائی میں ان کے ساتھ بیٹھنا شہوت کے پیدا ہونے کا سبب ہو جاتا ہے چنانچہ اہل فطانت اور تجربہ کاروں پر پوشیدہ نہیں۔ اور اس قسم کے مباح امور سے پرہیز کرنا اہل تقوی اور نیکوکاروں کا شعار ہے چنانچہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون بصراحت مذکور ہے اور کسی شخص کو اپنے تقوی اور صلاح کے بھروسے پر ایسے امور میں قدم نہ ڈالنا چاہیے کہ کلام ہدایت التیام۔ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم[له] اس قسم کے شبہات کے دور کرنے میں شافی اور کافی ہے۔ ولیکن منتہیوں کے حق میں راگ کے سماع کا عادی ہونا ایک اور قسم کا نقصان پہنچاتا ہے اور امردوں کے ساتھ دل کا تعلق ایک اور قسم کا ضرر پہنچاتا ہے ولیکن سماع غنا کے عادی ہونے کا نقصان پس اس کی تفصیل ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے بیان اس کا اس طرح ہے کہ ہر انسان سلیم الوجدان اپنے باطن میں دریافت کر سکتا ہے کہ کیفیت غضبیہ اور ملکہ[ع] شجاعت دو علیحدہ علیحدہ امر ہیں اگرچہ ہر دو کے آثار اور احکام آپس میں ہم جنس اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں مثلاً تہور و قتل کہ غضب کے عارض ہونے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور ملکہ شجاعت سے بھی لیکن اول یعنی غضب جلدی زائل ہونے والے عوارض سے ہے اور اس سے افعال کا صادر ہونا بے انتظام ہوتا ہے اور ثانی ملکات راسخہ سے ہے اور افعال کا صدور اس سے انتظام اور استحکام کے ساتھ ہوتا ہے اور اول کیفیات مذمومہ سے ہے اور ثانی ملکات محمودہ سے پس کیفیت غضب کا طاری ہونا اور اس کے آثار کا صادر ہونا اگرچہ آثار شجاعت کے ظہور کا مخل نہیں بلکہ اس کا ممد ہے لیکن اس کیفیت کا غلبہ اور نفس پر اس کا مسلط ہو جانا اور اس کے مقتضی کی (اس طرح) پیروی کرنا کہ جس کا کام

له یعنی شیطان کا دخل انسان کے باطن میں ایسا ہے جیسے خون جو انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ ع ملکہ

اس خلق کو کہتے ہیں جو بلا تکلف انسان سے صادر ہو۔

غضب حکم کرے اسکو کر ہی ڈالے خواہ عقل اور عرف کے مطابق ہو خواہ مخالف اور ملکہ شجاعت کو بے رونق کر دیتا ہے اور جس طرح صاحب شجاعت متین با تمکین ہوتا ہے اسی طرح صاحب مغضب سبک مزاج اور بے وقار ہوتا ہے جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو چکا تو اب اصل مقصود میں غور کرنا چاہیے اور کمال تعمق سے نظر کرنی چاہیے کہ وہ جوش اور ہیجان کہ آواز خوش کے سننے سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتا ہے اگرچہ فی نفسہ امور قدسیہ الٰہیہ سے نہیں کیونکہ اس قسم کے حالات فاسقوں فاجروں بلکہ بدعتیوں اور کافروں کے نفس پر بلکہ سب حیوانات کے نفس پر وارد ہوتے ہیں لیکن انوار عبادات اور طاعات کے اختلاط اور خالق الارض والسموٰت کی محبت کی آمیزش کے سبب سے سالک راہ حق کے لئے بظاہر ایک قسم کی تائید سی معلوم ہوتی ہے اور عام طور پر حالات محمودہ سے شمار ہو جاتا ہے لیکن حب ایمانی کے آثار و مقامات کے سامنے اس کی وہی مثال ہے جیسے کیفیت غضبیہ کو شجاعت کے سامنے اور جس طرح سونے یا چاندی کے ٹکڑے کے نیچے آگ لگاتے ہیں تو آگ کی تیزی کی وجہ سے اس ٹکڑے میں ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے تاکہ پانی کی طرح ہو کر جھاگ اس پر ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کا خلاصہ نیچے بیٹھ جاتا ہے پس فی الحقیقت اس مطلوب وہی ہے جو نیچے بیٹھ جاتا ہے اور یہ جھاگ جو اوپر چڑھ آتی ہے کسی کام کی نہیں[1] فاما الزبد فیذہب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض اسی طرح راگ کے سننے سے جو جوش ظاہر ہو کر سننے والے کے تمام باطن کو گھیر لیتا ہے یہ منجملہ ان امور کے ہے جن کی طرف نفس کو رغبت ہوتی ہے اور احکام حبیبہ جو کہ انوار قدسیہ سے ملے ہوئے ہیں اس قدر ابھرتے ہیں کہ گویا آسمان پر سر بلند کرتے ہیں اور حب ایمانی کے احکام و آثار تہ میں بیٹھ کر پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور یہ ہیجان اور جوش امور معتد بہا میں کسی طرح کار آمد نہیں۔ ہاں ایک قسم کا طلسم ہے جو عالم ملکوت کے تماشائیوں کے نظارہ کے لئے ظاہر ہو گیا ہے پس اس قسم کے امور کے پیچھے پڑ جانا اور ان کے حاصل کرنے کے سببوں کا عادی ہو جانا حب ایمانی کے مقامات کو بے رونق کر دیتا ہے کیونکہ حب ایمانی کے صاحب کا کام سراسر اطمینان و تسکین اور وقار و تمکین ہے اور اہل وجد کا کام سراسر اضطراب اور پیچ و تاب ہے لیکن امردوں کے ساتھ دل لگانے کا نقصان پس اسکا

[1] وہ جو جھاگ ہو جاتا ہے سو کھو جاتا ہے اور جو کام آتا ہے لوگوں کے سو رہتا ہے زمین میں۔

بیان اس طرح ہے کہ ان کے حق میں اگرچہ حظوظ نفسانیہ سے محظوظ ہونا چنداں مضر نہیں لیکن تہ دل میں کسی چیز کا راسخ ہو جانا ان کے حق میں زہر قاتل ہے اور دل کا تعلق امر دوں کے ساتھ اسی قبیل سے ہوتا ہے یا اس کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے چنانچہ صاحب وجدان سلیم پر پوشیدہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکابر سالکان راہ حق سے جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اس قسم کے امور سے کچھ منقول نہیں بلکہ جو کچھ ان کے کلام ہدایت التیام سے اہل فطانت کے ذہن میں ظاہر ہوتا ہے وہ ان امور سے پرہیز و اجتناب کا اشارہ اور ان کی کراہت کا شعار ہے چنانچہ ماہرین اہل حدیث پر یہ امر پوشیدہ نہیں ولیکن جناب سرور کائنات علیہ التسلیمات والتحیات کا ان امور کی تحریم پر تصریح نہ فرمانا بھی ایک حکمت خاصہ پر مبنی ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ یہ امور وہ بالفعل مفاسد شرعیہ میں سے کسی مفسدہ پر مشتمل نہیں یا باوجود یکہ ان امور کی طرف نفس کی کمال رغبت کی وجہ سے اور محظوظات کے تمام ان اصناف میں ان کے کمال رواج کے سبب سے ان سے پرہیز کرنا عام لوگوں کے حق میں نہایت دشوار دکھائی دیتا تھا پس اگر اس قسم کے امور سے شریعت میں صریح نہی وارد ہوتی تو قطع نظر اس سے کہ ان امور کے سبب سے کوئی مفسدہ ظاہر ہوتا یا کوئی مضرت ان پر مرتب ہو محض ان امور کے کرنے سے ایک معصیت شرعیہ کا ارتکاب لازم آجاتا اور اکثر امت مرحومہ شقاوت عصیان میں گرفتار ہو جاتی بنا بریں صرف ان امور کی کراہت کے شعار پر اکتفا کی گئی۔ پس طالب راہ حق کو مناسب ہے کہ اس قسم کے امور کا عادی نہ ہو جائے اور اپنے دل کے سویدا میں ان کو جگہ نہ دے اور ان کی طلب میں سرگشتہ و بیقرار نہ ہو وے صمیم قلب سے ان کی طرف التفات نہ کرے ہاں اگر بطور اتفاق کبھی اس قسم کے امور پیش آجائیں تو ان کے انکار پر زور دینا چنداں ضروری نہیں اور اس کام کے کرنے والوں کے حال سے تعرض نہ کرنا چاہئے تا تشدد فی الدین اور تحریم حلال لازم نہ آئے اور اگر اپنے معتقدوں بلکہ تمام طالبان راہ حق پر جنہوں نے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں کمر ہمت چست کی ہوئی ہے اس امر کی کراہت ظاہر کرے اور اس سے ممانعت کا ارشاد کرے تو احسن و اولیٰ ہوگا بہر حال جن لوگوں نے ان امور کو قرب الٰہی کا وسیلہ جان کر عبادات شرعیہ کی مد میں داخل کر رکھا ہے پس یہ لوگ بلا شک اہل بدعت ہیں۔

دوسرا افادہ۔ جو کچھ اس کتاب میں تخلیہ (از اخلاق رذیلہ) اور تحلیہ (با خلاق حمیدہ) کا ذکر مرقوم ہوا ہے وہ دو وجہ پر متحقق ہوتا ہے وجہ اول طریقہ اصحاب یمین کا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مسلمان اپنے افعال اور اقوال کو میزان شرع سے تول کر ضروری مقدار تخلیہ اور تحلیہ کا حاصل کر کے اپنی سعی جمیل پر اجر جزیل کا امیدوار ہوتا ہے اور ان حظوظ نفسانیہ اور لذات جسمانیہ سے جو جائز و مباح ہیں۔ پرہیز نہیں کرتا مثلاً مال و منال کے جمع کرنے اور امتعہ و اقمشہ[لہ] کے فراہم کرنے میں نہایت کوشش کرتا ہے اگرچہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ نفقات واجبہ کے ادا کرنے اور قرض خواہوں کے وعدوں پر خرچ کرنے پر سستی اور تساہل نہیں کرتا علیٰ ہذا القیاس پس اس شخص کی سعی مشکور[لہ] ہوگی اور اس کا صاحب بقدر اعمال کے ماجور ہوگا اور اپنی طاعات و عبادات کے حساب پر جنت کے درجات سے کامیاب ہوگا۔ دوسری وجہ طریقہ سابقین ہے اس کا بیان اس طرح ہے کہ یہ لوگ صرف قدر ضرورت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی عالی ہمت کی بدولت کار عزیمت کو اختیار کرتے ہیں اور ما سوی اللہ سے اپنا تعلق قطع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال اور اپنے مسائل و اعمال اور جوارح و اعضا سے منقطع العلاقہ ہوتے ہیں اور ان سب چیزوں کو اپنے منعم حقیقی اور مولائے تحقیقی کا مال سمجھتے ہیں مثلاً اپنے ہاتھ کو اپنا ہاتھ نہیں جانتے اور اپنے سر کو اپنا سر خیال نہیں کرتے اور تمام حشمت و شوکت اور مال و منال اور تمام اسباب دنیا کو حضرت حق جل شانہ کا ملک سمجھ کر ان پر کسی قسم کا بھروسہ ہرگز نہیں کرتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں ان کے صرف کرنے میں کسی طرح کا دریغ اور قصور نہیں کرتے اور یہ وسوسہ ان کے خیال میں کبھی نہیں گزرتا کہ ہماری زندگانی اور معاش کس طرح گزرے گی مثلاً اگر انکو طعام کی طرف سخت حاجت ہو اور اس حال میں اس کے خیرات کر دینے میں اپنے مولائے حقیقی کی رضا سمجھیں تو اس کے خرچ کر دینے میں کچھ حرف نہ کریں گے حتیٰ کہ جو مشقتیں اور کوششیں انہوں نے اپنے مولیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کی ہیں ان کو بھی ہرگز اپنا ملک نہیں سمجھتے مثلاً اگر ان کے تمام اعمال حق جل و علا کسی سرکش کافر کو بخش دے یا بلا سبب نیست و نابود کر دے تو ہرگز گلہ کا حرف اور شکایت کی حکایت ان کے وہم و خیال میں بھی ہرگز نہ گزرے گی ہمارے اعمال مفت جاتے

لہ نفوس متبرکہ مستامرات یعنی اسباب ظاہرہ اقمشہ قماش کی جمع قماش یعنی فراش دیا جائے متعلق لہ یعنی انکی کوشش کی قدردانی کی جائے گی۔

رہے یا کوئی چیز نکل جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی بلکہ جانتے ہیں کہ مالک حقیقی نے اپنے خاص ملک میں تصرف کیا ہے ہمارا ان کاموں کے ساتھ کسی طرح کا کچھ علاقہ نہیں بلکہ ان اعمال کا ہمارے ہاتھ سے صادر ہونا اس چیز کی مثل ہے جیسے اس کا مالک ایک صندوق میں جو شخص اس کا مملوک ہے رکھ دے پس اس صندوق کو اس چیز سے ہرگز کسی طرح کا تعلق نہیں مثلاً اگر مالک اس چیز کو بالکل برباد کردے تو صندوق ہرگز اعتراض کی مجال نہیں بلکہ بعضے ان بزرگواروں کو ایسا مقام عطا فرماتے ہیں کہ اس مقام میں قیام کرنے کے لوازمات سے یہ بات ہے کہ اس مقام کے صاحب کے دل سے فوارہ کی طرح رحمت ربانی اور عام لوگوں کی خیر خواہی جوش زن ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر ان کو اطلاع ہو کہ ان کے بڑے بڑے اعمال بعضے گنہگاروں کو عطا فرما دیئے گئے ہیں اور انہیں اعمال کے سبب سے ان کا کاروبار درست ہوگیا ہے اور ان کا حال بدمآل رو باصلاح ہو گیا ہے تو البتہ ان بزرگوں کو ان کے اعمال کے ذریعہ ان گنہگاروں کی ہلاکت سے نجات پانے کے سبب سے بڑی خوشی اور فرحت پہنچتی ہے اسلئے کہ خدائے تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے نے ان کے اعمال کے سبب سے نجات پائی ہے چنانچہ شیخ سعدی شیرازی نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ العزیز کے احوال سے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگوار ایک رات مناجات میں اس بیت کے مضمون کو ادا فرماتے تھے۔ بیت

چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدی
مگر دیگراں را رہائی بُدے

القصہ جب یہ بھی امور دنیا وعقبیٰ سے تبری اور بے تعلقی اس کے دل کے اندر جائے گیر ہوجاتی ہے اور اس کی طبیعت کی تہ میں مستحکم ہوکر بیٹھ جاتی ہے اور مقام فنائے ارادہ پورا پورا اسے حاصل ہوجاتا ہے تو عنایت غیبی اس کو برگزیدہ کرکے بمنزلہ چیلہ خاص کے کردیتی ہے جس طرح کے بادشاہان ذوالاقتدار اپنے بعض مطیعین کو تمام رعایا سے ممتاز کرکے چیلہ خاص کا خطاب اسے دیدیتے ہیں پس جس طرح چیلہ خاص کو اپنے مولیٰ کی امتعہ واشیا میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت ہوتی ہے اور اپنے مولیٰ کی تمام سلطنت کو اپنی طرف نسبت دے سکتا ہے مثلاً بادشاہ ہندوستان کے چیلہ خاص کو پہنچتا ہے کہ کہے ہماری سلطنت شہر کابل سے لیکر سمندر کے کنارہ تک ہے اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال

اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون و مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگواروں کو پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے اور سب چیزوں کی طرف ہماری نسبت مساوی ہے یا اس طرح کہیں کہ کسی چیز کو ہمارے ساتھ خصوصیت نہیں کہ وہ چیز ہماری طرف منسوب ہو اور اس کے سوا دوسری چیزیں ہماری طرف منسوب نہ ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

تیسرا افادہ۔ جو حالات و مقامات اور فضائل اس رسالہ میں مندرج ہیں جو شخص ان سے متصف ہو جائے یا صرف انکی دریافت علمی سے بہرہ مند ہو جائے اس کو لازم ہے کہ ان مومنوں کی تعظیم و تکریم اور حق شناسی میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے جو ان امور سے[1] عاطل اور غافل ہیں بلکہ ہر ایک کے حال کے مطابق اس کی تعظیم کا حق بجا لاوے۔ کیونکہ ہر مسلمان اللہ جل شانہ کا نام پاک لینے سے کوتاہی نہیں کرتا پس اولاً تو عظمت اس نام کی خاطر اس کی تعظیم کرنی چاہیئے یہ نام پاک نہایت جلیل القدر نام ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز وزن نہیں رکھتی اور اس کی کنہ کمال میں ادراک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے اجر و ثواب کی نہایت نہیں ثانیاً اپنے ابتداء اور انجام کے حال کا لاحظہ کرکے تکبر کی بُری صفت سے بری ہو کر اپنا پایہ پست کرے کیونکہ ابتدائے آفرینش میں ہر کوئی محض بے عقل اور بالکل ناکارہ ہوتا ہے۔ اور انجام کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا پھر اپنے حق میں خود بینی کس بھروسہ پر کرے ثالثاً حضرت حق جل شانہ کی عموم رحمت کے لحاظ سے ہر ایک کی تعظیم میں کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ اس کی رحمت و قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایک لمحہ میں انسان کو خواہ مومن ہو خواہ کافر قطب الاقطاب بنا دے پس کافر کو ایک لمحہ میں نعمت ایمان سے نواز کر کے اسی وقت اس کو نعمت قطبیت سے مشرف کرے اور اس کی رحمت اور انعام محنت اور استعداد پر موقوف نہیں بلکہ محنت اور استعداد دیکھیں اس کے انعام عام ہیں سب پر اگر کسی کو بڑے عرصہ میں نہایت سخت سخت محنتیں کرنے کے بعد کوئی نعمت عطا ہو تو یہ خیال نہ کرے کہ بخشش الٰہی بلا محنت کے سوا کسی کو حاصل ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ اس سے جزا بدرجہ بڑھ کر بلا محنت ایک لحظہ

---

[1] عاطل یعنی خالی ہو ان صفات سے موصوف نہیں ہوئے۔ غافل بیخبر ہو۔

یں عطا فرمائے کسی نے خوب کہا ہے۔ بیت

دادِ حق را قابلیت شرط نیست — بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

چوتھا افادہ۔ جاننا چاہیے کہ جو کچھ تہذیب اخلاق یعنی خصائل رذیلہ سے اپنے نفس کو خالی کرنا اور اخلاق فاضلہ سے اپنے آپ کو موصوف کرنا اور اصلاح اعمال و عبادات کے متعلق پہلے تفصیل وار بیان ہو چکا ہے یہ سب کچھ اس شخص کے حق میں ہے جو خدائے تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اور باوجود رضائے مولیٰ کے حضرت ذوالجلال کی بارگاہ میں مقبولیت اور عزت اور اقبال حاصل کرنا چاہے اور مطلق نجات کا دارومدار ان امور پر منحصر نہیں بلکہ نجات کا مدار صرف کلمہ (توحید) پر ہے کہ صدق دل اور اعتقادِ درست سے پڑھ لے اور شرک سے عقیدہ اور کلمہ کفر سے بچتا رہے اگرچہ بڑے بڑے کبیرے گناہ جیسے زنا وغیرہ اُس سے صادر ہو جائیں لیکن جس شخص نے تصدیق کامل اور اذعان دل سے کلمہ (اسلام) کہہ لیا وہ ضرور نجات پائیگا اور بہشت میں پہنچے گا اور جو شخص کلمہ کے مضمون پر اعتقاد کامل اور تصدیق صحیح رکھتا ہوگا وہ ضرور سب کر ناشائستہ کاموں کو قبیح ہی جانے گا اور دل میں ان سے بیزار اور پشیمان ہی ہوگا گو بالکل ان کو ترک نہ کریگا بلکہ ہر روز چند بار بلکہ سو سو بار ان کا مرتکب ہو اور گناہوں کا ارتکاب بھی مختلف صورتیں رکھتا ہے پس گناہ کا ارتکاب اس صورت سے کہ گناہ کرتا جائے اور عین مشغولی گناہ کی حالت میں خدا تعالیٰ کو غفور رحیم جانے اور یہی جانتا گناہ کرنے پر اس کی دلیری اور جرأت کا موجب ہو جائے یہ صورت ارتکاب معاصی کی صورتوں میں سے بدترین صورت ہے کیونکہ اس صورت سے گناہ کرنا گویا حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے استہزا کرنا ہے معاذ اللہ من ذلک

یہ صورت مرتکب گناہ پر غضب الٰہی کے متوجہ ہونے کی باعث ہو جاتی ہے اور جو شخص گناہ کرنے کے وقت میں اپنے آپ کو ہلاک شدہ اور گیا گذرا ہوا اور مستحق عذاب کا جانتے گو بعد میں توبہ بھی نہ کرے اس شخص کا انجام انشاء اللہ تعالیٰ نیک ہوگا اور اس کی نیک انجامی کا تعین مشیت خداوندی کے حوالہ ہے اگر چاہے تو اسے ایسے نیک عمل کی توفیق دیدے جو تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور سب خطاؤں کو محو کر دے یا کسی شفیع کو اس کی شفاعت کی توفیق اور قوت دے کر اس کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائے یا بدوں ان دونوں امر کے کسی طور پر اس کی

امرزش کر دے یا اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں یا قبر میں یا حشر میں یا جہنم میں بھگتا کر بہشت میں پہنچا دے۔

پانچواں افادہ ۔ چونکہ مرد مسلمان کی زندگی اور موت سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے مطابق ہونا کمال ایمان کی علامت ہے اور زندگانی میں تو اس کے کام کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے اور موت کے بعد مردہ بدست زندہ ہوتا ہے جو کچھ اغیار چاہتے ہیں کرتے ہیں لہٰذا مرد مسلمان محب سنت اور مبغض بدعت کو چاہیے کہ جس وقت قریب الموت ہونے کے آثار نمودار ہونے لگیں توبہ استغفار کر کے اپنے ایمان کو ارحم الراحمین کے سپرد کر دے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا ہر وقت میں معین و مددگار ہے اور ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنا ایمان ہر وقت و زمان میں اس کے حوالہ اور سپرد کر رکھے لیکن اس کو اس وقت کام میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے کہ غفلت اور بے ہوشی کے طاری ہونے کا وقت ہے اور اپنی تجہیز یعنی گور و جنازہ و دفن و کفن کے واسطے وصیت تجویز کر کے لکھ کر نگاہ رکھے اور دفن کرنے والوں کو اس بات پر آگاہ کر دے کہ جو شخص کوئی عمل خلاف طریقہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میری تجہیز و تکفین اور دفن میں کرے گا قیامت کے دن اس سے مواخذہ کروں گا اور خداوند تعالیٰ کے روبرو اس کا دامن پکڑوں گا اور معاملہ دفن و کفن میں جس بدعت کا رواج ہو نہایت اہتمام سے اس کی ممانعت کرے جیسے قبروں پر قبہ بنانا اور چونہ ۔ گچ لگا کر قبروں کو پختہ کرنا اور مقبروں کی سجاوٹ میں تکلف کرنا اور چراغ جلا کر روشنی کرنا کیونکہ یہ اعمال لعنت کے موجب ہیں خصوصاً جس جگہ ان کو اعمال صالحہ سے شمار کرتے ہوں اعاذنا اللہ و جمیع المؤمنین من البدعات و رزقنا اتباع المصطفیٰ فی جمیع الحالات ۔

تیسرا باب راہ ولایت کے سلوک کے طریقے کے بیان میں

اور یہ باب چار فصل اور ایک تکملہ پر مشتمل ہے

پہلی فصل طریقہ قادریہ کے اشغال کے بیان میں ۔ اور یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے

تمہید اشغال طریقہ قادریہ کا خلاصہ مع کسی قدر تغیر کے جو سہولت سلوک اور جلد کامیاب ہونے کا موجب ہو۔ اور نہایت کے ہدایت میں درج ہو جانے کا اثر اس میں ظاہر ہو، اسی

فصل میں تحریر کیا گیا اور چونکہ تمام اشغال ذکر اور فکر میں مندرج ہیں اس لیے اس فصل کو دو ہدایت پر تقسیم کیا گیا۔

پہلی ہدایت ذکر کے طریقوں کے بیان میں

اور یہ ہدایت چار افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ:- پہلے پہل ذکر یک ضربی کرنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے بڑی شدت اور بلند آوازی سے نکال کر اپنے منہ کے سامنے ضرب لگائے اور اس لفظ مبارک کا تلفظ کرتے وقت ایسا خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ ایک نور اس کے منہ سے نکلا ہے اور جس وقت ضرب تمام ہو جائیگی اس وقت ایک بس اس آواز گھڑیاں کی آواز کی طرح خیال میں رہے گی بیان اس کا یہ ہے کہ جب انسان زور سے بلند آوازی کے ساتھ کوئی آواز نکالنا چاہتا ہے پہلے اس سے کہ کوئی سنائی دینے والی آواز پیدا ہو ایک جنبش ظاہر ہوتی ہے اور اس جنبش کو صوت خیالی کہہ سکتے ہیں اور جس وقت زور کی جہری آواز تمام ہو جاتی ہے اس کے تمام ہونے کے بعد اور پہلے اس سے کہ دم اپنی جگہ پر آ جائے اور منہ اور لب اور زبان کی ہیئت وشکل اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرے ایک ایسا امتداد صوتی خیال میں رہتا ہے۔ کہ کان کو اس کے سننے سے کچھ حصہ نہیں لیکن آواز کرنے والا جانتا ہے پس اس پچھلی آواز متخیل کو زیادہ تر کھینچے اور اس آواز کے ساتھ نور متخیل کو زیادہ لمبا اور پھیلا ہوا چادر نورانی کی طرح بنا کر اپنے منہ کے سامنے سے سر پر ڈالے اور تمام بدن کو سر سے پاؤں تک اس کے ساتھ احاطہ کرے پھر اس آواز متخیل سے بھی سکوت اور خاموشی اختیار کر کے اس طرح خیال کرے کہ چادر نورانی ہر طرف سے اس کے بدن میں اندر چلی گئی ہے اور سینہ کے وسط میں جا کر جمع ہو گئی ہے اور پھر چند بار بسبب تکرار اس نور کے تہ بر تہ ہو کر تمام جسم کی جگہ وہی نور قرار پکڑنے گا اور اس کے سکوت میں اپنے لحاظ کو ذات بحت کی طرف متوجہ کرے اور پھر اس لحاظ کے ٹھہرنے اور نور کے سینہ میں جمع ہونے کے بعد پھر اسی طرح ذکر کرے اور اس ذکر کو کثرت سے لگاتار کرتا رہے۔ تاکہ قابو میں آجائے۔

دوسرا افادہ۔ ذکر یک ضربی کے راسخ ہونے کے بعد طریق مسطور ذکر دو ضربی شروع کرے اس کا طریق اس طرح ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے زور سے بلند آواز کے ساتھ نکال کر داہنے زانو میں ضرب کرے پھر ثقیل آواز کے امتداد کو آہستگی سے داہنے کندھے تک کھینچ کر وسط سینہ میں پہنچائے اور اس طرح خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ نور بر آمد ہوا ہے اور زانو اور پہلو اور کاندھے اور داہنے ہاتھ کی جا بجا تمام وہ نور ہو گیا ہے یعنی یہ سب اعضا باطل و نابود ہو گئے ہیں اور اس نور نے ان کی جگہ لے لی ہے پھر ذرا سی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں نور کا اعضا مذکور کے جا بجا ہونا لحاظ میں رکھے تا اس کے ذہن میں اس نور کی صورت جا بجا ان اعضا کے خوب بیٹھ جائے بعد ازاں اس لفظ کو اس نور کے ہمراہ سینہ کے وسط سے داہنے شانہ تک کھینچ کر دل پر شدت اور زور سے ضرب لگائے اور ایسا خیال کرے کہ وہی نور جو اس کے داہنے جانب پر محیط ہو گیا تھا دل میں اتر گیا ہے پھر تھوڑی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں اس طرح خیال کرے کہ وہی نور جو اس کے دل میں اتر گیا تھا اس شخص کے تمام بدن کے اندر سرایت کر گیا ہے۔

تیسرا افادہ۔ طریقہ ذکر سہ ضربی کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب داہنی طرف میں اسی طریق سے لگائے جو مذکور ہوا اور دوسری ضرب بائیں جانب میں اسی طریق پر لگائے اور تیسری ضرب دل میں لگا دے۔

چوتھا افادہ۔ ذکر چار ضربی کا طریق یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب طریق مذکور پر داہنی جانب میں لگا دے اور دوسری بائیں جانب میں اور تیسری دل میں اور چوتھی اپنے روبرو لگا دے اس وضع پر کہ اس چوتھی ضرب کے ساتھ یہ خیال کرے کہ گویا جو نور اس کے ساتھ بر آمد ہوا ہے نیچے سے احاطہ کرتا ہے تا کہ اس شخص کو سارا گھیر لیا ہے اور وہ شخص بالکل اس میں محو اور مستغرق ہو گیا ہے بلکہ اس شخص کے بدن کی جگہ وہ نور قرار پکڑتا ہے۔ فائدہ۔ اس طریق مذکور پر اس ذکر کی غایت اور نتیجہ یہ ہے کہ اسم ذات کے ذکر کا اثر ذاکر کے تمام بدن پر اجمالاً و تفصیلاً احاطہ کرے اور بشریت کی ظلمت تمام بدن سے محو ہو گا اور اعضائے مذکورہ سے خصوصاً نکل جائے گا اور قوائے جسمانی کی تنبیہ ہو جائے اور فکر ذکر کے ساتھ مخلوط ہو جائے اور ذکر سے مراقبہ کی طرف انتقال

کرنے میں قریب تر ہو خلاصہ یہ کہ جب افکار چہارگانہ کے آثار یک طرفی سے نے کر چہار طرف تک ظاہر ہو جائیں اس وقت فکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے۔

دوسری ہدایت اقسام فکر کے بیان میں

اور یہ سات افادے پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ پہلا مراقبہ وحدانیت کا مراقبہ ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کو کہ لاشریک لہٗ اس کا مبین ہے ہر جگہ لحاظ کرے کہ ہر زمان و مکان میں وہی ذات پاک یگانہ و یکتا موجود ہے اور اس ملاحظہ کی تین صورتیں خیال میں گذرتی ہیں اول یہ کہ ہر چیز کی نفی کرکے اس کی جگہ حق تعالیٰ کے وجود کو سمجھے دوسرے یہ کہ وجود حق تعالیٰ کو ان چیزوں کا عین خیال کرے یہ دو طریق مراد نہیں ان دونوں طریق سے پرہیز اور اجتناب کو لازم سمجھے اور تیسری صورت جو اس جگہ مراد ہے وہ یہ ہے کہ اس کے وجود کو یگانہ اور تمام اشیاء کا غیر ہر جگہ میں تصور کرے نہ ان چیزوں کی نفی کرے اور نہ ان کو عین خداوند تعالیٰ کا جانے مثال اس کی اس طرح ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس معنی سے فارسی میں لفظ "ہست" کے ساتھ اور ہندی میں لفظ "ہے" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ معنی ہر جگہ موجود ہے اور کسی چیز کا عین نہیں بلکہ ہر چیز کا غیر ہے باوجود آنکہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں۔

دوسرا افادہ۔ مراقبہ وحدانیت کے استحکام اور استقرار کے بعد مراقبہ صمدیت کرے اور اس کے دو مرتبے ہیں ایک ابتدا اور ایک انتہا اس کی ابتدا سے تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام چیزوں کے لیے محتاج ہوئے اور اس کے تمام اشیا سے مستغنی اور بے نیاز ہونے کا اجمالاً ملاحظہ کرے پس جب یہ مرتبہ محکم ہو جائے تو اس کے انتہا کے حاصل کرنے کی طلب کرے اور اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے محتاج ہونے کا اس کی طرف تمام امور معاش و معاد میں تفصیل وار ملاحظہ کرے بایں طور کہ یہ ملاحظہ نہایت محبت اور الفت اور نہایت عجز اور زاری کے ساتھ ممتزج اور ملا ہوا ہو یعنی اس طرح ملاحظہ کرے کہ مجھے ہر چیز میں اس کی طرف حاجت ہے اور اسکی امداد اور اعانت کے بغیر کسی کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا خواہ بڑا کام ہو یا سہل اور ہلکا سا کام ہو امور معاش سے ہو یا معاد سے اور اس مراقبہ سے اس کو بڑی الفت اور محبت اور ایک رجوع جناب کبریائی میں

حاصل ہو جائے گی کہ اپنی جان اور مال اور عزت و آبرو کو اس کی مرضی میں بلکہ صرف اس کے نام پر اور اس کا حصول اور آسان معلوم ہو گا بلکہ اس کو اپنے فخر و افتخار اور عزت اور مرتبے کی ترقی کا سبب شمار کرے گا۔ اور یہ امر اس کے اعتقاد میں بخوبی مستقر و مستحکم ہو جائے گا مثال اس کی اس طرح ہے کہ جس شخص کو ہمیشہ سے کسی بادشاہ کی طرف سے انعام و جاگیریں موروثی اباً عن جدٍّ ملی ہوئی ہیں اور تمام اس کی معاش اور عزت و افتخار کا کاروبار انہیں کے وسیلہ سے بنا ہوا ہے اگر اس بادشاہ کی طرف سے کسی کام کے سرانجام کے لئے مامور ہو تو اس کے بہم پہنچانے میں جانبازی کو بھی اپنا فخر سمجھے گا اور اس مراقبہ سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی بخوبی ذہن نشین ہوتے ہیں اور اس مراقبہ کے ثمرات سے توحید الٰہی کا انکشاف ہے کہ باوجود کثرت انعام اور کثرت کارکنندوں کے صاحب اس مراقبہ کو ایک ہی فاعل اور ایک ہی موثر ہر فعل اور ہر جنبش سکون میں ظاہر ہو جاتا ہے اور فاعل حقیقی کی ذات پاک ہے۔

تیسرا افادہ۔ اس مراقبہ کے بعد شغل دورہ کرے اور اس شغل کے چار اسم ہیں اسماء حسنیٰ سے سے یعنی سمیع اور بصیر اور قدیر اور علیم ان چاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ اسم ذات کو ضم کرے پس مراقبہ کے طور پر بیٹھ کر خاطر کو جمع کرکے حضور دل سے اپنے خیال میں کھینچے کہ اَللّٰہُ سَمِیْعٌ اور اس ناف سے "جو لطیفہ نفس کا مقام ہے" وسط سینہ تک کھینچے جو لطیفہ سر کا مقام ہے اور اسی طرح سمجھے کہ اس کی روح جو تمام بدن میں ہر چیز کے سمجھنے اور ادراک کرنے والی چیز صرف [illegible] ہے اکٹھی اور فراہم ہو کر ذکر مذکور کے ہمراہ ناف سے وسط سینہ تک پہنچ گئی ہے اور اگر ناف سے وسط سینہ تک روح کا انتقال کرنا اس پر دشوار ہو تو ایسا خیال کرے کہ ان دونوں اسموں یعنی اللہ اور سمیع کے درمیان اسی طرح گھری پڑی ہے کہ لفظ اللہ اس کے اوپر ہے اور سمیع اس کے نیچے ہے پس اس تدبیر سے روح کا انتقال ان دونوں اسموں کے انتقال کے ہمراہ آسان ہو جائیگا پھر اللہ بصیر کے ہمراہ بطور مذکور لطیفہ اخفیٰ تک جس کا مقام سر میں تالو کے مقابل میں ہے پہنچا دے پھر اَللّٰہُ قَدِیْرٌ کو اخفیٰ سے چوتھے آسمان تک پہنچا دے اور اپنی روح کو اس کے تابع اور ہمراہ کرے پھر اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کو وہاں سے عرش معلی تک پہنچائے اور اس ذکر کی استعانت سے روح کو چوتھے آسمان سے عرش مجید تک ترقی دے اور چاہیے کہ تیسری

اور چوتھی منزل میں یعنی چوتھے آسمان اور عرش مجید پر روح کو کچھ دیر تک یعنی گھڑی آدھ گھڑی تک جتنا ہو سکے ٹھہرا کر اس جگہ روح کو چپ و راست دور و سیر کرائے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان مقاموں میں بار روح کا ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے بلکہ بوجھل چیز کی طرح خود بخود نیچے گر پڑتی ہے پس اس چیز کی تدبیر اس طرح ہے کہ چڑھنے کے وقت آسمانوں میں سوراخ کے طور پر خیال سا راستہ بن جائیگا تو وہاں روح کے ٹھہرنے اور اقامت کرنے کے لئے اس راستہ کو خیال کی کوشش سے بند کرے تاکہ روح اس جگہ توقف کرے۔ پھر انہیں بدقوں کے ساتھ عرش مجید سے لطیفہ نفس تک اسی وضع و ترتیب سے جو مذکور ہو چکی ہے نزول کرے اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کے ذکر کے ساتھ عرش سے چوتھے آسمان تک اور اَللّٰہُ قَدِیْرٌ کے ذکر کے ساتھ چوتھے آسمان سے لطیفہ اخفیٰ تک اور اَللّٰہُ بَصِیْرٌ کے ذکر کے ساتھ اخفیٰ سے سر تک پھر اَللّٰہُ سَمِیْعٌ کے ذکر کے ساتھ سر سے لطیفہ نفس تک اترے اور آہستہ آہستہ اس ذکر کو زیادہ کرے تاکہ اس کے آثار ظاہر ہوں منجملہ اس کے آثار کے ذاکر کی روح کی نورانیت ہے اور ارواحِ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ اور لوح محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات منکشف ہونا اور انہی امور کی خاطر روح کو آسمان پر ٹھہرا کر وہاں دور و سیر کرانا مناسب ہے۔ اور وہاں کے عجائبات کا دیکھنا مختلف طور پر واقع ہوتا ہے ہر کوئی بموجب اپنی قوت ادراک اور اپنی استعداد اور اپنے حال کے مناسب دیکھتا ہے اور ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے ضمن میں ان کے ساتھ ہم کلامی کا موقع بھی مل جاتا ہے اور کبھی کسی نیک صلاح پر جو سالک کی راہ کے مفید ہوتی ہے یا اور کسی امر پر اس کو اطلاع دیتے ہیں اور اس کی بدولت سالک کو ایک قسم کی لطافت اور ذاتِ پاک الٰہی کے ساتھ قرب اور انس میسر ہو جاتا ہے اور اپنے جسم سے بیگانگی سی حاصل ہو جاتی ہے اور ایک قسم کی نورانیت بہم پہنچتی ہے جو کہ شغل نفی میں اعانت و امداد کرتی ہے اور ہر چند روح بشری عالم قدس اور سمٰوات میں عروج کرنے کے قابل نہیں لیکن ذکر الٰہی اس کا بدرقہ ہو گیا ہے پس جہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بدرقہ مذکورہ کی معاونت سے پہنچ

جاتی ہے۔

چوتھا افادہ۔ بعد ازاں شغل نفی کو شروع کرے بیان اس کا یہ ہے کہ بمقتضائے فرمودہ خداوندی اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1] انوار الٰہی ہر جگہ موجود ہیں جس طرح کہ وجود حق ہر جگہ ثابت ہے چنانچہ مراقبہ وحدانیت میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور انوار اس وجود کو لازم ہیں پس جس جگہ وجود ہے اس جگہ انوار بھی متحقق ہیں اور جس طرح وجود کا احاطہ معلوم ہو چکا ہے اسی طرح اس کے انوار کا وجود سمجھنا چاہئے اور باوجودیکہ انوار سب جگہ موجود ہیں لیکن انسان کی قوت دراکہ اشیائے کثیفہ ظلمانیہ یعنی اجسام فلکی و عنصری[2] کے خیالات کے اختلاط کی وجہ سے ان کے ادراک سے محجوب اور محروم ہے نہ انوار کی غیبت اور دوری کی وجہ سے اور ذات بحت تک واصل ہونے کیلئے حجب کا طے کرنا جن سے مراد انوار ہیں ضروری امر ہے اور اکثر لوگوں کے حق میں بدوں ان کے ادراک کے ان کا طے کرنا محال ہے اور جو بعض بلند فطرت والوں کو بدون انکشاف انوار کے ذات بحت کا وصول میسر ہو جاتا ہے پس یہ اکثر لوگوں کے انکشاف انوار کی طرف محتاج ہونے میں قادح نہیں کرتا پس ان انوار کے ادراک کے لئے اپنی قوت دراکہ کو خیالات مذکورہ سے پاک اور صاف کرنا چاہئے تاکہ انوار الٰہی مدرک ہو جاویں اور جوں ہی طالب کی قوت دراکہ کا آئینہ خیالات مذکورہ کے زنگ سے مصفا اور مصقول ہوگا فوراً وہ انوار ہر جگہ موجود ہیں بلا دقت دریافت ہونے لگ جائیں گے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شغل نفی کرے اور شغل نفی کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے خیال سے اشیا کو نیست و نابود کرے اگرچہ فی الحقیقت کوئی چیز نیست نہ ہوگی اور حقیقۃً اشیاء کو نیست و نابود جاننا بالکل خیال باطل اور محض جھوٹا وہم ہے جو کچھ موجود ہے وہ موجود حقیقی تبارک و تعالیٰ کے موجود کرنے سے موجود ہے اور اس کے وجود پاک کے ساتھ ہر موجود چیز کو ایک خاص ربط حاصل ہے جب کسی چیز کے وجود کی فی الواقع نفی کرنا ممکن نہیں اور اس امر کا مقصد کرنا گویا خالق تعالیٰ کا مقابلہ کرنا ہے علاوہ ازیں نفی واقعی کے ساتھ کوئی غرض بھی متعلق نہیں کیونکہ غرض تو اپنے مدرکہ کا صاف کرنا ہے

[1] اللہ آسمانوں کی اور زمین کی روشنی ہے [2] یعنی اشیاء کثیفہ ظلمانیہ جیسے اجسام فلکیہ و عنصریہ کے خیالات۔

جب مدرکہ صاف ہوگیا اپنا مدعا حاصل ہو جائے گا نفی واقعی سے کچھ مطلب نہیں ہر چند تمام عالم کی نفی کرنا ایک دشوار سا کام نظر آتا ہے لیکن اس جگہ صرف دو مرتبے ہیں اور بس کیونکہ تمام عالم کی نفی اور عالم کے ایک جزء کی نفی برابر ہے انسان کو اپنے خیال کا ایک چھپر کے پر سے خالی کرنا اور تمام افلاک سے خالی کرنا یکساں ہے ہاں البتہ اپنے وجود کی نفی کرنا ایک مشکل سا کام ہے اسلیے نفی کے دو مرتبے مقرر کرنے چاہئیں اول اپنی نفی دوسری تمام عالم کی نفی اور دوسرے مرتبہ کے بہ نسبت پہلے مرتبہ کے دشوار ہونے کا سبب یہ ہے کہ قوت مدرکہ اپنے آپ کے علم اور دانست سے ہر وقت مشغول رہتی ہے اور اپنے غیر کا دریافت کبھی کبھی ہوتا ہے پس دوسری نفی میں کسی چیز کو اپنی قوت مدرکہ میں داخل ہونے سے منع کرنا ہے اور پہلی نفی میں جو چیز قوت مدرکہ میں قرار پذیر اور جا گیر ہو چکی ہے اس کا نکالنا چاہتا ہے پس باہر کی چیز کو داخل ہونے سے روکنے اور اندر گھسی ہوئی چیز کو باہر نکال لینے میں جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں کہ اول بہ نسبت دوسری کے بہت جلد اور آسان ہے یا اس کا فرق اس طرح سمجھنا چاہئے کہ جس شخص نے بارش کبھی کبھی دیکھی ہو اس کو بارش کی نفی کرنا آسان ہے بہ نسبت اس شخص کے جو عین بارش میں کھڑا ہے اور متواتر قطرے اس کے بدن پر پڑ رہے ہیں بنا بر علیہ خود اپنی نفی میں جسم کی نفی سہل تر ہے لیکن جسم کے جس مقام پر علم اور دانست کا قرار ہوتا ہے اس کی نفی دشوار تر ہو جاتی ہے اور کبھی سر کی نفی جو کہ ادراک اور اظہار کا مقام ہے مشکل ہو جاتی ہے اور بعض لوگوں کو جو کہ اپنے سانس اور دم کی آمد و رفت پر زیادہ مطلع رہتے ہیں ان کو اپنے حلق اور سینہ کی نفی سخت مشکل پڑتی ہے الغرض جس چیز پر آگاہی اور اطلاع زیادہ تر ہو اس کی نفی بھی مشکل اور سخت تر ہوتی ہے پس پہلے پہل تمام عالم کی نفی کر کے پھر اپنی نفی کرے اور اس جگہ کی نفی سے شروع کرے جس کی نفی دشوار معلوم ہوتی ہو کہ اس عضو کی نفی سے یکبارگی تمام بدن کی نفی ہو جائے گی اور اصل اور عمدہ نفی کے حاصل کرنے میں کسی طرح صاحب نفی کی توجہ ہے کہ اپنی نفی کرنے کی ہمت کے ساتھ متوجہ ہو کر التقا کرے اور اس کام میں جو جاری ہے اول اول نفی کا ظہور مختلف صورتوں سے ہوتا ہے کہ سینہ اور شکم کے مقام میں اول ایک خلا سا معلوم ہوتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو بے سر گمان کرتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو

؎ [illegible] اور خالی ہونا۔

بغیر دونوں ہاتھوں کے خیال کرتا ہے اور کبھی سمجھتا ہے کہ میں چھوٹا سا ہو گیا ہوں اور کبھی اپنے آپ کو بغیر ضخامت اور جثہ کے ایک طول کا طول خیال کرتا ہے گویا ایک گوشت کی نلکی سی ہے کہ دم بدم لمبی اور باریک ہوتی چلی جاتی ہے اور سہل طریقہ تصور کا یہ ہے کہ اپنے سینہ یا شکم میں خلا کا خیال کرے جس طرح توپ کا گولہ ایک طرف سے دوسری طرف چلا جاتا ہے اور بدن سے اس مقام کو خالی چھوڑ جاتا ہے پھر اس خیالی سوراخ کو آہستہ آہستہ فراخ تر اور کشادہ تر کرتا جائے تاکہ انجام کو پہنچے اور اس کی سخت ترین صورت یہ ہے کہ ایک معنوی غیبی چیز جس سے مراد فنا ہے عالم غیب سے اس کی طرف متوجہ ہو کر یکبارگی اس کے جسم کو نیست و نابود کر دے جیسے سخت پتھر ایک کمزور ٹھیکری پر پڑ کر اس کو چور کر دیتا ہے اور کبھی اس کا تصور اس طرح سے بھی کر سکتے ہیں کہ اس کی جان نکل گئی ہے یا گوشت کا ٹکڑا جس کا نام دل ہے وہ اس کے وجود سے نکل کر معدوم ہو گیا ہے اور چونکہ جسم بغیر جان اور دل کے باقی نہیں رہ سکتا پس وہ جسم بھی بے جان ہو کر مضمحل ہو گیا ہے اگرچہ اس کام کے واقف کے نزدیک ان مختلف صورتوں کا بیان کرنا تطویل بلا طائل ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عمل نفی کا معنی بیان کرنے سے اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کا تعین کسی بڑے زیرک قوی الذکا کو بھی میسر نہیں ہوتا اور گاہ گاہ باوجود دریافت کرنے بہت سی صورتوں کے کند ذہن غافل کو کبھی ان مذکورہ صورتوں کے علاوہ کوئی اور ہی صورت ظاہر ہوتی ہے غرض کہ اس کی مختلف صورتوں کا دریافت کرنا فائدہ سے خالی نہیں جس وضع پر اس کا استعداد ہموار ہو اس کو بخوبی اپنے خیال میں پکڑ کر اس کے زیادہ کرنے میں کوشش کرے تاکہ تمام بدن کی نفی انجام کو پہنچے اور نفی کی دشواری کے وقت میں کلمہ لا موجود الا اللہ ولا فاعل الا اللہ کو دونوں کلموں کے معنی سمجھ کر جس جگہ کی نفی مشکل ہو رہی ہے اسی جگہ پر قوت خیال کے ساتھ ضرب کرے انشاء اللہ یہ شغل اس کے لیے کافی ہو گا ۔ اور بعض اہل نفی کے ایک اس قسم کا خلا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر خیال کرے کہ تلوار کی ضرب اس کے بدن پر لگے تو بدن اس کا مانع اور مزاحم نہ ہو گا جس طرح خلا میں سے ضرب خالی نکل جاتی ہے اسی طرح اس کے درمیان سے خالی کی خالی نکل جاتی ہے اور کبھی ایک تاریکی

تطویل بلا طائل بے فائدہ کلام کو طول کرنا ۔

کاجل کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کے ارد گرد ایک نورانی چمک باریک خط کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ خط نورانی مکدر اور تاریکی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جیسے شعلہ آگ کا کنارہ دھوئیں کے اختلاط کے سبب سے بہت باریک اور مکدر دکھائی دیتا ہے اور نیز وہ خط نورانی بالاستقلال نہیں محسوس ہوتا بلکہ تاریکی کے ضمن میں دریافت ہوتا ہے اگر اس کی طرف مستقل کی نظر متوجہ کریں تو اسی وقت معدوم ہو جاتا ہے اور سوائے تاریکی کے کوئی دوسرا امر کچھ نہیں ہوتا پس اس تاریکی کا نام رکھتے ہیں نور نفی اور اس شغل کی نفی کو بخوبی مزاولت کرنا چاہئے کہ امور مکدرہ سے جو خس وخاشاک کے حکم میں ہیں اسی شغل کے سبب سے طالب کا ذہن مصفیٰ ہوتا ہے اور سالکوں کو اکثر اوقات اس شغل کی حاجت پڑتی ہے۔ فائدہ۔ طالب کو چاہئے کہ شغل نفی کے ساتھ مشغول ہونے کے دنوں میں شغل یادداشت بھی کرے اور اس کی حقیقت شغل دائمی ہے ذات بیچون وبیچگون کی طرف نشست وبرخاست اور کسب وکار اور مصیبت وآزار اور کھانے پینے وغیرہ ہر وقت میں ادھر ہی دھیان لگا رہے۔ بایں طور کہ کوئی امر اس التفات سے مانع نہ ہو جیسے جب کسی شخص کو کسی چیز کی محبت یا کسی کام کا اہتمام دل میں راسخ ہو جائے تو حوائج ضروریہ اور اعمال معاشیہ کے عین اشتغال کے وقت اس کا دل کہ بیشک اسی امر کی طرف متوجہ رہتا ہے چنانچہ ہر صاحب وجدان پر پوشیدہ نہیں پس جو لوگ حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں ان کو چاہئے کہ شغل مذکورہ کو اپنے وجدان سے دریافت کرکے خدائے تعالیٰ کی یادداشت کو تسنعات عظیمہ یا محالات عادیہ سے نہ شمار کریں بلکہ اس کو سہل اور آسان سمجھ کر اس کے حاصل کرنے پر کمر ہمت چست باندھ لیں اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس طرح بعض اشخاص کو بعض چیزوں کی یادداشت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ اس چیز کی یادداشت کے حاصل ہونے پر متنبہ نہیں ہوتے مگر بوقت حاصل ہونے کے کسی ایسے امر کے جو اس چیز کی یادداشت حاصل ہونے پر مشعر ہو مثلاً ہر شخص کو اپنے بدن کی طرف التفات دائمی حاصل ہے اور اس علم کا علم نہیں ہوتا مگر جب کسی شخص کے ساتھ بیٹھے یا کوئی درد پہنچے اسی طرح بعض سالکوں کو خدائے تعالیٰ کی یادداشت حاصل ہوتی ہے اور اس کے حصول کا شعور نہیں ہوتا مگر بوقت عارض ہونے غفلت یا کسی اور امر کے جو امر یادداشت میں مخل انداز ہوا اور یادداشت

حق کے ظاہر کے بعد دوسری یادداشت کو بھی اس کے ساتھ ضم کرنا چاہئے جس کا بیان دوسرے باب میں مفصل گزر چکا ہے۔

پانچواں افادہ - جب اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی طالب کے قابو میں آگئی تو اب نفی النفی اور فناء الفنا کو شروع کرے یعنی جس چیز کے ساتھ اپنی اور تمام موجودات کی نفی کرتا تھا اب اس کو معدوم اور نیست کرنا چاہئے اور چونکہ نفی النفی نیستی محض ہے اور اس کی علامت غفلت اور بودگی اور قوت دراکہ کا محض خالی ہونا ہے یہاں تک کہ اگر اس شغل میں کمال ملازمت کریگا تو اس کا بدن معدوم ہو جائیگا اور اس سے کچھ اثر باقی نہ رہے گا اگرچہ یہ غفلت کی حالت طالب کو پسند خاطر نہ ہوگی لیکن چونکہ آئندہ کام آمد ہے اس لئے اس کو عمل نہ چھوڑے بلکہ عمل لائے اور نفی النفی کے ناپسند ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس شغل میں ادراک اور دریافت کا نابود کرنا ہے اور جب ادراک نہ رہا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور انسان کی دل لگی اور مانوسی ادراک ہی کے سبب سے ہوتی ہے اور اگرچہ شغل نفی میں بھی ہر چیز کو اپنے ادراک سے دور کرتا تھا لیکن اس کے خیال میں ایک صفائی سی باقی رہتی تھی اور دل لگی کا سبب بنی رہتی تھی جس طرح صاف طبیعت والے میدان صفا میں مانوس ہو جاتے ہیں اسی طرح نفی میں بھی ایک قسم کی انسیت ہوتی ہے برخلاف نفی النفی کے کہ اس مقام میں انسیت کا مدار بالکل کچھ باقی نہیں۔

چھٹا افادہ - شغل نفی کی تکمیل و اتمام کے بعد دو صورتیں پیش آتی ہیں کبھی تو توحید صفاتی منکشف ہو جاتی ہے اس کا مجمل بیان اس طرح ہے کہ صاحب اس شغل کا اپنے آپ کو اس طرح گمان کرتا ہے کہ جو کثرت جہان میں ہے وہ اس سے صادر ہو رہی ہے اور اس کی تصویر اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ اپنے بدن کی فراخی اور نہایت کشادگی خیال میں بیٹھ جاتی ہے اور یہ فراخی اس مرتبہ تک پہنچتی ہے کہ اس کا خیال عالم اجسام سے جس میں سب سے اوپر عرش مجید ہے اس کے تمام اطراف سے متجاوز ہو جاتا ہے اور تمام جہان کو اپنے آپ میں دیکھتا ہے افلاک و عناصر جبال و بحار۔ اشجار و احجار، حیوان و انسان سب کو اپنے جسم کے اجزا اور اعضا خیال کرتا ہے اس حالت میں آسمانوں کے مکانات پر اطلاع اور زمین کے بعض مقامات کی سیر کہ اس کی جگہ سے دور دراز فاصلہ پر ہوتی ہیں بطور کشف حاصل ہوتی ہے اور اس کا وہ کشف

مطابق واقع ہوتا ہے لیکن اپنے آپ کو واقعی تمام عالم کا کل نہ سمجھے بلکہ اس طرح اعتقاد کرے کہ یہ خیال مخالف واقع اس مرتبہ کے آثار سے ہے اور اس حالت میں توقف اور درنگ نہ کرے کہ یہ منزل مقصود کا راہ راست نہیں۔ اگرچہ فی الجملہ راستہ ہے لیکن راہ راست سے بہت دور اور سیر وسلوک کی دشواری اور مسافت کے لمبا ہونے کا باعث ہے اس حالت سے انوار کی طرف جو کہ ذات پاک کے حجب ہیں انتقال کا قصد کرے اور کبھی بعد تمامی شغل فنا کے رنگا رنگ کے انوار دکھلائی دینے لگتے ہیں اور یہی صورت طالب کی مقصد مراد کی کا راستہ ہے اور وہ انوار ذات بحت حضرت حق جل علا کے حجب ہیں اور ان کے طے کرنے کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں اگر عنایت الٰہی شامل حال ہو تو ایک لحظہ میں ہزار ہا حجب طے ہو جائیں لیکن طالب کے ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف انتقال کرنے کے لئے سبب عادی یہ ہے کہ ان انوار میں سے ہر ایک کو اپنی قوت خیالیہ سے اس قدر وسیع کرے کہ تمام جہان کا احاطہ کرکے قید مکان سے فضائے لامکان کی طرف تجاوز کرے۔ بعد ازاں انتقال کا پختہ ارادہ دل سے اٹھا کر اس امر کی درخواست بارگاہ خداوندی سے کرے اور اپنی نظر خیالی سے اس نور میں اس قدر غور کرے کہ ایک اور انوار اس نور کے اندر ہی سے ظاہر پڑے اور اس کو بھی پہلے نور کے طریقے پر وسیع کرے اور اس سے تیسرے نور کی طرف انتقال کرے اور علیٰ ھذا اسی طرح انوار کی سلسلہ جنبانی کرتا جائے۔ اور بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ انسان ان ہی حجب میں اٹک جاتا ہے اور اس کو اصل مقصود کی طرف پہنچنے کا راستہ نہیں ملتا اور ان سب حجابوں سے آخر تک حجاب میں کبھی (بعض سالکوں کو) توقف اور اٹکاؤ لگ جاتا ہے اور کبھی بعض طالب اسی کو مقصود اصلی سمجھ کر اسی جگہ ٹھہر جاتے ہیں۔

ساتواں افادہ۔ جس شخص کو عنایت خداوندی اور جذبہ غیبی کی امداد سے سب حجاب طے ہو جائیں وہ ذات بحت کی معرفت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے اور اس جگہ عمدہ عمدہ حالات اور رنگا رنگ انوار پیش آتے ہیں اور جو خوض و فکر اس جگہ کرتا ہے اس کا نام سیر فی اللہ ہے اور یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ اس مقام میں تفاوت اور تبدل احوال نہیں ہوتا بلکہ بموجب مضمون آیہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَأْنٍ ہر وقت اس ذات پاک کی ایک جدا سے جدا شان

جلوہ گر ہوتی ہے اور صرف طالب کے دل کے احوال کے تبدل سے غیب میں بھی تبدل و تفاوت اس کی بصیرت آنکھ میں ظاہر ہوتا ہے اور چونکہ مطابق حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام آدمی کا دل ایک پر کے ریشہ کے حکم میں ہے جو صاف میدان میں پڑا ہوا ہے اور ہواؤں کے جھونکے اس کو الٹا سیدھا زیر وزبر کرتے رہتے ہیں انسان کے دل کو قرار نہیں لہٰذا شیون ذات کو بھی اس طرف سے قرار نہیں بلکہ دم بدم تبدل ہوتے رہتے ہیں اور شیون الٰہیہ کے تفاوت کے سبب سے یہ بات ہوتی ہے کہ معاملات مختلفہ مطابق استعدادات بنی آدم کے پیش آتے ہیں اور سیر فی اللہ کا بیان بڑی لمبی چوڑی تفصیل رکھتا ہے کہ اس کی تحریر ان اوراق میں دشوار ہے لیکن جو سلوک کہ متعارف ہے اور اس فن کی تصنیف شدہ کتابوں میں منضبط ہے وہ مقام معرفت تک ختم ہو جاتا ہے پس بس۔

دوسری فصل اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں نئے طریق پر جو قوت اثر اور جلدی سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے فوائد کے ظاہر ہونے کے موجب ہوں اور مجاہدات اور ریاضات متعارفہ کے لحاظ سے آسان دکھلائی دیں

اور یہ فصل دو ہدایتوں پر مشتمل ہے

پہلی ہدایت اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں

اور یہ ہدایت پانچ افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ طالب کو چاہیئے کہ پہلے باوضو دو زانو بطور نماز بیٹھے کر اس طریقہ کے بزرگوں یعنی حضرت معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے اور نیاز بے اندازہ اور زاری بے شماری کے ساتھ اپنے کام کے فتح یاب کے لئے دعا کر کے ذکر دو ضربی شروع کرے اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ مبارک اللہ کو دو بار متصل کہے اور دونوں کے اتصال کے واسطے پہلے لفظ کے آخر کو ضمہ دے اور اس دو بار کہنے کو ایک ذکر قرار دے

اور دو ذکروں کے درمیان فرق اور امتیاز کے لئے لفظ اللہ کو جو دوسری بار مد نون ذکروں میں کچھ کا وقت کے طور پر کہے یعنی حرف "ہا" کو جزم دیکر پڑھے اور قریب زور کے ساتھ سینہ سے نکال کر اور جہر اور شدت اور مد کے ساتھ کہے اور دوسرے لفظ کو جہر اور شدت اور مد اور قوت میں پہلے سے زیادہ کرے اور پہلے کے ساتھ خیال کرے کہ ایک نور اس کے سینہ سے نکل کر اس کی لب تک پہنچکر وہاں ٹھہر گیا ہے اور دوسری بار میں اسی جگہ سے نکل کر بسبب قوت اور کثرت کے جو دونوں انوار کے مجتمع ہونے سے حاصل ہوئی ہے اس کے منھ سے باہر آ کر اس کے سر کے اوپر پہنچ گیا ہے پس اس نور کو بلند تر بقدر ایک بالشت کے تصور کرے اور اسی ذکر کو حضور دل سے تکرار کرتا رہے اور حضور دل کے لئے اتنا قدر بھی کافی ہے کہ (جانے) یہ اسم مبارک اس ذات پاک کا نام ہے جو اپنے نام کے ہمراہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اس نام پاک کا اپنے مسمّے پاک و منزہ سے غائب ہونا ممکن نہیں۔ اس کریم مطلق کے فضل کامل سے پختہ امید یہ ہے کہ ذاکر کو بہت جلد نور معلوم ہونے لگ جائے گا پس یہ ذکر اس قدر کرے کہ وہ نور چھاتے (سائبان) کی طرح اس کے سر پر ہو جائے پھر بسبب کثرت اور تر بہ تر ہونے کے اس کے تمام بدن پہنچکر اس کے بدن کو اندر باہر سے گھیر لے اور اس کا بدن اس نور میں گم ہو جائے۔

دوسرا افادہ۔ جب یہ معنی بخوبی حاصل ہو جائے اور اس کی مشق اور ملکہ اس طرح میسر ہو جائے کہ ہر وقت بلا تکلف اس طرح کرے اور ذاکر کے قابو میں آ جائے تب دوسرا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر لفظ الا اللہ ہے اس میں بھی اور شدت اور جہر اسی طور پر مطلوب ہے جس طرح پہلے میں مذکور ہوا لیکن فرق اتنا ہے کہ اس کلمہ کو نیچے کی جانب اپنے دونوں زانوؤں کے درمیان ضرب کرے اور نور کو جس قدر ذکر اول میں اوپر کی جانب بلند خیال کرتا تھا اس میں اتنا ہی نیچے کی جانب خیال کرے اور اس نور کو نیچے سے اوپر لاتا جائے تا کہ نور فوقانی اور نور تحتانی آپس میں مل کر ایک نورانی ستون کی طرح ثابت ہو جائے کہ گویا اس کا بدن اس کے اندر گم ہو گیا ہے۔

تیسرا افادہ۔ پھر ملائمت اور آہستگی کے ساتھ تیسرا ذکر شروع کرے اور اس ذکر میں

پہلے ذکر کے طور پر صرف لفظ اللہ کہے بدون ضرب اور شدت اور جہر مفرط کے اور اس لفظ مبارک کو اپنے خیال میں اس نور کے اندر جو اس کے بدن کے جا بجا بھی وہی ہو گیا ہے جیسا وضو یا مصنف کی طرح گردش اور حرکت دے کہ اگر کچھ کدورت اپنے بدن وغیرہ کے خیال سے اس میں رہ گئی ہو اس کو مصفی اور مصقول کرے اور تمام وہ نور صاف اور چمکیلا اور خوب روشن و براق ہو جائے۔

چوتھا افادہ۔ جب یہ نور اس طرح صاف ہو جائے کہ اس کا شعاع ہر طرف سے دور دور تک جا پڑے اور اس کا تصفیہ اور تصقیل بھی ذاکر کے قابو میں آ جائے اس وقت چوتھا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر نفی و اثبات یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے پس "لا" کو اپنے خیال میں کھینچکر زمین و آسمان کا محیط کرے اور تمام ذرہ ذرہ کو گھیر کر اس کو اپنے اندر تمام کرے اور لا کے کھینچنے کا طریق یہ ہے کہ اپنے منہ کے سامنے ممتد اور وسیع خیال کرے تا آنکہ عرش مجید تک جا پہنچے پھر اس کو متحرک تصور کرے کہ تمام عالم میں جنبش کھا کر دائرہ کی طرح ہو کر پھر اپنے مقام میں پہنچ گیا ہے۔ اور لفظ اِلَّا اللّٰه کے ساتھ جانب فوق میں عرش مجید کے اوپر ضرب کرے اور لفظ لَا اِلٰهَ میں ہر چیز کی معبودیت کی نفی فی الواقع اور فی الحقیقت اور اپنے وجود اور تمام اشیاء و کائنات کی نفی اپنے خیال سے لحاظ و رست اور تصور محبت کے ساتھ مستقر اور مستحکم کرے اور ضرب اِلَّا اللّٰه میں ذات بحت کی طرف اشارہ کرے جو کلام مجید کا منطوق ہے[1] یعنی اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اس ذکر کے تکرار کے ساتھ اس ذات بحت کا نور عرش کے اوپر سے دریائے موجزن کی طرح اس کثرت اور وسعت سے آئیگا کہ تمام عالم کو محیط ہو جائیگا بلکہ تمام عالم اس میں گم ہو جائیگا جس طرح پہلے ذکر میں نقطۂ ذاکر کا جسم محو و گم ہو گیا تھا۔ اس طریق سے ذکر نفی و اثبات طالب صادق کے لئے حصول کمالات مقصودہ میں کافی ہے بشرط فہم درست چاہئے اور اس ذکر کو کثرت اور مبالغہ سے کرے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقیات کے لئے کسی دوسرے شغل کا محتاج نہ ہوگا۔

پانچواں افادہ۔ اس ذکر سے منزل مقصود کی طرف انتقال کرنے کا طریق یہ ہے اس نور کے استقرار کے بعد عرش کے اوپر فائض ہو کر تمام عالم کو محیط ہو گیا ہے اسی نور میں مراقبہ کرے

[1] یعنی حق تعالیٰ یعنی رحمٰن تبارک و تعالیٰ عرش مجید پر جا برا جا۔

اور ذکر کو چھوڑ دے اور مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی جو نور مذکور کے احاطہ کے طفیل ہوئی تھی قصدی لحاظ سے ملحوظ کرے اس طرح اپنے قابو میں لائے کہ اولاً بدون لحاظ کے بھی اپنی اور تمام کائنات کی نفی اسے آسان ہو جائے اگرچہ نفی اس نور سے منفک نہیں ہوتی لیکن اس شخص کو چاہیے کہ نفی کو مقصود لذاتہ بنا کر شغل نفی کو مستحکم کرے پھر استحکام نفی کے بعد یا توحید صفاتی ظاہر ہوگی یا انوار کا مشاہدہ ہوگا دوسرا طریق مطلب یابی کا راستہ ہے پس جس طریق پر فصل اول میں مذکور ہوا ان نورانی حجابوں سے تجاوز کرتا جائے تاکہ سب سے اخیر حجاب سے جو نسبت بیرنگی سے نامزد ہے فائز ہو اگرچہ اس طریق کی نسبت کو مہتاب کے نور کے ساتھ جو پھیلا ہوا ہو تشبیہ دیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت بیرنگ ہے ایک گونہ رنگ جو معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرتے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کوئی رنگ خیال میں نہیں گزرتا اور جب اس حجاب اخیر سے بھی تجاوز واقع ہو جائیگا تو ذات بحت کا وصول جو منتہائے سلوک ہے متحقق ہو جائیگا۔

دوسری ہدایت فوائد متفرقہ کے بیان میں

اور یہ ہدایت دو افادہ پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ آسمانوں کے حالات کے انکشاف اور ملاقات ارواح اور ملائکہ اور بہشت دوزخ کی سیر اور اس مقام کے حقائق پر اطلاع اور اس جگہ کے مکانوں کے دریافت اور لوح محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کے لئے یا حَیُّ یا قَیُّومُ کا ذکر کیا جاتا ہے یا حی کو ذکر خیالی سے سینہ کے درمیان سے لب تک لائے اور اپنی روح کو اس کے نیچے پیوستہ کر دے اور پھر لفظ یا قیوم کو سینہ سے نکالے اور چونکہ اس لفظ مبارک کا تلفظ پہلے لفظ کے تلفظ کے متصل واقع ہوتا ہے اس لئے ضرور ان دونوں مبارک اسموں کا اثر دوسرے لفظ کا تلفظ کرتے وقت قوت پکڑ جاتا ہے پس لفظ اخیر کے تلفظ کے ہمراہ دونوں لفظ مبارک کی استعانت سے بایں طور کہ یہ اسم مقدس روح کے نیچے ہو جائے اور روح دونوں اسموں کے درمیان رہے روح کو عرش کے اوپر پہنچا سکے اور اس جگہ پہنچکر توقف کرکے وہ دور سیر کرے اور سیر دور میں اختیار ہے خواہ عرش کے اوپر سیر کرے یا اس کے نیچے اور آسمانی مواضع میں سیر کرے یا

رہتی تھا جائیں جیسے کعبہ معظمہ یا اور اکثر تجربہ کیا اور پھر مرتبہ کے بعد جب اس عالم کی بیداری اور برداری چاہئے انہیں دونوں اسموں کی امداد سے اوپر سے نیچے کو انتقال کرے یا حی کے ذکر خیالی کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرنے کی تیاری کرے اور یا قیوم کی ہمراہی سے تدریجاً اپنے مکان کی پہنچے اور خود دل میں آسمانوں کو جدا جدا ملحوظ رکھے۔

دوسرا فائدہ - کشف قبور کے لئے ذکر سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ مفید ہے اس کا طریق اس طرح ہے کہ پہلے اسم یعنی سُبُّوحٌ کے ساتھ ناف سے دماغ تک یعنی لطیفہ اخفیٰ کے مقام تک پہنچے اور دوسرے اسم یعنی قُدُّوسٌ کے ساتھ وہاں سے عرش مجید کے اوپر اور تیسرے اسم کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کر کے ضرب کے طور پر دل میں مارے اور دل کے دروازہ فوقانی سے داخل ہو کر دروازہ تحتانی سے باہر نکل کر قبر کی طرف متوجہ ہو اور اگر ایک بار میں مدعا حاصل نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو اور اس تکرار میں حضور اور توجہ اور التجا اور زاری سے کوشش کرے اور فضل الٰہی سے پختہ امید رکھے کہ کشف مطلوب حاصل ہو جائیگا اور اس کشف قبور کو ناواقف لوگ قرب الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ دوری کا موجب ہے۔

تیسری فصل اشغال طریقہ نقشبندیہ کے بیان میں

اور یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے

تمہید - لطائف ششگانہ جو انسان کے اندر ہیں ان کے مواضع کو معلوم کرنا چاہئے لطیفہ قلب بائیں پستان کے نیچے ہے اور لطیفہ روح داہنے پستان کے نیچے اور لطیفہ سر دونوں کے درمیان وسط سینہ میں اور مقام لطیفہ نفس عین ناف ہے۔ اور لطیفہ خفی کا مقام پیشانی ہے جہاں سر کے بال ختم ہو کر پیشانی شروع ہوتی ہے اور سجدہ کے سبب سے اسی جگہ نشان پڑتا ہے اور لطیفہ اخفیٰ تالو کے مقام میں سر کی اگلی جانب میں واقع ہے جس جگہ بچوں کے سر میں جنبش اور حرکت محسوس ہوتی ہے۔

پہلی ہدایت اقسام ذکر کے بیان میں اور ان اذکار کے بیان میں جو طریقہ نقشبندیہ میں رائج ہے

اور یہ ہدایت چار فائدوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ چھوٹی لطیفوں کو اسی ترتیب پر جو تمہید میں مذکور ہوئی ہے بخوبی ذاکر بنانا چاہیئے اس حیثیت سے کہ خود ان کے ذکر پر آگاہ اور مطلع ہو اور تلقین کرنے والا جس نے اپنے لطیفہ میں ذکر کو جاری کیا ہوا ہے پوری ہمت کے ساتھ طالب کے لطیفہ میں اس ذکر کو القا کرے اور دعا اور التجا کے وسیلہ سے محض فضل الٰہی سے مدد چاہے اور قوت ہمت کے ساتھ توجہ کرے اور توجہ کا ادنیٰ اثر یہ ہے کہ جنبش ظاہر ہو جائے از قبیل جنبش نبض نہ اس معنی کر کہ ہاتھ رکھنے سے معلوم ہو بلکہ اس معنی کر کہ صرف التفات کرنے سے معلوم ہو جائے بلکہ ترقی کرے اور کاموں کے اشتغال کے وقت انسان کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ایسا نہ چھوڑے کہ اس سے بالکل غفلت کرے پس اس حرکت کو نام پاک الٰہی کے مقارن اور ہمراہ جانے اور اس طرح سمجھے کہ اس حرکت کے ساتھ اللہ اللہ کہتا ہے اور اس نام مقدس کے مسمّٰی کے ساتھ حضور اور انس پیدا کرے پس ان لطائف کے اذکار کی جدا جدا مزاولت اور مشق کر کے یکبارگی سب سے ذکر کرے یہاں تک کہ ان سب کا ذکر آن واحد میں معلوم ہوا کرے اور اس ذکر لطائف کو اچھی طرح پختہ کرے اور رسوخ کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جس وقت چاہے اس شغل میں مشغول ہو سکے مرشد تلقین کرنے والا اگر اس کا اور زیادہ کرنا فرمائے تو اس کے حکم کی تعمیل کرے اور لطائف ششگانہ میں سے ہر ایک کے لئے ایک جداگانہ نور ہے جو ان بزرگواروں کی کتابوں اور رسالوں میں مفصل مذکور ہے اور لطائف کا ذکر کثرت سے کر کے ہر لطیفہ کو اپنے نور سے منور کرے اور اگرچہ نورانی کرنا لطائف کا بہتر اور خوب تر ہے لیکن راہ سلوک میں طول مسافت پیدا کرتا ہے اور اس راستہ کا طول چنداں ضروری نہیں جب انسان جب نورانیت میں پہنچتا ہے خود بخود انوار لطائف کا معائنہ کر لیتا ہے اور مزاولت اور مشق کے بعد ہر لطیفہ کو اپنے نور سے بلکہ جس نور سے چاہے رنگین کر سکتا ہے اور اذکار لطائف کے وقت میں صرف یہی مطلب بڑی کوشش اور رنج سے بمشکل سرانجام پذیر ہو سکتا ہے اور بعد ازاں جب نورانیت کے مقام میں بغیر کوشش اور محنت کے حاصل ہو سکتا ہے۔ پس ابتدا میں لطائف کے اپنے انوار کے الوان سے رنگین کرنے میں کوشش کرنا ایسا ہے جیسے سکندر نامہ کے مصادر کی تقریر میں ابجد خواں کو تعلیم کرنا پس مناسب اس طرح سے ہے۔ کہ اعلیٰ مراتب

بقدر ضرورت استعمال کریں۔ اور وقت کو تیغ برآں سمجھ کر بہت جلد ان مراتب سے گزر جائیں۔ اور بلند مقامات میں مطابق استعداد اور دوح کے توقف کریں۔

دوسرا افادہ۔ بعد ازاں حبس نفس کے ساتھ نفی و اثبات کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ دوزانو مؤدب ہو کر رو بقبلہ بیٹھے اور اپنا دم بند کر کے زبان تالو سے لگا کر لا کو لطیفہ نفس سے کھینچے۔ اور لطیفہ سر پر قدرے توقف کر کے پھر لطیفہ خفی پر بھی تھوڑا سا وقفہ کرتا ہوا لطیفہ اخفیٰ تک پہنچے غرض کہ ایک خیالی حرکت نفس سے اخفیٰ تک کرے اور اس حرکت کی امتداد کے درمیان مقام لطیفہ سر اور اخفیٰ میں لفظ کو بالاستقلال متوجہ کر کے ان کے امتیاز کے لئے قرار کرے اور الٰہ کو لطیفہ اخفیٰ سے کھینچ کر لطیفہ روح کی طرف متوجہ ہو کر الا اللہ کو لطیفہ قلب میں ضرب کرے اور ان خیالی حرکتوں میں کوئی ظاہری جنبش اعضا میں سے کسی عضو پر حتیٰ کہ سر اور منہ اور لب اور زبان پر بھی بالکل نہ واقع ہو اور اس ذکر کو ملاحظہ مطابق عمل میں لائے ایک بار ذکر کر کے اپنے دم کو چھوڑ دے پھر اطمینان اور دم کے ٹھیر جانے کے بعد دوسری بار کرے اور جب حبس نفس کی برداشت زیادہ ہو جائے ذکر کے عدد میں بھی زیادتی کرتا جائے اور زیادت کا ادنیٰ مرتبہ اکیس بار ہے جب اکیس بار تک پہنچ جائیگا اور اس کی خوب مزاولت اور مشق کر لے گا اور ایک ایک نشست میں سینکڑوں دفعہ تک نوبت پہنچائے گا۔ اس وقت البتہ اس کے لطائف میں گرمی اور صفائی پیدا ہو جائے گی اور اس ذکر سے ایسا معلوم کریگا کہ گویا ایک گھومتا ہوا شعلہ ہے کہ اس کے تمام لطائف کو احاطہ کر کے خط آتشین کی طرح متحد ہو گیا ہے۔

تیسرا افادہ۔ نفی و اثبات کی خوب مشق کرنے کے بعد سلطان الذکر کو عمل میں لائے اور اس کا بیان یہ ہے کہ جو جزو انسان کا ہے اس کے لئے ایک وحدت ثابت ہے اور ہر ایک تعین کی شناخت کے لئے اس کا جدا گانہ نام مقرر ہے سوائے نام کل کے۔ پس وہ جزو بھی ایک وجہ سے تمام اجزاء انسانی پر مشتمل ہے بنا براں اس کے لئے ایک زبان بھی مقرر ہے اور بموجب ارشاد حضرت حق تبارک و تعالیٰ کے کہ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

اور کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تنزیہ کرتی ہے مع اس کی حمد و ثنا کے لیکن تم انکی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

تسبیح بحمدہ وہ تمام اجزاء ذکر الہٰی کرتے ہیں۔ ولیکن انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پس حقیقت سلطان الذکر کی یہ ہے کہ اپنے تمام اجزاء کے ذکر کو ایک قسم کے ادراک سے دریافت کرے اور اس پر پوری آگاہی اور بخوبی اطلاع حاصل کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بدن کی ہر جگہ کو بالعموم و بشمول لطائف ششگانہ کی طرح سمجھے اس لئے کہ بالکل ظاہر ہے کہ لوگوں کی نظر میں لطائف کے مقامات اور باقی بدن بالکل مساوی ہیں جب لطائف کے مقامات سے ذکر کو پہچان لیا اور اس کی کیفیت پر اطلاع پائی اسی طرح اپنے تمام بدن کے ساتھ ذاکر ہو اور تلقین کرنے والے کو چاہیئے کہ خود سلطان الذکر کرکے بطور مذکور طالب پر القا کرے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کبھی تو تمام بدن میں جنبش ظاہر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضا بغیر اس کے ارادہ کے اپنی جگہ سے منتقل ہو جاتے ہیں اور کبھی رعشہ[ل] کی طرح حرکت ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی رونگٹے کھڑے ہو جانے کی سی حالت ہو جاتی ہے یا چیونٹیاں سی اس کے بدن پر چلنے لگتی ہیں اور تمام بدن میں خنکی اور سبکی معلوم ہوتی ہے اور کبھی ذاکر کے بدن میں ایسی خنکی سرایت کر جاتی ہے کہ سخت گرمی کے وقت اس کو سردی معلوم ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہلکا ہو جاتا ہے کہ گویا اس کے تمام بدن سے آلائش کو دور کر دیا ہے جیسے کوئی شخص حمام میں کیسہ مال سے غسل کرے اور ظاہری غسل میں یہ سبکی صرف چمڑے پر ہی رہتی ہے اور سلطان الذکر میں اندر صاف ہو جاتا ہے اور یہ کبھی خارق عادت امور میں سے ہے کہ سخت اختلاج کی مانند اس کا تمام بدن قابو میں نہیں رہتا اور یہ بھی ایک محض کرامت ہے سلطان الذکر والا تمام بدن اور درو دیوار خس و خار اور سنگ و خاشاک سے بے شبہ اونچی آواز سے ذکر سنتا ہے اور ہم نشینوں کا سن لینا کرامت مذکورہ میں زیادتی ہے اور کبھی سلطان الذکر والے کو ایک نور بھی معلوم ہوتا ہے۔ فائدہ:- پیر و مرشد کو مرید میں سلطان الذکر وغیرہ ذکر لطائف کے حصول کے دریافت کرنے کا یہ طریق ہے کہ پیر اپنے آپ کو خالی کرکے اس کی طرف متوجہ ہو اس وقت جو کچھ اپنے آپ میں معلوم کرے جان لے کہ یہ مرید کے ذکر کا عکس ہے اور اس کے شغل کی کیفیت ہے۔

[ل] ایک بیماری کا نام ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا رعشہ دار کانپتے اور کبھی جھٹکا لگ جاتا ہے۔

چوتھا افادہ۔ جب سلطان الذکر بقدر مذکور قابو میں آجائے اور اطلاق کے وقت تکلیف کے سوا ہی ظاہر ہو جائے تو نفی کا شغل کرے اور شغل نفی کے ساتھ یادداشت کے شغل کو چھوڑ دے اس کے بعد نفی النفی کا شغل کرنا ہے پس خواہ مخواہ سالک یا تو توحید صفاتی کھل جائے گی یا جب نورانیت ظاہر ہو جائیں گے اور یہ دوسرا امر کامیابی کا طریق ہے پس سالک کو چاہیے کہ جس طرح پہلی فصل میں مذکور ہو چکا ہے اس پردہ سے بے شغل ہو جائے اور اس پردہ کو طے کرتے ہوئے مراقبہ صمدیت کا شغل کرے تاکہ انجام کار اس پردے تک پہنچ جائے جس کا نام نسبت بیرنگی ہے اگرچہ اس طریقے کی نسبت کو دریا کے اس پانی سے نسبت دیتے ہیں جو خس و خاشاک اور رنگ و خاک کی آلودگی سے صاف ہوتا ہے لیکن گہری نظر کے بعد قابل تعبیر کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور نسبت بیرنگی کے بعد ذات بحت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور متعارف سلوک ختم ہو کر سیر فی اللہ پیش آتی ہے اور اس سیر کی انتہا نہیں بہت نادرہ حالتیں اور عجیب مقامات ظاہر ہوتے ہیں اور جس مرشد کے حضور میں طالب سیر فی اللہ میں ترقیاں کرے گا وہی مرشد ان کے مقامات کی حقیقتوں سے آگاہ کر دیگا۔ فائدہ۔ اسی طرح کے مقام کو خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ بیت

اول ما آخر ہر منتہی ست آخر ما جیب تمنا تہی ست

پس طالب کو چاہیے کہ اسی امر کی تلاش میں رہے جس کو آنجناب نے جیب تمنا تہی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا اجمالی مطلب یہی ہے کہ طالب اپنے ارادوں اور قصدوں سے اس طرح خالی ہو جائے جیسے اسی کتاب کی چوتھی فصل میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا۔

دوسری ہدایت متفرق فائدوں کے بیان میں

اور اس میں دو افادے اور ایک فائدہ ہے

پہلا افادہ۔ کشف ارواح اور ملائکہ اور ان کے مقامات اور زمین و آسمان اور جنت و نار کی سیر اور لوح محفوظ پر مطلع ہونے کے لئے دورے کا شغل کرے اور اس کا طریقہ پہلی فصل میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے پس زمین و آسمان اور بہشت و دوزخ کے جس مقام کی طرف متوجہ ہو اسی شغل کی مدد سے وہاں کی سیر کرے اور اس جگہ کے حالات دریافت کرکے وہاں

کے رہنے والوں سے ملاقات کرے اور بعض اوقات ان سے بات چیت بھی میسر ہو جاتی ہے اور آئندہ یا گذشتہ یا کسی دنیوی یا دینی امر کی صلاح اور مشورت معلوم ہو جاتی ہے۔

دوسرا افادہ۔ جاننا چاہیے کہ آئندہ واقعات کے کشف کے لیے اس طریقے کے بزرگوں نے کئی طریق لکھے ہیں اور سب سے بہتر یہی ہے کہ رات کے تیسرے پہر کو جاگ کر نہایت ہی حضور قلب کے ساتھ کمال آداب اور مستحبات کے ساتھ وضو کرے اس کے بعد وہ ماثورہ دعائیں جو گناہوں کے کفارے کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں پوری ذلت کے ساتھ پڑھے۔ اور اس کے بعد نہایت ہی خضوع اور خشوع اور قلب و قالب کے اطمینان کے ساتھ سارے آداب و مستحبات پورے کرکے صلوٰۃ تسبیح ادا کرے اور تمام تر ان میں گناہوں کے کفارے کی دعائیں اور اللہ جل شانہ کی درگاہ پاک میں اپنے گناہوں کی معافی کی التجا کو ملحوظ خاطر رکھے پھر تہ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اس حد تک التجا کرے کہ اس کے تہ دل میں گناہوں کی معافی اور توبہ کے قبول ہونے کا ظن پیدا ہو جائے پس اشتغال طریقت میں سے جس شغل کی مہارت رکھتا ہو اسی میں مشغول ہو جائے اور اس سارے شغل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں اس مطلوبہ واقعہ کے کشف کے واسطے اس طرح التجا کرتا رہے کہ اس کی تمام ہمت اسی واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی جناب سے پختہ امید ہے کہ اوپر سے الہام کے نازل یا تہ دل سے اس واقعہ کے ظاہر ہو جانے کے باعث انکشاف ہو جائیگا اور وسوسوں کے وارد ہونے اور الہام کے نازل ہونے میں یہ فرق ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل میں نازل ہو کر ٹھہر جاتا ہے اور مضبوط ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور وسواس ٹھہرتا نہیں اور اس کے آنے جانے کا کوئی مقرر طریق نہیں چور اور کسہ بہ کی مانند ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے چلا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دل کو ایک طرف سے دبا کر چلی گئی ہے اور دوسری دفعہ دوسری طرف سے اور اگر طریق مذکور سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو تو چاہیے کہ نہایت التجا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے کہ اے اللہ میں بے خبر ہوں اور تو سب چیز دل کو جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس طریق سے فلاں واقعہ کے

انکشاف کے واسطے کوشش کی ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوا پس اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر وہ کلام جاری کر جس سے میں اپنا مطلب معلوم کر لوں اس کے بعد اپنے کانوں کو ان آوازوں کی طرف متوجہ کرے جو لوگوں سے سونے یا جاگنے کی حالت میں صادر ہوتے ہیں اور فال کے طور پر ان کے کلام سے اپنی مراد کا استنباط کرے اگر اس طرح سے بھی انکشاف مطلب حاصل نہ ہوا۔ تو چاہیے کہ اسی وقت یعنی رات کے تیسرے پہر کو انکشاف واقعہ مطلوب کی نیت پر دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں تین دفعہ سورۂ فاتحہ اور تین دفعہ آیۃ الکرسی اور پندرہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے بعد ازاں سر سجدہ میں رکھ کر نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ حصول کشف کی نیت پر ایک سو ایک بار کلمہ یَا خَبِیْرُ اَخْبِرْنِیْ کہے پھر دعا کر کے سو رہے انشاء اللہ تعالیٰ اشارۃً خواہ صراحۃً خواب میں اس واقعہ کا حال ظاہر ہو جائیگا

فائدہ۔ اشغال مبتدعہ میں سے شغل برزخ بھی ہے جو کہ اکثر متاخرین میں مشہور ہو گیا ہے بلکہ بعض بزرگوں کے کلام سے بھی پایا جاتا ہے اور شغل مذکور کی صورت یہ ہے کہ وسوسوں کے دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کے لئے پوری تعیین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں حاضر کرتے ہیں اور خود نہایت ادب اور تعظیم اپنی ساری ہمت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے روبرو بیٹھتے ہیں اور دل کو بالکل اسی کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور شغل کا حال تصویر کے حال سے معلوم کر سکتے ہیں اس لئے کہ تصویر کا بنانا کبیرہ گناہ ہے اور اس میں دیکھنا خاص کر تعظیم اور توقیر کے ساتھ حرام ہے اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ اپنے اطلاق سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تصویروں کے سامنے عکوف منع ہو ادب اور تعظیم اور محبت کے ساتھ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر حضور کو لازم پکڑنا عکوف ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ظاہری صورت کے ساتھ یہ عمل کرے بیشک گنہگار ہے اور اس گنہگار اور راہ حق کے طالب کے عمل میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اول میں تو ایک کاغذ اس جیسی چیز پر رنگین تصویر ہوتی ہے اور ثانی میں چہرے کے رنگ اور بالوں اور خط و خال کیست پوری تصویر صفحہ خیال میں منقوش ہوتی ہے اگرچہ ظاہر میں تو بت پرستی نہیں لیکن

باطن میں صاف بت پرستی ہے کاغذی صورت تصویر کے دقائق کو خیالی صورت کی مانند بنا
نہیں کرتی حالانکہ بے جان ہونے میں دونوں برابر ہیں پس تصویری مشق میں کاغذی صورت سے
خیالی صورت زیادہ ہے اس لئے کہ دونوں میں صرف اسی بات سے فرق کرسکتے ہیں کہ پہلی صورت
میں تو شریعت کے ظاہری انتظام میں خلل آتا ہے اور دوسری صورت میں ظاہری انتظام کو
تو کچھ نقصان نہیں پہنچتا لیکن اس کام کے کرنے والے کے نفس میں اس کی تاثیر کے لحاظ سے
جو خرابی موجود ہے وہ دوسری صورت میں پہلی صورت سے کہیں بڑھ کر ہے پس اس وجہ
سے چاہیے کہ حرام ہو اور اس سے قطع نظر شغل برزخ کا رواج ناقص لوگوں کو پہلی صورت
تک پہنچا دیتا ہے اور وہ ظاہری تصویریں بنا کر جو تعظیمی حرکتیں تصویر والوں کے سامنے
کرتے ہیں ان تصویروں کے سامنے بجا لاتے ہیں اور صاف بت پرستوں کی صورت میں
ہو جاتے ہیں اور صریح حرام کام کی طرف شغل برزخ کے پہنچا دینے میں کچھ شک نہیں پس چاہیے
کہ یہ بھی حرام ہو اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بت پرستی کی بندش بندی
کے لئے مطلقاً تصویر سازی حرام ہو گئی ہے اور دوسری شریعتوں میں شکل کا حال اور مردہ
یا زندہ غائب کی شکلیں معلوم کرنے کے باوجود بعض صحیح اغراض کے لحاظ سے جائز تھی
پس جب تصویر سازی میں شارع علیہ السلام نے اس قدر احتیاط فرمائی ہو تو آپ کی
متابعت کرنے والوں کو بھی چاہیے کہ اس احتیاط کے طریقہ کو اختیار کرکے شغل برزخ کو
حرام اور برا جانیں اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا پورا واقف ہے وہ
جانتا ہے کہ اگر اس مبارک زمانہ میں اس امر کا اتفاق ہوتا تو بیشک اس سے منع فرماتے
اور اس کی حرمت ظاہر ہوتی۔

چوتھی فصل مجددی طریقے کے اصطلاحات کے حل کرنے کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے

تمہید۔ جاننا چاہیے کہ حضرت شیخ عبدالاحد اور ان جیسے طریقہ مجددیہ کے بزرگوں کے
نزدیک لطائف کے مقامات اس طرح پر ہیں کہ لطیفہ قلب کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے
اور لطیفہ روح کا مقام لطیفہ قلب کے مقابل داہنے پستان کے نیچے اور لطیفہ سر کا مقام

بقدر دو انگشت بائیں پستان سے اوپر سینہ کو مائل اور لطیفہ خفی کا مقام اسی اندازے پر
داہنے پستان کے اوپر وسط سینہ کو مائل اور لطیفہ اخفیٰ کا مقام سینے کے درمیان اور لطیفہ
نفس کا مقام پیشانی کے آغاز میں جہاں اوروں کے نزدیک لطیفہ خفی کا مقام ہے چاہیے
کہ لطائف مذکورہ کو ذکر سے جاری کرے اور ان کو ذاکر بنائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ
طالب مؤدب ہو کر نہایت خضوع اور خشوع اور التجا کے ساتھ با وضو اپنے مرشد کے سامنے
خاموش ہو کر بیٹھ جائے اور دل کو جمع کر کے خیالات کو دور کرے اور زبان اور باقی سب
اعضا کو ہلنے سے بالکل روک رکھے اور اسم مبارک اَللّٰہ کو دل سے کہے اور مرشد کو چاہیے
کہ تمام خشوع کے ساتھ مرید کی تلقین کی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنے لطائف میں ذکر
کرکے درست ہمت کے ساتھ طالب کے لطائف میں ان کا القا کرے اور جب لطائف
ستہ کا ذکر معلوم ہو جائے تو سلطان الذکر کے حاصل ہونے کے لئے لطیفہ نفس پر
ہمت توجہ کرنے سے سلطان الذکر حاصل ہو جاتا ہے اور لطائف کے ذاکر ہو جانے اور
سلطان الذکر کے حاصل ہو جانے کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر جو کہ نفی اور اثبات
ہے اس حد تک استعمال کرے کہ غفلت نہ آ جائے اور اس ذکر سے اپنے بدن کی
نفی مقصود ہے لیکن جب تمام عالم کی نفی اس سے زیادہ آسان ہے اور بدن کی
نفی میں اس کو بھی دخل ہے لہذا ناچار تمام عالم کی نفی کو اپنے دل میں ٹھہرا لینا چاہیے
اور اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ذکر سے اپنے بدن کی نفی کی طرف متوجہ ہونا
چاہیے اور اس کا طریق یہ ہے کہ لَا کو ناف سے کھینچ کر دماغ تک پہنچائے اور جن
شانوں سے لَا کا گزر ہو اپنی نفی سمجھتا جائے اور اِلٰہ کو لطیفہ روح تک پہنچا کے
اِلَّا اللّٰہ کو قلب میں ضرب کرے اور لطیفہ روح کے مقام اور بدن کی اس تمام
جانب کو لفظ اِلٰہ کے ساتھ نفی کر دے اور اِلَّا اللّٰہ کے لفظ ساتھ لطیفہ قلب کے
مقام اور باقی تمام بدن کو نفی کرکے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اثبات کا لحاظ کرے
اور اس ذکر اور نفی و اثبات کو خیالی قوت سے کیا جائے اور زبان سے ہرگز تلفظ نہ کرے
اور اس ذکر کے تکرار اور مشقت کے ہمراہ قوت خیالیہ کی نفی کے خیال سے انشاء اللہ تعالیٰ اس

کے بدن کی نفی اس طرح مضبوط اور پختہ ہو جائے گی کہ اپنے تمام وجود بلکہ تمام عالم کی نفی قوت
خیالیہ میں ہمیشہ قائم رہے گی اور جس وقت نفی کا شغل طالب کے خیال کی تہ میں جم جاتا ہے
درویش کے سامنے ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں خاص کر دوائر کا انکشاف کہ شغل
نفی سے سوا کا حق ان کا انکشاف مقصود نہیں اور جس قدر نفی زیادہ کامل ہوگی اسی قدر
انکشاف زیادہ ہوگا پس مراقباتِ دوائر سے پہلے نفی کی تکمیل اور ترقی میں کوشش کرنی چاہیے
اور بدن کا مطلقاً معلوم نہ کرنا کمال نفی ہے اور نفی کے کمال میں اس چیز کے سوا جو دوائر
کے انوار کو معلوم کرتی ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اس کے بعد نفی النفی اور فنا الفنا
پیش آئے گا اور وہ مدرک چیز بھی باقی نہ رہے گی اور محض غفلت طاری ہو جائے گی اور
مراقبات دوائر کے ساتھ مزید نفی میں کوشش کرتا رہے جس وقت نفوس محبت کے کمال
اور انتہا کو پہنچے گا نفی النفی اور فنا الفنا حاصل ہو جائیگی۔ اگرچہ نفی النفی کا شغل اس
طریقہ کے بزرگوں کے کلام میں صریح طور پر مذکور نہیں لیکن دوائر کے انکشاف اور معاملات
کے ظہور اور انوار کے رسوخ کے لئے اس شغل کا ہونا ضروری ہے اور اس جیسے اشغال
کے ان بزرگوں کی تصریح نہ کرنے کا یہ سبب ہے کہ انکی تاثیر کی قوت کے باعث مریدوں
پہلی اور نفی النفی طاری ہو جاتی تھی بس صرف انکی توجہ ان اشغال سے بے پروا کر دیا
کرتی تھی لیکن نفی کے حاصل ہونے کے سوا دائرہ دل کا انکشاف اور ان کے انوار کا رسوخ
بہت مشکل معلوم ہوتا ہے خواہ وہ نفی صرف شیخ کی تاثیر سے حاصل ہو خواہ خود اپنے کمانے
سے حاصل ہو واللہ اعلم بحقیقۃ الحال مقصد اس طریقہ کے مستعملہ الفاظ کی تفسیر کے بیان میں
مراقبہ احدیث سے دوائر کا شغل معلوم ہوتا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ عزوجل
کی ذات مقدس کی وحدانیت کا لحاظ کرے اور اس لحاظ کو قلب سے نکال کر اوپر کی
طرف متوجہ کرے عرش مجید سے بھی اوپر کو لے جائے یہاں تک کہ اس کا اثر ظاہر ہو جائے
اور اس کا اثر یہ ہے کہ دل کے اوپر کی جانب سے نورانی استوانے کی مانند لمبا سا اور
ظاہر ہو کر عرش مجید تک پہنچتا ہے اور اس نورانی استوانے کا شعاع تمام جہان کو گھیر
لیتا ہے۔ بس اس نور کا مجموعہ ہی استوانہ ہے جس کی جڑ دل کے اوپر کی جانب میں

ہے اور اس کا سر عرش مجید تک جا پہنچکر اس کا شعاع سارے جہان میں پھیل جاتا ہے اور اس نور کا ظاہر ہونا دائرہ امکان کا شروع اور اس نور کا عرش مجید تک پہنچنا نصف دائرے کے حاصل ہونے کی علامت ہے اور اس سے آگے بڑھ جانا اس کے پورا ہونے کی علامت ہے اور صرف اس لیے نور کا ظاہر ہونا امکان کا دائرہ نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی وسعت اور فراخی جس کا مبدا اور منتہے مقرر اور ممتاز نہ ہو وہی دائرے کی حقیقت ہے پس دائرہ اسی وقت ہوگا کہ نور کا شعاع ہر طرف پھیل کر تمام جہان کو گھیر کر عالم امکان سے تجاوز کر جائے اور اس کا کوئی اندازہ اور حد نہ ہو۔ اور چونکہ یہ دائرہ عالم امکان کو گھیر لیتا ہے اسی واسطے اس کا نام دائرہ امکان رکھا گیا ہے اور سیر قلبی کے دو دائروں میں سے یہ پہلا دائرہ ہے اور دوسرا دائرہ ولایت قلبی کا ہے جسکو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور اس دائرے میں اقربیت کا مراقبہ کرتا ہوتا ہے اور اس دائرے میں دل کے نیچے کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے اور تمام دل آفتاب کی مانند ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ساری طرفوں اور اس کی ہر جگہ سے نور چمکتے ہیں اور جو انوار کے ہر جہت سے پیدا ہوتے ہیں دائروں کی مانند موجودات ممکنہ سے تجاوز کر کے امکان کی حد تک پہنچکر غیر متناہی ہو جاتے ہیں اور اصل قلب باقی رہتا ہے اور یہ نہیں کہ قلب بالکل نیست و نابود ہو جائے اور صرف انوار ہی باقی رہ جائیں بلکہ تمام اطراف سے دل مصدر انوار بن جاتا ہے مگر نادر طور پر قلب نہیں بھی رہتا اور اس دائرے اور پہلے دائرے میں دو طرح کا فرق ہے اول تو یہ ہے کہ پہلے دائرے میں نور کا چشمہ قلب کی فوقانی جانب ہے اور اس دائرے میں تمام قلب انوار کا چشمہ بن جاتا ہے۔ دوم آنکہ پہلے دائرے میں پھیلا ہوا انوار اسی کے دل کے اوپر والے لطیفے نور کا شعاع ہے اور اصلی نور تو اتنا ہی ہے جو ستون کی مانند دل سے اوپر کو گیا ہوا ہے اور باقی دائرہ آفتاب کے شعاع کی طرح اسی ستون سے پیدا ہوا اور اس عہ دائرے میں سارے کا سارا دائرہ اصلی نور ہے جو دل سے نکل کر عالم امکان سے متجاوز ہو گیا ہے اور کبھی اس دائرے میں توحید کا بھید کھل جاتا ہے یعنی وہ پھیلا ہوا وجود کہ تمام ممکنات اسی کے ساتھ قائم ہیں اس طرح معلوم ہونے

عہ یعنی دائرہ ولایت قلبی۔

لگتا ہے کہ تمام ممکنات کے وجود کو ایک ہی جاننے لگتا ہے اور کثرت کی وجہ سے جو امتیاز ہیں سب اس کی آنکھ میں نابود ہو جاتے ہیں اور اس کی بصیرت کی آنکھ اسی پھیلے ہوئے وجود پر پڑتی ہے اور اس وقت طلب بالکل فنا ہو کر صرف نور ہی نور باقی رہ جاتا ہے۔ تیسرا دائرہ ولایت کبریٰ کا دائرہ ہے اور تین دائرے اور ایک قوس اس ولایت کے ضمن میں ہیں پہلے دائرے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پاک کے معیت کا مراقبہ کرے اور اس طرح سے شروع کرے کہ اس کی ذات پاک کو بیچونی اور بیچگونی اور مکان اور جہت سے نہایت پاک ہونے کے باوجود اپنے نزدیک اور اپنے ہمراہ جانے اور اپنے آپ کو اس سے دور اور غائب نہ جانے بلکہ اپنے کاموں میں اس کو شریک اور شامل سمجھے اور معیت کو اقربیت لازم ہے۔ اور اقربیت کو معیت لازم نہیں اس لیے کہ معیت کو اپنے قرب کے باوجود اعانت اور مددگاری بھی ضروری ہے جب تک کوئی شخص دوسرے کا مددگار نہ ہو اس کو اس کے ساتھ معیت حاصل نہیں ہوتی اگرچہ وہ اقرب ہی ہو اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ راہ سلوک میں اقربیت معیت سے مقدم ہے اور جس شخص نے معیت کو اقربیت ... یا ہے پس قرب اور معیت کے ظاہری معنی کو متحد یا متقارب جان کر اقربیت کی زیادتی کا لحاظ کر کے اس ترتیب کو اختیار کیا ہے لیکن سلوک میں فی الحقیقت اقربیت معیت سے بہت پہلے آتی ہے اسی واسطے اقربیت کا مراقبہ پہلے چاہیئے اور صرف نزدیک اور ہمراہ ہونا معیت کا معنی نہیں بلکہ اس لفظ سے کاموں میں شامل ہونا اور اعانت اور امداد اور ایک رنگ سے رنگین ہونا سمجھا جاتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ فارسی میں ہمراہی کا لفظ اور ہندی میں ساتھی کا لفظ اسی سے خبر دے رہا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیتیں اس معنی پر عادل گواہ کافی ہیں۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ[1] وَإِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ[2] إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استمداد اور استعانت کے موقع پر مع کے لفظ کو استعمال فرمایا ہے پس ظاہر ہو گیا کہ معیت میں

[1] اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [2] اور بیشک میرا رب مددگار میرے ساتھ ہے [3] بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔
ضرور بچھو ... دیگا ...

احاطت معروف ہے اور اقربیت احاطت کے سوا متحقق ہوتی ہے پس اقربیت کا مراقبہ معیت کے مراقبہ سے اول چاہیئے ہر حال میں اسی طرح سے مراقبہ کرتا ہوا اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی معیت کا لحاظ طالب علم کے ذہن میں پختہ ہو جائے اور کمال رسوخ کی یہ علامت ہے کہ تنہائی میں اپنے آپ کو تنہا نہ جانے مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ تنہائی میں اس کو کوئی گناہ پیش آئے تو جس طرح لوگوں کے سامنے یہاں تک شرمندہ ہوتا ہے کہ اُسے گناہ کی طاقت نہیں رہتی اور اس کے اعضاء گناہ کی طرف چلنے سے خود بخود رک جاتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ جل شانہ کے قرب اور معیت کے لحاظ کا اثر اس میں ظاہر ہونا چاہیئے اور دوسرے کے سامنے گناہ کے قصد سے جو رکاوٹ پیش آئے اور اس دوسرے شخص کے حال کے موافق کمالی اور نقصان میں درجے مختلف ہوتے ہیں مثلاً بازاری کا شخص آدمی پیش آوے اور انسان کو گناہ کرنے سے روکے یا باپ یا استاد یا مرشد یا طاقتور عادل انتقام لینے والا بادشاہ آجائے اور اس کی وجہ سے رکاوٹ پیش آوے پس ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں فرق ہوگا بلکہ باپ سے اور طرح کی رکاوٹ ہوگی اور استاد سے اور طرح کی وعلیٰ ہذا القیاس پس اللہ تعالیٰ سے کس قدر شرم چاہیئے کہ وجوہ عنایات اور کمالات کو جامع ہے اور مخلوقات کے وصفوں کو اس کے وصفوں سے ہرگز کچھ نسبت نہیں اگر باپ کی عنایت سے شرمندہ ہوتا ہے تو اس کی عنایت کا کچھ ٹھکانا نہیں اور اگر استاد یا مرشد کی تعظیم گناہ کرنے سے روکتی ہے تو اس کی تعظیم کا قیاس کرنا چاہیئے اور اگر بادشاہ کی ہیبت گناہ سے مانع ہوتی ہے پس سچے بادشاہ حاکم مطلق کی ہیبت کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس ظاہری بادشاہ سے اس کو کیا نسبت ہے وعلیٰ ہذا القیاس اگر جنگل اور میدان ہو تو اپنے آپ کو تنہا نہ جانے اور اگر عبادت کی خلوت میں ہو تو اپنے محبوب اور مطلوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے بلکہ تمام چیزوں سے زیادہ قریب سمجھ کر سراسر انست والفت ہی معلوم کرے اور وحشت اور بیگانگی کا کچھ اثر معلوم نہ کرے جب یہ آثار مترتب ہوں تو معیت کے معنوں کے حصول کا شکر ادا کرے اور یہ معیت اس وقت ولایت کبریٰ کی علامت ہوگی کہ اس دائرے کا اور دونوں مذکورہ دائروں کی نسبت صفائی میں بہت ہی زیادہ

لے یعنی حق تعالیٰ کی۔

اس کے ہمراہ ہو اور اصلیت یہ ہے کہ مختلف رنگوں والے نور ذات پاک کا حجاب ہیں ان کا طے کرنا ضروری ہے پس شغل کے کمال اور اس کی خوبی اور دائروں کی تفاوت اور ان کا بلند ہونا کی درگاہ میں قرب اور عزت کے موافق یہ حجاب طے ہوتے ہیں۔ ایک دائرے میں کم اور دوسرے میں زیادہ یہاں تک کہ ذات بحت کے ادراک تک پہنچ جاتا ہے دوسرے دائروں میں بہت وغیرہ کے ساتھ اقربیت کے لحاظ کی مانند دائرے کے آثار کا ظاہر ہونا جس کے اعتبار پہلا بیان کے بموجب واضح ہو جاتے ہیں اس دائرے میں اکمال تھیں گو ان آثار کا حاصل ہونا نہایت ہی عجیب اور مرغوب کمال ہے لیکن اس ولایت کا معنی جو سلوک کا مقصود ہے انوار و دائرے کے انکشاف کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا اور دائرے کی حقیقت اپنے کمال تک نہیں پہنچتی پس ہر دائرے کی تکمیل دونوں چیزوں سے ہے اول انوار کا انکشاف دوم قرب و معیت و محبت وغیرہ آثار کا حاصل ہونا اور ہر دائرہ کا صاحب اپنی عزت اور ہستی کے موافق کامیاب ہوتا ہے لیکن نچلے دائرے والا بلند دائرے والے کی طرح اپنے مطلوب پر فائض نہیں ہو سکتا مثلاً اگرچہ صاحب دائرہ قلبی اپنے کسی مطلب کو پہنچتا ہے لیکن جس طرح دائرہ محبت والا کامیاب ہوتا ہے دائرہ قلبی والا کامیاب نہ ہو گا اس کے بعد یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ[1] یعنی ذات پاک کے ساتھ اپنی محبت اور اپنے ساتھ اس کی محبت کا مراقبہ ہے اور اس موقع پر اڑھائی دائرے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے تین مرتبے ہیں اول ابتدائی مرتبہ جو آدمیوں کے درمیان دوستی اور آشنائی کے جا بجا ہے ابتدائی محبت میں محب اپنے فائدے اور محبوب کی رضا اور خوشنودی دونوں باتوں کا لحاظ کرتا ہے اور اپنی اور محبوب کی جانب کی پاس خاطر نہیں چھوڑتا اور یہ پہلا دائرہ ہے اور جب محبت نے ترقی کی اور محب کی جب غیبت اور فنا ہونے لگی پہلا دائرہ ختم اور دوسرا دائرہ شروع ہو گیا اور اس دائرے میں اپنے آپ بلکہ تمام مخلوقات پر جانب حق کی ترجیح پیدا ہو جائے گی لیکن اس ترجیح سے وہ عقلی علمی ترجیح مراد نہیں کہ نفع و نقصان کا موازنہ کر کے اس کو ترجیح دیگا بلکہ وہ ترجیح مراد ہے کہ اسی سے دل سے فوارے کی مانند جوش مارتی ہے اور جب نیستی اور فنا اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ گئی اور محب

[1] وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں

کی جانب سے کوئی نشان نہ رہا تو دوسرا دائرہ ختم ہوا اور قوس شروع ہوئی اور اس کا نام یہ
قوس اس واسطے ہے کہ نصف ثانی یعنی محب کی جانب وہاں بالکل نہیں ہے جب تک قوس
کی ابتدا ہے جانب کا خیال نسیاً منسیاً ہو جائے گا پھر قوس محبت پوری ہو جائے گی اور
اسی میں فنا الفنا کا مقام حاصل ہوتا ہے بعد ازاں اسم الظاہر کا مراقبہ ہے اس کی تفصیل
یہ ہے کہ ظاہر اور باطن اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں اور تمام کے بے شمار مظہر ہیں۔ اور ہر نام کا
مصداق اس کی پاک ذات میں موجود ہے جس قدر عرفان زیادہ دقیق ہوگا مظاہر کی شناخت
زیادہ کمال کو پہنچے گی اور اس کی پاک ذات میں مصداقوں کا انتہا زیادہ بہتر اور زیادہ کامل
ہوگا اور تمام جہان اور اجسام اور وہ افعال اور احکام جو تکوین اور تشریع میں ظاہر ہوئے
ہیں اسم ظاہر کے مظہر ہیں اور جو کارخانے اس کی رازقیت سے متعلق ہیں اسی کے ظاہر میں سے
ایک مظہر ہیں اور اسی طرح کتاب کے نازل کرنے اور رسولوں کے بھیجنے وغیرہ کے جو کارخانے
ہدایت کی شان سے متعلق ہیں دوسرا مظہر ہیں اور ایسا ہی ابلیس سے لیکر ہر دوسرا اُن تک
لوگوں کو گمراہ کرنے کے کارخانے۔ اور اسی طرح دو اور مظہر یعنی ثواب اور عذاب بہشت
اور دوزخ وغیرہ کہ پہلے دونوں مظہروں پر مترتب ہوتے ہیں بالجملہ اسم ظاہر کے مظاہرہ
کا لحاظ کرکے ان بے شمار عوالم ظہور کی جہت سے اس مبارک اسم کے مسمّٰی اس کی پاک ذات
کا ملاحظہ کرے۔ اور یہ نہ جانے کہ یہ ملاحظہ ممکن نہیں بلکہ اجمالی طور پر نہایت ہی سہل اور
آسان ہے اور جب بصیرت کی آنکھ زیادہ تیز ہوگی اس کی تیزی کے موافق تفصیل ملاحظہ
بھی زیادہ آسان ہو جائے گا اور اس دقیقہ کے باعث اس صیغہ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ
خَلْقِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ کے ساتھ عارف کی
تسبیح غیر عارف کے ہزار بار تسبیح کہنے کے برابر بلکہ بہت زیادہ ہو جاتی ہے اس کی
تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب صیغہ مذکور کے ساتھ تسبیح کہنے والا وسیع المعرفت عارف ہو
اور اس کا لحاظ تمام خلق کو گھیرے اپنے لحاظ مطابق ثواب کا مستحق ہوگا۔ غیر عارف کے
برخلاف کہ اس کے لحاظ کو کچھ وسعت نہیں بالجملہ جس طرح چاہئے اس مراقبہ کا شغل کرے
اور جب اس مراقبہ سے فرصت کے ہو اور ذکر بالذات کو لطیفہ نفس ہے اور با نتیجہ باقی لطائف

پس اس کے فیوض سے کما حقہ فیض حاصل کر لیں گے اس مراقبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں گے
اور منجملہ اس کے آثار ایک اثر فنائے نفس ہے یعنی نفس اپنے آپ اور اپنے افعال سے
بے خبر ہو جائے گا اور اس کے اخلاق سدھر جائیں گے یعنی اس کی بد عادتیں نیک عادتوں
سے تبدیل ہو جائیں گی اور اس مراقبہ کے فیوض کے ورود میں نفس کے مستقل ہونے کی وجہ
یہ ہے کہ عقل اسم ظاہر کے مظاہر کا ادراک کر سکتی ہے بر خلاف اسم باطن کے اس کے مظاہر
کے ادراک میں الہام اور کشف کے سوا اور کوئی راستہ نہیں اور چونکہ لطیفہ نفس کا محل یعنی
عقل اور ادراک کا محل ہے اسی واسطے اس لطیفہ کو اسم ظاہر کے لطیفے کے فیوض کے ساتھ
زیادہ اختصاص حاصل ہو گیا ہے اور ان آثار کی ترتیب کا یہ سبب ہے کہ اس مراقبہ کی
وجہ سے تمام حرکات و سکنات اور اسباب اور مسببات کا صدور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کی
طرف سے اس طرح اس کے دل میں منقش ہو گا کہ کسی ایک تاثیر سے بھی اس کو غفلت نہ ہو گی
اور امید اور خوف اور محبت صرف اسی پاک ذات سے متعلق ہو جائیں گے اور سالک کی نظر
میں اس کے غیر کا کچھ اعتبار نہ رہے گا اور غیر کو اسی طرح آلہ سمجھے گا جیسے کاتب کے ہاتھ
میں قلم ایک آلہ ہے۔ پس عالی ہمت کریم الطبع کے لیے تو صرف اس پاک ذات کی محبت
اور الفت کی وجہ سے جو کوئی اس قدر کمالات کے ظہور کا باعث ہے آثار مذکور اوپر
کے پورے مترتب ہو جائیں گے اور جو شخص علو ہمت اور کرامت طبع میں ادنیٰ مرتبہ پر ہو
اس کو بعض آثار محبت کی وجہ سے اور بعض آثار خوف کی وجہ سے حاصل ہوں گے اور بمقتضا
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ایک اپنے مقصود پر کامیاب ہو گا اور یہ دائرہ بھی اسی وقت پورا
ہو گا جب کہ آثار کے ظاہر ہونے کے سوا انوار میں بھی کما حقہ ترقیاں ظاہر ہوں جیسے پہلے
مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے اور اگر یہ دائرہ محبت کے دو دائرہ سے مقدم ہوتا تو بہت
بہتر ہوتا اس لیے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں میں بڑی امداد دیتا ہے لیکن جس ترتیب
اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں پر مقدم ہو پھر اسم الباطن کی سیر
کرنی چاہیئے اس کا بیان یہ ہے کہ ان ہی ظاہری چیزوں کا باطن ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم
الباطن سے فیض حاصل کرتا ہے اور اس کی مثال بادشاہت کا انتظام ہے جو کہ ظاہر

ظاہر ہے اور اس کا باطن بادشاہ کی عقل اور تدبیر ہے پس چاہیے کہ اپنی سمجھ کے مطابق بدن کے مظاہر کو معلوم کر کے ان مظاہر میں اسم "الباطن" کے اثر کے اعتبار سے اس کے مسمّیٰ کا مراقبہ کرے اور اس ولایت کو ولایت علیا کہتے ہیں اس لئے کہ یہ ملاء اعلیٰ کی ولایت ہے اور ملاء اعلیٰ سے وہ فرشتے مراد ہیں جو امر کی تدبیر کرنے والے اور احکام الٰہیہ کے اخذ کرنے والے ہیں کہ حکم نافذ ہوتا ہے پہلے وہ اس کو اخذ کرتے ہیں پھر جہان میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ تمام عوالم اجسام اور ان ارواح کا باطن ہیں جو اجسام کے مدبر ہیں اسی واسطے ان کے حال کو اسم الباطن سے تعلق ہے اور جسم انسانی سے اس مراقبہ کے فیض کا مورد آگ اور پانی اور ہوا ہے کیونکہ یہ تینوں عنصر انسانی جسم میں باطن ہیں اور مٹی ظاہر ہے اسی جہت سے یہ تینوں اس کے فیض کا مورد ہیں اور صدور آثار میں ان عناصر کا بدل جانا اس کا اثر ہے کیونکہ آگ اپنی حقیقت سے بدلتی نہیں - بلکہ اپنی طبیعت کے مقتضیٰ پر رہتی ہے پس اس کی طبیعت کا مقتضیٰ اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً آگ کا مقتضا غصہ اور غلبہ ہے جو کہ انسان میں غرور اور تکبر پیدا کرتی ہے اور کبھی دعویٰ خدائی تک پہنچا دیتا ہے شیطان کو اسی آگ کا مقتضیٰ لعنت کا باعث بنا اور اس کو عظیم الرحمت خدا کی بارگاہ سے بالکل ناامید کر دیا اور جب اس مراقبہ کے فیض سے مستفیض ہو گی احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری میں بلند ارادے اور ان میں سبقت اور مسارعت کی سعی اس میں پیدا ہو جائے گی اور انسانی اخلاق میں ہوا کا مقتضیٰ حرص اور خواہشیں ہیں اور اس کا بدلنا اس طرح سے ہے کہ حرص اور خواہش رضیات الٰہیہ کی طرف مشغول ہو جائے اور دنیوی زینت سے منحرف ہو جائے اور انسان میں پانی کا اثر شستگی اور افتادگی اور تسفّل ہے اور اس کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی [illegible] میں شکستہ ہو جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی درگاہ میں گر پڑے اور رب العزت کی عظمت کے سامنے پست ہو جائے اور اس سیر میں اسم الباطن کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور یہ سیر بھی اپنے انوار کے ظاہر ہونے کے باوجود تب ہی تمام ہو گا کہ اس سیر کے موافق نورانی حجابوں کو قطع کیا جائے - پھر تجلی ذاتی دائمی کا سیر ہے اور اس کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ تجلی جس کا متعلق محض ذات ہے اور دائمی سے یہ غرض ہے کہ جو تجلی آسمان و زمین [illegible]

اگرچہ اس تجلی کے استقرار اور ثبوت میں بے شمار تفاوت ہے لیکن دائمی سے ظاہری معنی کے سوا
اور امر مراد نہیں اور انبیاء اور مرسلین اور اولو العزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی تجلی پر منحصر
پس اس سیر کے تین درجے ہیں اول اس لحاظ سے کہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا منشاء ہے
اس طرح سے علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں کسی طرح سے غلطی واقع نہ ہو سکے اور انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ بات ہمیشہ حتیٰ کہ خواب میں بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ انکا وجود
باوجود فیض کا منبع ہوتا ہے اور اگرچہ ان کو خبر نہ ہو لوگوں کو ان کے منافع پہنچتے رہتے ہیں۔
پس ان کا وجود چراغ کی مانند ہے کہ اس کی روشنی سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں گو چراغ
کو خبر نہیں ہوتی۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے کام میں ہیں اسی واسطے ان کے
فیوض تجلی ذاتی دائمی سے متعلق ہیں فرشتوں کے برخلاف کہ وہ ہمیشہ ایک کام میں مستغرق نہیں
رہتے بلکہ حکم اور فرمان پہنچنے کے وقت کام بجا لاتے ہیں پھر بیکار اور منتظر اور مستعد رہتے
ہیں اسی واسطے ملائکہ کے کمالات کا منشاء تجلی ذاتی دائمی نہیں ہوتی۔ اور وہ انوار تجلیات جو پیغمبر
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے ثمرات ہیں اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس سیر کے نتیجہ
کا ظہور دو وجہ سے خاک کا عنصر ہے اول یہ کہ استقرار اور ثبات مٹی کی خاصیت ہے اس
لئے اس سیر کے مناسب ہے۔ دوم یہ کہ اس تجلی میں ظہور کے معنی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کہہ
سکتے ہیں کہ سارا جہان تجلی ذاتی دائمی سے ہے اور عالم کا ظہور ظاہر ہے اور عالم کے ظہور سے
اس تجلی کا ظہور سمجھ لینا چاہئے اور انسان میں مٹی کا عنصر بھی ظاہر ہے اور انسان میں تواضع
اور فروتنی کا پیدا ہو جانا مٹی کے عنصر میں اس سیر کے فیض کے ظہور کا اثر ہے اپنے مالک
کے سامنے تواضع اور فروتنی کرنا اور اس کے حکم کو قبول کرنے سے سرکشی نہ کرنا اس سے
مقصود ہے اگرچہ اپنے مالک کے احکام کی بجا آوری میں اس کے دشمن پر ایک قسم کی تعلی پائی
جائے اور جو پستی پامالی کی وجہ سے ہے وہ اس تواضع کا غیر ہے کیونکہ تسفل میں مطلقاً اپنی پستی
ہوتی ہے اور تواضع کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنے بازو کو پست کرے پس
تواضع ہر وقت میں ایک جدید امر ہے جو پیش آتا ہے تسفل کے برخلاف کیونکہ یہ ایک
ایسا امر ہے جو ہمیشہ ساتھ لگا رہتا ہے کبھی جدا نہیں ہوتا اور جس طرح پہلے بیان ہو چکا

ہے ان آثار کے ظہور کا امتیاز کرنا چاہیے اس لیے کہ کبھی عقلمند انسان صفات
نفسانیہ میں سے کسی ایک صفت کے تصور کو اس کا حصول سمجھنے لگ جاتا ہے اور جو گفتگو
ایک فلسفی حکیم اور کامل عارف کے درمیان جاری ہوئی ہے اس امر کے بیان کرنے
کے لئے ایک پوری مثال ہے منقول ہے کہ ایک فلسفی حکیم اور ایک کامل کی آپس میں
ملاقات ہوئی ملاقات کے بعد ایک شخص غائبانہ عارف سے حکیم کا حال پوچھا عارف
نے فرمایا کہ اس میں اخلاق نہیں اور یہ بات کسی نے حکیم کو پہنچائی حکیم نے اخلاق کے
توضیح میں ایک سنہری اور عمدہ کتاب تالیف کر کے عارف کی خدمت میں بھیجدی ۔
عارف نے فرمایا کہ میں نے تو کہا ہے کہ اس میں اخلاق نہیں یہ نہیں کہا کہ وہ اخلاق جانتا
نہیں ۔ پس اس نے جان لیا کہ اخلاق کا علم اور چیز ہے اور اس کا حاصل ہونا اور چیز اور
کبھی عبادت کی وجہ سے اور کبھی نفسانی وسوسے سے اور کبھی شیطانی مکر سے کمالات
کا تصور ان کے حاصل ہونے سے مشتبہ ہو جاتا ہے اور انسان جہل مرکب کی لا علاج
بیماری میں رہتا ہے اور یہ بے نصیبی کی صریح علامت ہے اور حصول وہی معتبر ہے
جو تہ دل سے جوش مارتا ہے وہ نہیں جو زور کے ساتھ اپنے اوپر باندھ لیا جائے اور
اس سیر کے پورا کرنے کے واسطے جس طرح کئی بار مذکور ہو چکا ہے انوار کا تبدل ضروری
ہے اور اس تجلی کے سیر کا دوسرا درجہ منشا کمالات رسالت ہے رسولوں کے خصائص کو
سمجھ کر اس کے منشا کی طرف انتقال کرے اور منشا ہونے کی وجہ سے حضرت ذات کا
مراقبہ کرے مخلوقات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وساطت اور ایلچی گری کے ظہور سے
رسالت اور نبوت میں امتیاز ہو سکتا ہے اور ناصح اور واعظ ہونا اور مجنوں اور دلیلوں
کے بیان کرنے میں بہت کوشش کرنا اور معجزات کا قائم کرنا اور مناظرہ اور مباحثہ اور مقابلہ
کرنا انبیاء کے برخلاف رسولوں کو لازم ہے کیونکہ انبیاء کو مقابلہ کرنا لازم نہیں ۔ اور رسالت
کے حق میں رسول کا قول معتبر ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ معتبر اور سچے ایلچی کو جب کسی
قوم کی طرف بھیجتے ہیں اس قوم کی فرمانبرداری کرنے یا نہ کرنے میں اس کی بات مقبول
ہوتی ہے اور کمالات اولوالعزم کا منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنا اس تجلی کی سیر کا

تیسرا درجہ ہے کفار کے ہلاک کرنے اور مومنوں کی اصلاح کے بارہ میں قوی ہمت کی بجا آوری کے ساتھ باقی رسولوں سے اولو العزم کا امتیاز ہو سکتا ہے پس کفار کے ہلاک کرنے میں رسولوں میں سے اولو العزم کی قوی ہمت کو بڑا بھاری دخل ہے رسول تو صرف امت کا حال ظاہر کرتے ہیں اور کفار کے ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے قہری ارادے کے لیے اعضائے انسانی کے جابجا نہیں ہوتے اور اولو العزم ملائکہ کی مانند عضو کے قائم مقام ہوتے ہیں اور عضو کے قائم مقام ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں اول آنکہ فرشتے اور اولو العزم رسول وساطت میں برابر ہوں دوم آنکہ فرشتے مستقل ہوں اور رسول تابع سوم اس کے برعکس یعنی رسول مستقل ہوں اور فرشتے تابع اور تیسری صورت ایک بڑا درجہ ہے جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور اس کا ظہور جیسا کہ چاہئے بدر کے دن ہوا اور صحابہ میں سے حاضرین بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی طفیل اس خاصیت سے بڑا حصہ ملا ہے بالجملہ انبیاء میں سے رسولوں کا امتیاز اور رسولوں میں سے اولو العزم کا امتیاز اس سیر کے مراتب اور اس کے آثار حاصل ہونے کے واسطے ضروری امر ہے اور آثار کے حاصل ہونے میں کلام کا خلاصہ جو ہر مقام کی سیر کے منتہا تک پہنچنے کی دلیل ہو یہ ہے کہ اس موقع پر تین امور کا ہونا ضروری ہے۔ اول انوار کا بدلنا جو مکرر سہ کرر مذکور ہوا دوم صفات کا بدلنا چنانچہ یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے اور تیسرا یہ ہے کہ جس صفت اور شان میں مراقبہ کیا جائے اسی صفت اور شان میں سے کسی حصہ کا حاصل ہونا بھی تبدل صفات میں سے ہے پس کمالات نبوت کا منتہا ہونے کے لحاظ سے جو شخص ذات کا مراقبہ کریگا اس کو نبوت کے معانی میں سے کسی معنی پر ضرور کامیاب کر دینگے اس کا ادنیٰ درجہ نیک خوابیں ہیں اور اسی طرح دوسرے درجہ میں رسالت کا معنی اس پر فائز ہوگا اور ظالموں اور جاہلوں اور سرکشوں کے سمجھانے اور پڑھانے اور مناظرے کا اس کو الہام کیا جائیگا اور تیسرے درجہ سے نافرمانوں اور سرکشوں کے ہلاک کرنے اور مطیعوں اور مخلصوں کے انعام و اکرام کے بارہ میں اس کو قوی ہمت بخشیں گے اور اس مدعا کو عام طور پر اس طرح جاننا چاہئے کہ اسرار الٰہی میں

سے جس اسم کا مراقبہ کریگا اسی سے کچھ پائے گا۔ جو شخص اس کی رزاقیت کا مراقبہ کریگا اور اس مراقبہ کو کمال تک پہونچائے گا رزاقیت کی کچھ شان اس میں جلوہ گر ہو جائیگی اس کریم مطلق کی بے نہایت مہربانی اس کا باعث ہے کہ کرامۃ کی عادت ہے کہ جو شخص مثلاً کھانا کھانے کے وقت ان کے سامنے جائے اور طمع کی آنکھ اس پر لگائے البتہ اس کو ایک لقمہ دیں گے اور اسی مثال سے اس کلام کے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں یعنی جو شخص مثلاً اسم محی کا مراقبہ کریگا گویا اس کی شان احیا کے سامنے جا کھڑا ہوا ہے پس حق سبحانہ وتعالیٰ کے کرم کا مقتضا یہ ہو کہ شان احیا سے کچھ اثر اس شخص کو بخشے سوم اللہ جل شانہ کی خاص عنایت اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جب خاص بندہ خدا تعالیٰ کے کسی کام کو خوبی سے سرانجام دیتا ہے دو چیز کا مستحق ہو جاتا ہے ایک ثواب دوسرا انعام۔ ثواب اگرچہ بے حساب ہو لیکن مزدوری کی جا بجا اور اس کام کا نتیجہ اور اس کے مناسب ہے اور انعام خلعت فاخرہ کے قائم مقام ہے رضائے مولا جس کا سبب ہے جب انسان اس سے کامیاب ہوتا ہے کما حقہ دونوں کا امتیاز کر لیتا ہے مستجاب الدعوات ہونا اور ملاء اعلیٰ میں عزت پانا انعام کی مثال ہے اور وہ انعام ایسی چیز ہوتا ہے جو ہر کام میں کارآمد ہوتا ہے بہشت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار انعام ہے اور حور و قصور و غلمان اجرت اور مزدوری ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ اور روایت صحیحہ کے بموجب زیادتی سے دیدار خداوندی مراد ہے اور انسان کی ہیئت مجموعی ان اخیر کے دو درجوں کے فیض کا مورد ہے اس فیض کے ورود میں کسی عنصر اور لطیفہ کو خصوصیت نہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جامعیت کے لحاظ سے رسولوں اور اولوالعزم کے کمالات کا منتہیٰ ذات پاک ہے اور انسان کی تمام اجزاء کی اصلاح ان کمالات کے صاحبوں کا اصل مقصود ہے اسی لئے ان دونوں درجوں کے فیض کا محل ورود مجموعی ہیئت ہوتی ہے پھر حقیقت کعبہ کے ظہور کے اعتبار سے حضرت ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے حضرت ذات کا تمام مخلوق کے واسطے مسجود ہونا کعبہ کی حقیقت ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اور حقانیت کی وجہ سے معظم ہونا اس مراقبہ کا اثر ہے اہل حق اس

لہ کنایۃ از فیاض لوگوں کی ۱۲

سیر والے کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا باعث جانتے
ہیں اسی واسطے بعض اصحابہ رضی کے خیال میں گزرا تھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو سجدہ کرنا چاہیے اور حضرت آدم صفی اللہ صلوات اللہ علی نبینا وعلیہ تمام ملائکہ کے مسجود اور
قبلہ بنے اور حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے بزرگوں یعنی والدین
اور بڑے بھائیوں نے سجدہ کیا پھر حضرت ذات سے حقیقت قرآنی کے ظاہر ہونے کے
اعتبار سے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس کی بیچونی کی وسعت کا مبدا اس کا منشا ہے
پہلے وسعت بیچونی کا تصور کرنا چاہیئے اور اس کا طریق یہ ہے کہ ظہور افعال کے اعتبار یا کسی طرز
سے ذات پاک کی وسعت کو ذہن نشین کریں۔ لیکن ظہور افعال کے اعتبار سے اس طرح کا حکم
کریں کہ ہر حرکت کے پیچھے جو جہانوں میں ہوتی ہے حقیقت میں محرک وہی ہے پس اگر چیونٹی
کا پاؤں ہلتا ہے تو اس کے ہلانے سے ہلتا ہے اور اگر فلک الافلاک گردش کرتا ہے تو اسی کے حرکت
دینے سے گردش کرتا ہے اور اگر ہم اس کی تحریک کا طریق اور سبیل دریافت کرنا چاہیں تو بیچون
اور بیچگون کہنے اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کے پڑھ دینے کے سوا کوئی امر معلوم نہیں ہوتا پس
جس طرح کہ اس کے افعال میں ایسی وسعت ہے کہ اس نے تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے اسی طرح
اس کی بیچونی اور بیچگونی کو بھی سمجھنا چاہیے اور یہ بیان اس کی بیچونی کی بہ نسبت بہت تھوڑا
ہے پھر کلام بیچون کی وسعت کو پہچاننا چاہیے اس لحاظ سے کہ کلام ہر چیز کو بیان کرتی ہے اس
میں اس قدر وسعت ہے کہ معدومات اور موجودات سب اس میں سما جاتے ہیں اور اس
وجہ سے کہ خواص تجلی حسنہ کا اثر اس میں پایا جاتا ہے اس کو بیچون کہہ سکتے ہیں اور حقائق عالم
پر مشتمل ہونے اور مہیمن ہونے کے باعث قرآن شریف میں بے نہایت لمبی چوڑی وسعت ہے
انسانی علم کو اس کے غتہی تک پہنچنا محال ہے اور چونکہ ازلی حقیقت کا ظہور اس سے ہے
اس لئے بیچون ہے اور اس کی بیچونی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ عرب کے مستعملہ حروف اور
کلمات سے اس کے مرکب ہونے کے باوجود اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب غیر خدا سے نہیں
ہو سکتی اور اس کا باعث یہ ہے کہ اس کلام کی ترکیب میں بیچوں ذات نے ایسا بیچون امر
امانت رکھا ہے کہ ہزاروں فصیح و بلیغ اس کی کنہ کو پہنچ نہیں سکتے اور انسان جو کہ خاص

صفت کلام کا مظہر ہے اور آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی صفت کی وجہ سے تمام ملائکہ کے معزز ہوئے جب غیر خدا اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب سے عاجز ہو گیا تو اس کے غیب اس کا سرانجام ہرگز نہ ہو سکے گا پھر قرآن مجید کی مبدئیت کو معلوم کرنا چاہیے اور اگرچہ قرآن مجید غایات اور نہایات پر مشتمل ہے لیکن قرآن مجید کے سوا معرفت کے شروع کی کوئی سبیل نہیں مثلاً بخشی گری اور وزارت اور امارت اور ان کے سوا بادشاہی کے تمام عہدوں کا مبدا نوکری ہے پس یہی نوکری وزارت ہوتی ہے اور یہی نوکری خدمتگاری ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید میں وسعت بیچون کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی اسی واسطے مبدا ہونے کے لائق ہے۔ جب تینوں باتیں ذہن نشین ہو گئیں تو وسعت بیچونی کے مبدا کا معنی جو کہ حقیقت قرآنی کا منشا ہے سمجھ میں آ گیا پس وسعت بیچونی کے لحاظ سے جو کہ حقیقت قرآنی کا منشا ہے مراقبہ ذات کا شغل کرے اور اپنے آپ میں آثار کے ظاہر ہونے اور انوار کے بدلنے کو معلوم کر کے کمال وسعت بیچون کا طالب ہونا چاہیے اور اس سیر کے آثار میں سے وہ صفائی اور نزاہت ہے جو اس سیر میں پہنچنے والا اپنے آپ میں پاتا ہے اور وہ بیچون اور کمال وسعت بیچونی کے مناسب صفائی طرح طرح کی نیاز اور قسم قسم کی تعظیم کی حقیقت کا منشا کہ نماز ان سب کو جمع کرنے والی ہے کمال مذکور کی طرف اشارہ کرتی ہے حقیقت قرآن کی منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنے کے بعد حقیقت صلوٰۃ کا منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرے اور مراقبہ کرنے والی کی نہایت صفائی اور پاکیزگی اس کا اثر ہے بس بول اور پاخانہ کی مانند ظاہری نجاستوں کے ساتھ عین آلودہ ہونے کے وقت اپنے آپ میں صفائی اور ستھرائی معلوم کرتا ہے اس کے بعد ارکان نماز میں مسجودیت مقیدہ سے قطع نظر محض معبودیت کا مراقبہ ہے اور اس کی تصویر یہ ہے کہ مثلاً اس لحاظ سے نماز کا ادا کرنا معبودیت مقیدہ ہے کہ ہمارے منعم اور آپ کے حاکم نے ہم پر فرض کی ہے اور اس لحاظ سے کہ اس کی ذات اس تعظیم کی مستحق ہے معبودیت محضہ ہے اور اپنی وہ عظمت اور بزرگی اس کا اثر ہے جو بے وجہ اور بے سبب اپنے آپ میں پائے گا یہ عظمت اس عظمت کے برخلاف ہے جو حقیقت کعبہ کے مقام میں معلوم کی تھی اور اس کے بعد حقیقت ابراہیمی کا منشا ہونے کے

لحاظ سے ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس میں مجمل بات یہ ہے کہ اپنے کمال کے لحاظ سے ہر کمال کو اپنے ساتھ انس ہوتا ہے اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ صاحب کمال کو کبھی کبھی وحشت میں وحشت پیش آتی ہے اور وہ کامل جب اپنے کمال کا ملاحظہ کرتا ہے بجز اس امر کے کہ عجب پیدا ہو اپنے آپ میں ایک مونس اور رفیق گمان کرتا ہے اور اپنے ساتھ اس طرح مانوس ہوتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ کو اپنے ساتھ اُنست ہے اور کمال ابراہیمی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے منشا یعنی حضرت ذات کی اپنی ذات کے ساتھ انست کا ملاحظہ کر کے مراقبہ کریں اور جب یہ مراقبہ اپنے کمال کو پہنچے گا اس مراقبہ والے میں دوستی کا اثر ہو جائے گا اور جو دوسرے آثار کہ بیان کیے گئے ہیں ہر جگہ جاننے چاہئیں اس کے بعد حقیقت موسویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہونے کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے اور وہ ذات کی محبیت ہے اور محبیت کو ہر کوئی جانتا ہے مراقبہ محبیت ابتدا میں تو اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ سالک خدا تعالیٰ کا محب بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سالک کا محب ہوتا ہے اور اس سیر میں ذات کے ساتھ ذات کی محبیت کا مراقبہ ہے اور حقیقت موسویہ کی ہے اور جاننا چاہیے کہ خلت سے وہ علاقہ مراد ہے جو دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے اور محبیت ایک طرف سے ہوتی ہے لیکن خلت سے زیادہ قوی ہوتی ہے پس خلت اس آشنائی کے جا بجا ہے کہ دونوں آشناؤں میں سے ایک کو دوسرے پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور ہر ایک کی عزت اور وجاہت دوسرے کے دل میں پختہ ہوتی ہے اور بادشاہوں کی بہ نسبت وزیروں اور امیروں کی مانند یہ خلت عمدہ کاموں کے واسطے بننے کا موجب ہوتی ہے اور محبیت کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ صرف محبیت ہو اور محبوبیت تک نہ پہنچے اور عزت اور وجاہت کے لحاظ سے یہ محبیت خلت کے مرتبہ سے کم ہے اور قرب اور حضور کی ہمیشگی کے لحاظ سے زیادہ ہے جس طرح جو خواص نہایت خیر خواہ اور خدمتگاری میں دل سوز ہوتا ہے امیر کبیر کی بہ نسبت اس کا قرب زیادہ ہوگا دوسری وہ محبیت جو محبیت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر محبوبیت کی سرحد تک پہنچ جائے لیکن محبوبیت تک نہ پہنچے اگر اس مقام سے جو محبیت کا منتہا ہے آگے بڑھ کر محبوبیت تک پہنچ گیا تو یہ محبیت فی الجملہ خلت بھی ہے تیسری وہ محبیت جو محبوبیت تک پہنچ جائے یہ بیشک خلت سے بہت بلند ہے اور جس طرح کہ ابھی آگے کا حقیقت

محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا منشا ہے چونکہ اس جگہ مراتب ولایت کا بیان ہو رہا ہے اور ولایت کا مدار قرب اور دوام حضور پر ہے اور یہ بات محبیت میں خلت سے زیادہ ہے اگرچہ کاموں کے سرانجام اور بڑے بڑے کاموں کا واسطہ ہونے میں خلت زیادہ ہے اسی واسطے اس سلسلہ کے بزرگواروں نے محبیت کو خلت کے پیچھے رکھا ہے اگر محبیت کے مقدم ہونے کی یہ وجہ نہ ہو تو دراصل حقیقت ابراہیمی حقیقت موسویہ سے افضل ہے اس کے بعد اس ملی ہوئی محبیت اور محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہے اس کے بعد محبیت کی ملاوٹ کے سوا محض محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے جو حقیقت احمدیہ ہے اس کے بعد صرف حب کا مراقبہ ہے جس کو محب یا محبوب سے کچھ تعلق نہیں اس کے بعد اس لحاظ سے لاتعین کا مراقبہ کیا جاتا ہے کہ اس کی پاک ذات کا ایسا مرتبہ ہے کہ سب تعبیریں اس سے نیچے ہیں کوئی تعبیر اور بیان اس کو نہیں پہنچتا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تکملہ راہ ولایت کے سلوک ثانی کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے

تمہید۔ بے سمجھ طالب جب معرفت ذات کے مقام پر پہنچتے ہیں اور سلوک متعارف کو ختم کر لیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم بھی حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ بزرگ نائب رسول اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت قطب الاقطاب جناب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور پیشوائے شریعت و طریقت حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی اور حضرت امام ربانی قیوم زمانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی وغیرہم قدس اللہ اسرارہم اجمعین جیسے بڑے بڑے اولیاء اللہ کے ہم پایہ اور ہم مقام ہو گئے ہیں اور یہ صریح غلطی اور نہایت ہی برا عقیدہ ہے اس لئے کہ فلاں اور فلاں بھی اس مقام تک تو پہنچ جاتے ہیں اور جب اس مقام میں ان کی رسائی بھی ہوا کرتی ہے تو کس طرح سے اس مرتبہ کو خدا تعالیٰ کی قبولیت کی بارگاہ کے بزرگواروں اور ان کی ولایت کے ملکوں کے بادشاہوں کے کمال کا منتہیٰ سمجھ سکتے ہیں۔ شعر

فَهُوَ تُوِلَ خُدَا الْمَلِکَ اَلْغَفَّارُ ‎ ‎ ‎ ‎ ‎ اَدُّدِش تَحْتَ رِجْلِکَ اَمْ حِمَارُ

[illegible]

اگرچہ جس طرح سلوک متعارف اس کتاب میں لکھا گیا ہے اہل خذلان اور بطلان کو اس میں رسائی نہیں۔ اس لیے کہ اس کے اکثر اشغال آداب شرعیہ اور تعظیم شرع شریف سے ملائے گئے ہیں لیکن اس جگہ آداب شرعیہ کے ملانے سے قطع نظر محض ان اشغال کا حال بیان کرنا مقصود ہے پس اصلیت یہ ہے کہ بیشک معرفت ذات تک وصول حاصل ہو گیا لیکن رد اور قبول اس وصول کے سوا دوسری چیز ہے مردودان درگاہ الٰہی کو اس مقام تک پہنچا دینا اس کے قائم مقام ہے کہ ایک ڈاکو بڑی کوشش کر کے بادشاہی قلعہ میں پہنچ جائے اگر اپنے بُرے فعل سے توبہ نہ کی تو قریب ہے کہ بادشاہی غضب میں گرفتار ہو جائے اور سلطانی حکم کے مقابل میں جو بغاوت اور سرکشی اس نے کی ہے اس کے زائل ہونے کا اثر عدالت سلطانی کے محکمے میں ثابت نہ ہو۔ اس بے دین طالب کا یہی حال ہے جو معرفت ذات تک پہنچ گیا ہے۔ ہاں شریعت کے پابند طالب کے حق میں یہ ایک بڑی چیز ہے کہ در اصل ترقی اور کمال کا آغاز اسی مقام سے ہوتا ہے اور یہ مرتبہ ابجد خوانی کے جا بجا ہے اور جو مرتبے ابتدا سے یہاں تک ذکر کیے گئے ہیں مطلوب اور مقصود کمال میں گنے نہیں جا سکتے اور اس امر کی حقیقت اس مثال کے ضمن میں جو آئندہ افادے کے ضمن میں ہے انشاء اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے واضح ہو جائے گی پس حضور اللہ تعالیٰ کی مقبولیت کی بارگاہ کے جز گروہ کے لیے متعارف سلوک کے سوا اور ترقیاں اور مقام ہیں کہ جن کی وجہ سے مقبولان حق کے زمرے سے ہو گئے ہیں بلکہ ان کے ممتاز ہونے کے باعث باقی مقبولوں سے انہوں نے امتیاز حاصل کیا ہے پس ان ہی ترقیوں کو ہم سلوک ثانی کہتے ہیں اور صوفیہ کی زبان سے جو القاب ان مقامات کے واسطے مقرر ہیں ان کا منتہی قطب ارشاد ہے جو رحمت الٰہی کے افاضے کا واسطہ ہوتا ہے جو کچھ پہنچتا ہے اسی کے ذریعے پہنچتا ہے اور اکثر ناواقف جو سلوک اول ثانی میں تمیز نہیں کرتے بلکہ سلوک ثانی سے بالکل بے خبر ہیں جانتے ہیں کہ سلوک اول کے تمام ہوتے ہی کمال تمام ہو جاتا ہے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ پہلے کی انتہا اس دوسرے سلوک کی ابتدا ہے جو اصل مقصود ہے اور بعض بارگاہ الٰہی کے بعض مقبول سلوک اول میں سیر کرنے کے بغیر ہی سلوک ثانی کے مدارج میں ممتاز اور سرفراز ہو جاتے ہیں۔ اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک صاحب عقل اور صاحب ہمت شخص کو

جو بادشاہ کے حضور سے دور ہے بادشاہی احکام پہنچے اور اس نے ان احکام کی بجا آوری
میں اس طرح کی کوشش کی کہ تمام رعایا اور سپاہیوں میں نمک حلالی اور بارگاہ سلطانی کی فدویت
کے لقب سے مشہور ہو کر حضور کے مقربوں میں سے بہت سے لوگوں کا محسود بن گیا ایسے شخص
کو جس وقت حضور میسر ہو گیا ایسی عزت اور امتیاز سے کامیاب ہوگا کہ سلوک اول کے سالکوں
کو اس کا حاصل ہونا مشکل ہے اور بعض اوقات سلوک اول میں ہی سلوک ثانی کے درجے
حاصل ہو جاتے ہیں اور ایسا شخص صوفیوں کی اصطلاح میں سلوک اول کا سالک ہے اور سلوک
ثانی کے درجوں کے لحاظ سے اس کا حال اس صاحب عقل اور ہمت کی مانند ہے کہ جس کا
تھوڑا سا ماجرا اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور شریعت کے بموجب نیت کے اخلاص اور
طبیعت کی صفائی اس کا باعث ہے کہ سلوک اول کے اشتغال کو محض عبادت اور اللہ تعالی
کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے جس قدر اس امر میں اس کی نیت زیادہ صاف
ہوگی سلوک ثانی کے مدارج بہت جلدی حاصل ہوں گے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اور اگرچہ
سلوک ثانی میں شرع کا مقصود اور قرآن و حدیث کا بیان کیا ہوا ہے لیکن سلوک اول کی سی
طرح ضبط کیا ہوا نہیں لہذا اختصار کے طور پر لکھا جاتا ہے بعون اللہ تعالی وحسن توفیقہ۔

مقصد راہ ولایت کے دوسرے سلوک کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ ولایت کے رستے میں دو سلوک مرتب ہیں پہلا تو ضبط اور ربط کے ساتھ
تدوین کیا ہوا ہے اور دوسرا منضبط نہیں باوجود آنکہ اس سلوک کا منتہیٰ اصل مقصود ہے
ہمیشہ اہل ولایت یہ سلوک کرتے رہے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور سلوک ثانی
کے عدم انضباط کی وجہ سے اکثر اوقات ناواقفوں پر دونوں مشتبہ ہو جاتے ہیں اور ہر
ایک کو دوسرے سے ممتاز اور جدا نہیں جانتے لہذا ہر ایک کی تفصیلی تمثیل سن لینی چاہیے
تاکہ آپس میں جدا جدا ہو جائیں اور واضح ہو جائے کہ مقصود اصل سلوک ثانی پر موقوف ہے پس
مقصود کی یہ مثال ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص ہے جس کا وطن دارالخلافہ سے دور ہے
بادشاہی مرتبوں کے شوق اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے ہیں اور اپنی کامیابی کے رستے
دربار بادشاہ کے حضور میں منحصر جان کر حضور بادشاہی میں پہنچنے کے واسطے کوشش کر رہا ہے

اور اپنے اصل مقصود کو اپنے دل ہی میں پوشیدہ رکھ کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے ہی کو اپنا
اصل مقصود بتلاتا ہے اور بادشاہی حضور میں پہنچنے سے پہلے اپنے اصل مقصود کو چھپائے رکھتا ہے
اور یا تو اس وجہ سے کہ اس کے اظہار میں کئی فسادوں کے واقع ہونے کا اندیشہ ہے یا
اس واسطے کہ فی الحال اس کے ظاہر کرنے کا کچھ فائدہ نہیں اس کے اظہار سے خاموش
رہتا ہے پس منزل مقصود کی طرف پہنچنے کے لیے سفر تدبیر کریگا اور رفیقان راہ کے حال
اور منزلوں کے نام کی تفتیش کرکے سیدھا راستہ مقرر کرکے اسباب سفر کو جمع کرے گا اور
سامان جمع ہو جانے کے بعد اپنے خویش واقربا سے رخصت ہو کر وطن اور ملک کو چھوڑ
کر ان کی محبت اپنے دل میں قطع کرکے اور ان سب کو پس پشت ڈال کر رستے کو قطع کرنا
شروع کریگا رستے کے اثنا میں دائیں بائیں شہر اور باغ اور نہریں اور دو عجائب چیزیں جو
کبھی نہ دیکھی تھیں ظاہر ہوں گی سیر وتماشا یا شہر کے باشندوں کا حال دریافت کرنے یا سفر
کا تجربہ حاصل کرنے یا ان ہی جیسی کسی اور غرض کے واسطے سیدھے رستے سے پھر کر مسافت
کے بڑھ جانے کو اپنے دل میں گوارا کر لیا۔ اور یہ بھی دور نہیں کہ اب سیر وتماشا میں ایسا
مشغول ہو جائے کہ اپنے مقصود کو بھلا ہی دیگا یا یادداشت کے باوجود کبھی منزل
مقصود تک نہ پہنچے اور اپنی تمام عمر اسی سیر وتماشے میں برباد کر دے اور اتنا تو معلوم ہے
کہ بڑی تکلیف اور بڑی مدت کے گذرنے کے بعد منزل مقصود تک پہنچے گا اور اگر سیدھے
رستے سے نہ پھرا اور منزل بمنزل راہ راست کو طے کرتا گیا تو البتہ دار الخلافہ کی علامتیں
روز بروز ظاہر ہو کر قرب اور مقصود کے حاصل ہونے کی خوشخبری اس کے کانوں میں
پہنچائیں گے اور جس قدر نزدیک ہوتا گیا فیل خانے اور شتر خانے اور اصطبل اور اسی جیسے
وہ نشان جو دار الخلافہ سے متصل ہیں ظاہر ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ دار الخلافے میں پہنچ کر
کسی وجہ سے اپنے مقصود کا وصول کرکے مطمئن ہو گیا۔ اور سفر کی تکلیفوں سے آرام کی طرف
متوجہ ہوا اس کے بعد خاص دیوان میں پہنچ کر اس کو بادشاہی اقبال اور بندگی کی شان وشوکت
کے موافق دیکھ کر سلطنت کی حقیقت کا بیان کنندہ معلوم کیا اور من وجہ بادشاہ کے حضور
سے کامیاب ہو گیا پھر بادشاہ کے حضور میں پہنچ کر اپنے ظاہری پہلے مقصود کو پہنچ کر اصلی

دوسرے مطلوب کے حاصل ہونے کے طریق کی تجسس اور تلاش کریگا پس پہلا مطلوب سلوک اول کا منتہیٰ ہے اور دوسرے مطلوب کے حاصل ہونیکا طریق دوسرا سلوک ہے اور ابتدا سے انتہا تک سلوک اول کے ساتھ اس مثال کی تطبیق ظاہر ہے اس واسطے کہ مرشد اور اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقوں میں سے ایک طریق کا تجسس کرنا اور کسی رہبر کے پاس پہنچکر ایک طریقہ معین کرنا رفیقان راہ کے حال کے اور رستوں کے تلاش کرنے اور ان میں سے ایک کے مقرر کرنے کے قائم مقام ہے اور اذکار جہری ہوں یا سری زبان سے ہوں یا لطائف سے یا سلطان الذکر ہو اسباب سفر کے جمع کرنے کے جابجا ہے اور اپنے خویش و اقارب اور وطن اور ملک کا چھوڑنا شغل نفی کے جابجا ہے اور دائیں بائیں پھر جانا توحید صفاتی کے کشف میں مستغرق ہونے کے قائم مقام ہے۔ اور اکثر اوقات توحید صفاتی کے واقعات میں اس طرح مستغرق ہوجاتا ہے کہ ذات بحت تک پہنچنے سے غافل ہوجاتا ہے اور بہت دفعہ ایسا اتفاق پڑجاتا ہے کہ وصول کی یادآوری کے باوجود بھی ان ہی واقعات میں پھنسا رہتا ہے اور ان سے نکلنا نہیں اور اگر نکلا بھی تو دشواری اور دیر سے پہنچا تو ضروری امر ہے اور جو شخص اپنی ہمت کو توحید صفاتی سے ہٹائے رکھتا ہے اور ادھر ادھر پھرنے کے سوا منزل مقصود کے سیدھے رستے پر چلا جاتا ہے (وہ جلدی پہنچتا ہے) اور دار الفنا فر کی علامتیں اور نشانیاں ذات نفس کے نورانی حجابوں کی مانند ہیں۔ اور وہ حجاب ہزاروں ہیں جن میں سے آخری حجاب نسبت بیرنگی دیوان خاص کی مانند ہے چونکہ اللہ جل شانہ کی ذات پاک بیچوں اور بیچگوں ہے اور حجاب کو اس پاک ذات کے ساتھ زیادہ اختصاص ہے اس واسطے وہ نہایت لطیف اور بالکل لطیف ہے لہٰذا اس کا نام بیرنگی مقرر کیا گیا ہے اور جاننا چاہیئے کہ نورانی حجاب سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں بلکہ دونوں طرف سے ہر ایک کیلئے ایک معین حد ہے کہ اس حد تک اسی حجاب کے متعلق ہے بادشاہی مکانات کے دروازوں کے پردوں سے اسکی مثال معلوم کرسکتے ہیں مثلاً جو پردہ دیوان خاص کے رستے میں آئیگا دونوں طرفوں سے اس پردے کیلئے ایک معین حد ہوگا اور اس پردے کے خادم اور حاجب اسی حد کی نگہبانی کے ذمہ دار ہونگے اور آنیوالے کو اجازت یا ممانعت کے ساتھ اسی حد سے مطلع کردیں گے اور آنیوالے

پہنچائیں گے تاکہ دیوان خاص کے اندرونی موکل اس کو دوسری حد تک اپنی اجازت کے ساتھ پہنچائیں گے تاکہ دیوان خاص کے اندرونی موکل اس آنے والے کو اجنبی نہ سمجھیں اور اندر جانے میں اسکے مزاحم نہ ہوں اور دیہات کے جنگل کی اِدھر اُدھر کی سیر بھی اس کی مثال ہو سکتی ہے پس اس طرح نسبت بیرنگی کو ویرانہ سمجھنا چاہئے اور لکھی ہوئی مثال میں اسکی ابتدا دار الخلافہ سے سمجھنی چاہئے اس واسطے کہ بادشاہ کیساتھ دار الخلافہ کی خصوصیت بالکل ظاہر ہے پس ذات محض کا مشاہدہ اور وصول نسبت بیرنگی کی انتہا ہے سلوک اول پر ابتدا سے انتہا تک مثال تطبیق یہ ہے۔ لیکن سلوک ثانی کی مثال پس وہی شخص جب بادشاہ کے حضور میں پہنچنے کے بعد بادشاہی ملازموں میں شامل ہونے تک کوشش کرنی چاہیئے تو اس کو لازم ہے کہ ہر کارہ سے لیکر وزیر اعظم تک کے بادشاہی دربار کے سب حاضر باشوں کو اپنے آپ سے راضی کر لے تاکہ بادشاہ کے حضور میں حاجت کے وقت انکی زبان سے خیر کا کلمہ صادر ہو اور ہر ایک اپنے مرتبے کے موافق کوشش اور سفارش کرے اور بادشاہ کی مرضیات میں بہت سرگرم اور چالاک رہے دربار اور سیر اور شکار کی آمدورفت اور حضار دربار کی ملاقات سے سستی نہ کرے ایسا نہ ہو اس دربار میں سستی کے داغ سے داغدار ہو کر نظر اعتبار سے گر کر حضور بادشاہ کے لائق نہ رہے اور یہ بات اس مقام سے اس کے نکالنے کا باعث بنے اور اس سے بھی خبردار رہنا چاہیئے کہ راضی کرنا مرتبے کے موافق متفاوت ہوتا ہے جب تک وہ اپنے وطن میں تھا تب تو اس کا راضی کرنا صرف یہی تھا کہ چوری اور ڈکیتی اور بغاوت اور انہی جیسے اور کاموں سے پرہیز کرے۔ اور اگر مال گذار ہو تو ہمیشہ حیلہ اور تکرار کے سوا وہ مال ادا کر دیا کرے اور جب اس مقام (حضور) تک پہنچے تب اس کا راضی کرنا یہی ہے کہ شاہانہ حقوق اور آداب اور تعظیمات کی رعایت جس طرح کہ چاہیئے بجا لائے اور نذرانوں اور تحفوں اور ہدیوں اور انہی جیسے اور کاموں میں اس مقام کے رہنے والوں کی رضامندی کے لئے بے حساب مالوں کے خرچ کرنے کو خس و خاشاک کے برابر گنے اور ان کی رضامندی کو جان و مال سے بہتر جانے اور حاضر باشی کے بھی کئی مرتبے ہیں مثلاً دار الخلافہ کے رہنے والے من وجہ حاضر ہیں اور قلعہ کے حاضر باش ان سے زیادہ اور دیوان خاص کے ملازم ان سے اوپر اور جو لوگ کہ در و دیوار کے پیچھے خدمت کے واسطے مستعد کھڑے

ہیں ان سے زیادہ اور جو لوگ روبرو رہتے ہیں وہ ان سے زیادہ اور جو کہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کے چہرے پر لگائے کھڑا ہے اور بالکل دوسری طرف توجہ نہیں کرتا سب سے اعلیٰ ہے پس ان مراتب سے اعلیٰ مرتبہ کو اختیار کر کے اس قدر مشغول رہے کہ بادشاہ کے دل میں اس کی طرف کچھ الفت پیدا ہو اور بادشاہ کے دل میں اس کی قدر اور وقعت جاگیر ہو جائے اور بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص نہایت میرا محب اور مطیع ہے اور اس ذریعہ سے اس کو وہاں کا رہنا میسر ہوگا اس لیے کہ جب ہمیشہ وہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کی طرف لگائے رکھے اور سب اہل دربار کو اس کی طرف بادشاہ کی توجہ کا حال معلوم ہوگا تو خود اہل دربار اس سے راضی رہیں گے اور اس جگہ اس کے رہنے کو جائز سمجھیں گے پھر اس جگہ کی اقامت سے اطمینان ہو جانے کے بعد اس کو لازم ہے کہ ہمیشہ حاضر رہ کر بادشاہ کے چہرے کو جس طرح کہ لائق ہے غور اور تامل کے ساتھ دیکھتا رہے اور جو واقعات اور خبریں کہ دربار میں ہوا کریں ان کو سن کر ہر خبر خوش اور ناخوش کے بعد بادشاہ کے چہرے کے تغیر کو غور سے معلوم کرے اور ضائع تغیرات کو اچھی طرح یاد رکھے اور ہر تغیر کے بعد بادشاہ کے حضور سے جو حکم انعام یا سزا یا صلح و جنگ یا بندوبست کے بارہ میں صادر ہو اس کو بھی دریافت کرے کے خوش خبریوں سے ذلیل غلام کی صحت یابی کی خبر سے لے کر وزیر اعظم کی صحت کی خبر تک اور بد خبریوں سے ایک چوپائے کی موت کی خبر سے لے کر وزیر اعظم کی موت کی خبر تک وعلیٰ ہذا القیاس کایسہ چور کے گرفتار ہونے سے لے کر ملک اور لشکر والے زبردست دشمن کے گرفتار ہونے تک اور دور دراز کے جنگل میں کسی گنوار کے لٹ جانے سے لیکر خاص قلعہ پر دشمن کی چڑھائی کرنے تک سب چھوٹے بڑے کاموں کو نگاہ رکھے بالجملہ ان سب کے احاطے کا قصد کرے اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں کہ ان پر ایک ہی سزا مترتب ہوتی ہے اس واسطے ان چیزوں میں بادشاہ کے چہرے کے تغیر میں کچھ تفاوت نہیں ہوتی پس یہ گمان نہ کرے کہ ہر خبر اور واقعہ میں کوئی علیحدہ تغیر ہوگا بلکہ اگر دوبارہ تغیر اور چہرہ یکساں پائے تو جان لے کہ دونوں خبریں برابر ہیں انکی جزا اور سزا میں کچھ تفاوت نہیں ہمیشہ اسی عمل پر رہے تاکہ کمال ذہانت اور فہم کے موافق بادشاہ کی مرضی شناسی کا مادہ اس میں پیدا ہو جائے اور

واقعات اور حادثات میں بادشاہ کی مراد پر مطلع ہو جائے اور یہ واقفیت اس حد تک
چاہیئے کہ بادشاہ کے کلام کے اصلی لغوی معنی کے بر خلاف اس کی مراد کو اس کے چہرے سے
دریافت کرے مثلاً کبھی بادشاہ فرماتا ہے کہ اس چور کی اچھی طرح خدمت کرنی چاہیئے تو
اس کی غرض یہ ہے کہ اس کو پوری پوری سزا دینی چاہیئے اور جب مرضی شناسی کا ملکہ حاصل
کرنے کے بعد بادشاہی کے کسی کام کو سرانجام دیگا پہلے سے چند گنا زیادہ بادشاہ کی مہربانیاں
اس کے حق میں جوش زن ہو جائیں گی۔ اور اہل دربار کی کوشش اور سفارش مددگار ہو جائیگی
خواہ مخواہ بادشاہ اس کو کسی عہدے اور منصب سے عزت بخشے گا اور اپنے جس مطلوب کے
لیئے اس نے اتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھائی تھیں انشاء اللہ تعالیٰ اب اس پر کامیاب ہو
جائیگا اور بعد ازیں اسی خدمت پر رہے گا یہاں تک کہ ترقیاں کرتے کرتے اعلیٰ مرتبے پر پہنچ
جائیگا۔ سلوک دوم کا بھی ایسا ہی حال ہے سالک کو لازم ہے کہ مشاہدہ کے مرتبے پر پہنچے اور
سلوک اول کے تمام ہونے کے بعد سلوک ثانی کی طرف توجہ کرے مامورات اور منہیات کے
ہر باب میں عزائم شریعت کا اختیار کرنا اس سلوک کے لوازمات سے ہے اسکی توضیح یہ ہیکہ
شریعت کی متابعت ایمان کا لازمہ ہے سالک کے ذمے لازم ہے کہ ہمیشہ شریعت کا تابع رہے
اور شریعت کی اتباع کے ساتھ سلوک اول کو ختم کرے اور سلوک ثانی میں عزائم شرعیہ کو جس
طرح کہ چاہیئے مضبوط پکڑے اور یہ عزیمت کبھی دل سے ہوتی ہے کبھی اعضاء سے۔ مثلاً کلام اللہ
شریف کا اتنا ادب کہ اس کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے شریعت کا لازم ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ
بے وضو ہاتھ نہ لگائے اور سلوک ثانی کے سالک کے واسطے لازم ہے کہ اس سے زیادہ ادب
کرے مثلاً قرآن شریف کے پکڑنے کے وقت کسی اور کام کی طرف توجہ نہ ہو اور مودبانہ طور پر
بیٹھے اور کلام الٰہی کی عظمت کو حاضر کر کے اس سے قرآن شریف کی عظمت کی طرف انتقال کر کے
اپنی کمینگی اور گندگی کا خیال کر کے اس بڑی نعمت کی قدر جانے کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے
ہی ایسی بزرگ اور پاک چیز ہم ایسے عاجز گندے کمینے کے ہاتھ آئی ہے ورنہ ہم میں تو اس نعمت
کی لیاقت نہ تھی اور ایسے خیال سے اس کا سینہ خوشی کے مارے مالامال ہو جائیگا۔ اور قرآن
شریف کی نہایت بزرگی اس کے آنکھوں میں سامنے آکھڑی ہوگی اور ایسی باتیں اگر خود بخود اس

کے ذہن میں آئیں تو بہت بہتر اور اصل مدعا ہے ورنہ ان باتوں کو تکلف سے اپنے ذہن میں لائے
علیٰ ہذا القیاس ہر سورہ کی عظمت کو سمجھے اور اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں انکے شفیع ہونیکو یاد کرے
اور نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج اور جہاد اور باقی شعائر اسلامیہ کی عظمت کا اعتقاد بھی
اسی طرح کرے اور مطلقاً شریعت شریف اور کعبہ اور انبیاء اور رسولوں کی تعظیم بھی اسی قسم سے ہے
زکوٰۃ کا ادا کرنا اس کی شرائط کے موافق تو ہر مسلمان پر فرض ہے اور اللہ جل شانہ کی رضا میں
مال کا خرچ کرنا ایسی عزیمت ہے کہ سلوک ثانی کے سالک کو لازم ہے اور تہجد وغیرہ کی مانند
تمام نوافل کا اہتمام اسی باب سے ہے اور منہیات کے پرہیز کو بھی دوسرے رنگ سے اپنے
ذمے لازم جانے تاکہ ارباب عزیمت میں سے ہو جائے مثلاً اگر زنا کا وسوسہ اسکے دل میں
گذرے تو اس سے اس طرح متنفر ہو کہ گویا کھانے کے واسطے نجاست اسکے سامنے رکھی گئی
ہے اور تمام منہیات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے نیز اس سلوک کے سالک کو چاہیئے کہ انبیاء اور
اولیا بلکہ تمام مومنین کے حقوق اور تعظیم کے ادا کرنے میں نہایت کوشش کرے کہ وہ سب
اس کے واسطے کوشش اور سفارش کریں اور انبیاء اور اولیاء کی سعی اور سفارش تو نہایت
ظاہر ہے لیکن ہر مومن کی سعی دعاء خیر ہے پس دعاء خیر کی امید پر جو وہاں کام آنے والی ہے
ہر مسلمان کی خاطر داری کرے اور شریعت شریف کی عزیمتوں کی اتباع میں سب حقوق اور تعظیمیں
ادا ہو جاتی ہیں جیسے قریب ہی گذر چکا ہے اور قرآن اور سورتوں اور کعبہ اور نماز اور روزہ
وغیرہا سب کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہے پس ان سب کو اپنے آپ سے راضی کرے اور اس
مقام کی رضا کا مرتبہ پہلے ہی سے واضح ہو گیا ہے اور اس سلوک کا اصل اور مدار وجہ اللہ کا
مراقبہ ہے اور وجہ اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ کی توجہ ہے یعنی بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کا متوجہ
ہونا اور اس کو اس کے آثار سے دریافت کرنا چاہیئے اور اس کے آثار اس آیۂ کریمہ
فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے بموجب ہر جگہ موجود ہیں مثلاً اگر بندہ اپنی آنکھ اور ہاتھ پاؤں کے
ہر حال میں غور کرے تو البتہ جان لے گا کہ یہ بڑی نعمت محض اللہ تعالیٰ کی توجہ سے مجھے حاصل
ہوئی ہے یعنی اللہ عزوجل اس بندہ پر متوجہ ہوا ہے اور اس کی طرف منہ کیا ہے اسکو یہ
نعمت اس کو حاصل ہوئی ہے ورنہ یہ عاجز بندہ کسی طرح بھی اس کا مستحق نہ تھا۔ اور شکر اسکی

خواہش کی تھی اور نہ اسکا تقاضا اسکے دل میں پیدا ہوا تھا اور نہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی خدمت میں اس بڑی نعمت کے بخشنے کے واسطے کوئی اس کا سفارشی بنا ہے اور نہ اس محض عاجز نے کسی چیز کا وسیلہ پکڑا ہے پس یہ نعمت عظمیٰ محض اسکے فضل اور رحمت کے باعث ہی حاصل ہوئی ہے وعلیٰ ہذا القیاس ہزاروں نعمتیں ہیں اور ہر نعمت کا یہی حال ہے بلکہ دراصل جو چیز کہ جہان میں موجود ہے اگر اچھی طرح اس میں غور کیا جائے تو وہ سب اس بندے کے حق میں جلیل القدر نعمتیں ہیں پس آسمان اور فرشتوں سے لیکر خس و خاشاک تک ہر چیز اس کے واسطے نعمت ہے اور اسکو اس کیساتھ خصوصیت ہے باوجودیکہ اسکی استعداد اور کوشش اور خواہش کو اسمیں کچھ دخل نہیں پس خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں غوض کرے اور علی الدوام اپنے پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بلا سبب اور بے وجہ اس مرتبہ پر کہ اسکا بیان کرنا دشوار ہے میرے حال پر متوجہ ہے اور تمام لوگ اسی رحمت سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور ایسا کوئی نہیں کہ اس میں بہت سی نعمتیں موجود نہ ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا آدمی بھی ہو جو کثافت طبع کی وجہ سے ایسی نعمتوں کو اپنے آپ میں لحاظ نہ کر سکے تو اسے چاہیئے کہ اپنے غیر میں دیکھے اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ پس پیدائش بلکہ علوق کے وقت سے آپکی آخر عمر تک آپ کے حالات کو یاد کرے کہ اس قسم کی بڑی بڑی ان گنت نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے کنار دریا سے بلا درخواست اور بلا استحقاق اور بلا استدعا کسی کی کوشش اور سفارش کے سوا ہی آنجناب پر کس طرح فائض ہوتی رہیں صرف آپ کے پیدا ہونے سے ہی کتنی برکتیں اور عنایتیں آنجناب کے وجود کے ساتھ جوڑی گئیں کہ وہ برکتیں ایک بڑی جماعت کے شامل حال ہوا کرتیں اور آپ سے محبت اور اعتقاد کا باعث تھیں اور یہ نعمتیں جو بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فائض ہوا کرتیں دوسری نعتوں کے ساتھ قیاس کرنے سے ایک سہل امر ہے انکی اس قدر وقعت نہیں با ایں ہمہ یہ نعمتیں بھی جلیل القدر ہیں حاصل کلام اس قسم کی بڑی بڑی نعمتوں کا تصور کرے کہ بلا سبب اور بے وجہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طرہ ذاتیہ سے ہی ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کی طرف ہوتا ہے اسی طرح کے انعامات بلا استحقاق و بلا استدعا و دعا پہنچتے رہتے ہیں پس وجہ اللہ کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے شائق نہیں

سے وہ بھی ایک شان ہے جو بلا سبب اور بے وجہ اور پہلے استحقاق اور استعداد اور تقاضے اور دعا اور شفاعت اور وسیلے کے سوا ہی بڑے بڑے انعاموں کے بخشنے کا تقاضا کرتا ہے اسی شان کا ملاحظہ وجہ اللہ کا مراقبہ ہے پردہ عدم سے میدان ہستی کی طرف لانا ان سب انعامات کا اصل ہے اور وجہ اللہ کا یہ معنی تمام موجودات کو شامل ہے لیکن بعض کے بعض پر فائق اور متفاوت ہونے کی وجہ سے ہر ایک کی نسبت وجہ اللہ کے معنی کے انعامات کی وجہیں علیحدہ ہوتی ہیں اور یہ گمان نہ کریں کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فعل میں عبث لازم آئیگا اور عبث نادانی ہے اور اللہ جل شانہ کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے اس واسطے کہ افعال الٰہیہ کی حکمتیں اور مصلحتیں اور چیز ہیں اور جس شخص پر انعام ہوتا ہے اسکا استحقاق اور استعداد اور چیز ہے اگرچہ فی الواقع حکمتیں اور مصلحتیں منظور ہیں پس اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں ایسی چیزیں جن کو اس شخص کے ساتھ کچھ خصوصیت نہیں مثلاً داناؤں اور عقلمندوں کے پیدا کرنے میں اس سچے حکیم کو کوئی مصلحت اور حکمت ہے اور اگر اس آدمی کے سوا کسی اور کو دانائی اور علم عطا فرما دیتا بلکہ یہ کمال حیوانات میں رکھ دیتا تو کوئی آدمی اور کوئی امر اس طرف سے پھیر کر دوسری طرف متوجہ نہ کر سکتا۔ پس یہ اس کی محض رحمتیں اور عنایتیں ہیں کہ ہر کسی کو بہت سے انعامات سے عزت بخشی ہے اور بہت سی نعمتوں کے ساتھ ہر ایک کی تخصیص فرمائی ہے اور جو شان کہ اس بے غرض رحمت کاملہ کا منبع ہے وجہ اللہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں جو غرض سے خالص ہو کر پہنچ رہی ہیں وجہ اللہ کے آثار میں سے ہیں۔ اور انہی آثار سے وجہ اللہ پہچانا جاتا ہے اور اس کے مقابل میں وجہ العبد ہے یعنی بندہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کا بیان یہ ہے کہ ہر مومن بندہ خواہ پست ہمت ہو یا عالی ہمت کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اسکے اوامر بجالاتا ہے پست ہمت تو آگ کے ڈر اور بہشت کے طمع کے واسطے عبادت کرتا ہے اور عالی ہمت اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت اور وجاہت کے حاصل ہونے اور برگزیدہ اور مقرب لوگوں کی جماعت میں داخل ہونے اور اعتبار والے خاص ملازموں کے رشتہ میں پروئے جانیکے واسطے عبادت کرتا ہے اگرچہ آگ سے نجات اور جنت کے درجوں پر کامیابی مذکورہ عزت کے حاصل ہونے پر یقیناً مترتب ہوتی ہے بلکہ یہ تو اس کے آثار اور توابع سے ہے

لیکن ہمت عالی لوگ ان امور کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرتے بلکہ ان کے مدعا کا منتہی تو صرف اسی (خاصیت کی) لڑی میں پرو دیا جاتا ہے۔ پس ضرور ہے ان دو فرقوں میں سے ہر ایک کے دل میں اپنے خالق کے ساتھ پیار اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے بعض بندوں کے حق میں آرزو اور طمع اور خوف کے تمام مراتب محو ہو جاتے ہیں اور اللہ جل شانہٗ کی محبت اسکے دل میں ایسی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اوامر کو بجا لاتا ہے اور مراتب قرب میں سے کسی مرتبہ اور جنت کے ثوابوں میں کسی ثواب کے حاصل ہونے کا خیال اسکے دل میں نہیں گزرتا اگرچہ اس پر عزت اور اعتبار کا حصول اسی طرح قطعی اور یقینی ہے جس طرح کہ عزت اور اعتبار کے حاصل ہونے پر ثواب کا حاصل ہونا۔ لیکن اوامر کے ادا کرنے میں عزت اور اعتبار اور ثواب کے حاصل ہونیکی آرزو بالکل نکل جاتی ہے اور ایسے ہی منہیات سے پرہیز کرتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے منع کو ملحوظ رکھتا ہے اور اگرچہ ملاء اعلیٰ میں ذلت سے محفوظ رہنا اور مراتب اہل عزت و اعتبار سے نہ گرنا اور عذاب نار سے بچنا اس پر مترتب ہوتا ہے لیکن اس بندہ کو اسکا ہرگز خیال نہیں ہوتا محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا اسی کو مقصود ہے اور چونکہ یہ جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کے اوامر کی بجا آوری میں اسکی رضا ہے تو اس رضا کو اپنے حق میں قرب اور عزت اور ثواب جنت کے درجات میں ہزاروں ترقیوں سے بہتر جانتا ہے اور جب کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی نارضامندی تصور کرتا ہے تو اس نارضامندی کو ہزاروں ذلتوں سے بدتر جانتا ہے یعنی اہل عزت اور اعتبار کے مرتبوں سے گر جانا اور ذلیلوں کے زمرے میں داخل ہو جانے بلکہ دوزخ کے ہزاروں عذابوں سے بدتر گمان کرتا ہے پس جس طرح بلا غرض بندہ کی طرف رحمت الٰہیہ کا متوجہ ہونا وجہ اللہ ہے اسی طرح محض اللہ تعالےٰ کی رضامندی کے واسطے عزت اور وجاہت اور اعتبار کے مرتبوں میں سے کسی مرتبے کی آرزو کے بدوں اور جنت کے ثواب کے حاصل ہونے اور عذاب دوزخ سے نجات مل جانے کی امید کے بغیر ہی بندہ کا اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہونا وجہ العبد ہے اور بے شک ان آیات میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ ان تینوں آیتوں میں وجہ اللہ کی طرف

اشارہ ہے اور آخر کی تین آیتوں میں وجہ العبد کی طرف اشارہ ہے اور جب وجہ اللہ کو اپنے آنکھ
اور مقابل کے ساتھ پہچان لیا ان دونوں کے مراقبہ کا طریق ہے کہ اپنی نظر کو اسی شان کی طرف متوجہ
کرے جو سوائے کسی غرض کے رحمت کا مقتضا ہے اور ہمیشہ اپنی نظر کو اسی کی طرف لگا کر زبان حال
اور قال سے التجا کرتا رہے کہ جب اس روز بڑی بڑی نعمتیں مجھ کو یا میرے غیر کو بے استحقاق
اور بلا استعداد تو نے مرحمت فرمائی ہیں۔ بلکہ ذوال نعمت اگرچہ وہ نہایت شاندار اور بزرگ ہے
اور میں نہایت نالائق اور محتاج ہوں عطا فرمایئے بلکہ تیرا عام انعام کسی امر پر موقوف نہیں اور یہ
مراقبہ کبھی بلا جہت بھی ہوتا ہے اور کبھی مراقب کی باطنی توجہ کے موافق یا فوق تحت کی جہت
سے مقید ہو کر متصور ہوتا ہے اور اس مراقبہ کے باعث اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت
اس کے حال کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور خاص عنایت کی بھی ایک خاص صورت ہوتی ہے جس
طرح کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے
لیکن جب اس جل شانہٗ کی خاص عنایت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا
کرنے میں مصروف ہوئی تھی۔ اس کی خاص صورت بھی ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے قول خلقت
بیدیّ میں اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے اور حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا
معراج کے ساتھ اسی طرح کا اختصاص ہے اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے
ساتھ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا بھی اسی طرح کا اختصاص ہے اور ان ہی خاص عنایات
کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے بزرگ لوگ اس سے راضی ہوتے ہیں اور اس کو اس جگہ میں
رہنے سے منع نہیں کرتے اور عزت اور وقار کے ساتھ اس کو جگہ دیتے ہیں پس اس مراقبہ میں شہر والا
شریف کی کل زیارتوں اور بارگاہ الٰہی کے برگزیدوں کو راضی کرنیکا التزام اختیار کرے اور یہ اہل دربار
کے راضی کرنے اور بادشاہ کے چہرے کے دیکھنے کے قائم مقام ہے لیکن بادشاہ کو اس جہالت
کی وجہ سے جو بشریت کا لازمہ ہے کسی کے حال اور انجام کی خبر نہیں ہوتی اسی واسطے بدمعاشی
اور خیانت اور خباثت کے باعث حاضر باشی اور بادشاہ کی طبیعت کی خوشنودی کے باوجود بھی
حاضر باشی کی اجازت کے سوا اس شخص کو کوئی عہدہ نہیں ملتا یہاں تک کہ بہت سا زمانہ گذرنے
کے بعد اس کی چال چلن کا تجربہ ہو جائے اور اس سے امن حاصل ہو عالم الغیب کے برخلاف کہ اس کا

علم ہر لائق اور نالائق کے ظاہر اور باطن پر محیط ہے اور آدمی کے باطن کی حقیقت اس جگہ ظاہر ہے جو نہی وجہ اللہ کا مراقبہ بندے سے اچھی طرح سرانجام کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا مقبول ہو گیا پس ایک مقدس نور جو ازل میں ہر ایک مومن بندے کے حصے میں مقدر ہو چکا ہے اس کو مرحمت ہو جائیگا وہ نور عقل کے بیچ ہے اور عقل اسکی امانت اور ایمان اسکا پھل ہے آیۂ کریمہ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اس نور کی طرف اشارہ کر رہی ہے پس اس مراقب وجہ اللہ کو وہ نور دور سے چمکتے ستارے کی مانند نظر آتا ہے اور آہستہ آہستہ نزدیک آتا جاتا ہے حتیٰ کہ ماتھے میں سجدہ گاہ پر پہنچ کر سارے بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور آنکھوں کے نور کی مانند جو کہ رنگوں اور روشنیوں کو جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ کے مرضیات کا دریافت کرنا اس نور کا خاصہ ہے جس طرح کہ شجاعت جنگ کے فیصلے اور سخاوت لوگوں کی نفع رسانی کے واسطے پیدا کی گئی ہے یہ نور اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور رضاء الٰہی معلوم کرنے کا یہ طریق ہیکہ جب کسی کام کا ارادہ کریگا یا کسی امر کی طرف متوجہ ہوگا تو اس تجلی میں جو اسکے کمال کے مقابل ہے ایک ظاہر تغیر پیدا ہوگا اور تغیر بھی اس قسم کا ہوگا کہ اس سے خوشنودی اور ناراضگی سمجھ سکتے ہیں بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ابھی معاملہ ان کے دل سے تجاوز نہیں کرتا کہ انکو اسی راہ سے رضا یا نارضا پر مطلع کیا جاتا ہے مثلاً جب وہ کسی معین کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اگر رضا اس سے متعلق ہے تو انکے دل میں خوشی اور انشراح اور اس کام کی طرف زیادہ رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس کام سے نارضامندی کو تعلق ہے تو اس کام کے کرنے سے نفرت اور تنگی اور دلگیری انکو لاحق ہو جاتی ہے اور جو لوگ کہ انکا حال انکے دل سے تجاوز کر گیا ہے اور مقامات عالیہ پر پہنچ گئے ہیں پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا کو اپنے کمال کے مقابل تجلی میں تغیرات کے واقع ہونے سے دریافت کر لیتے ہیں اور یہ تغیر جو تجلیات میں پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے منزہ ہے اس کی تفصیل یہ ہیکہ جو عام آثار کہ اس بیچون و بیچگون پاک ذات سے صادر ہوتے ہیں ان آثار میں کچھ تغیر ہوتا چنانچہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ اسکی وصف ہے اسی طرح ان آثار کی بہ نسبت ایک ہی وصف ہے اسی طرح ان آثار کی بہ نسبت ایک تغیر نہیں لیکن امور خاصہ کے بہ نسبت ایک ہی وصف پر ہیکہ ازل سے ابد تک کبھی اسمیں اسمیں تغیر ہوتا ہے اور اس تغیر اور عدم کی مثال آفتاب

ہے آفتاب ایک ہی وضع سے ایک ہی جگہ پر ہے اور اسکے عام آثار اشیا کی استعداد کی بہ نسبت نہایت مختلف ہیں اور یہ اختلاف آفتاب کی ذات یا وضع اور مکان کے اختلاف کا باعث نہیں ہوتا۔ اور قیامت کے دن اس سے خاص اثر مطلوب ہوگا اس واسطے اسکی وضع اور مکان بدل جائیگا اور اہل محشر کے سر کے قریب آپہنچے گا اور ایسا ہی آثار خاصہ کے ظاہر ہونے کیلئے تغیر اور تبدل ہوتا ہے اور یہ تغیر اسکی پاک ذات میں نہیں تعالے شانہ عن ذلک بلکہ اس کے ظہور اور تجلی کیواسطے ایک خاص صورت ہوتی ہے اس صورت میں تغیر ظاہر ہوتا ہے اور یہ تغیر اسکی پاک ذات میں نہیں اور اس کی مثال انسان ہے اس واسطے کہ جس چیز کو لفظ من (ضمیر واحد متکلم) سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ عنصری جسم نہیں اسلئے کہ مرنیکے بعد جسم موجود ہوتا ہے اور جو احکام کہ انسان پر مترتب ہوتے تھے سب بدل جاتے ہیں پس وہ حقیقت انسانی جسکی طرف لفظ من سے اشارہ کیا جاتا ہے اس عنصری جسم کے واسطے سے چھپ گئی ہے اور اس نے اسکے ساتھ ایسا اتحاد اور یگانگت پیدا کرلی ہے کہ معاملہ تو جسم سے ہوتا ہے اور اس حقیقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ میں زید کے پاس گیا اور اسکے پاس دیر تک بیٹھا رہا اور اسکو ایسا ویسا کیا اور جونہی کہ انسان مرگیا جسم کے اپنے حال پر باقی رہنے کے باوجود احکام مذکورہ میں سے کوئی حکم اس جسم پر نہیں کرسکتے اس وقت کوئی نہ کہیگا کہ میں زید کے پاس گیا اور اسکے پاس بیٹھا رہا اس بیچون اور بیچگون کی پاک ذات بھی اسی طرح ایک صورت اور لباس میں چھپ کر ظاہر ہوتی ہے اتنا فرق ہیکہ حقیقت انسانی ایک ہی جسم میں مقید ہوتی ہیں دوسرے جسم کے واسطہ سے اپنے احکام کو ظاہر نہیں کرسکتی اور حق سبحانہ کسی صورت میں مقید نہیں اپنے اطلاق پر باقی ہے جس صورت میں چاہتا ہے کلام فرماتا ہے اور اسی صورت میں تغیر ہوتا ہے اور اس جگہ سے واضح ہوگیا کہ بندہ کو اپنے خالق کے ساتھ خاص الخاص معاملات پیش آتے ہیں لیکن اس ذات سے بہت دور ہوتے ہیں۔ پس ہر امر میں اس باکمال آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا معلوم ہوتی ہے اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ شرعی احکام متفاوت اور تبدیل ہوجائیں گے اسلئے کہ احکام شرعیہ اسی طور پر ہیں کہ شارع علیہ السلام سے ثابت ہوئے ہیں اور یہ رضا اور نارضا مباح امور میں پیش آئیگی مثلاً اس بندہ کو معلوم ہوجائیگا کہ اس وقت فلاں جگہ میں جانا اللہ عزوجل کی رضامندی کا موجب ہے اور فلاں جگہ میں جانا اگرچہ مباح شرعی ہے ناپسند ہے

رہو اسکی نارضامندی کا باعث بنے گا و علیٰ ہذا القیاس ہر امر میں اسکو عجیب قسم کی بصیرت حاصل ہوگی اور یہ دریافت کوشش اور اجتہاد سے نہیں بلکہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے کی مانند ہے اور جب سالک کو یہ کمال حاصل ہو جاتا ہے وہ مکالمہ کے مرتبہ پر کامیاب ہو جاتا ہے اور اس وجہ کلیم اللہ ہوتا ہے اگرچہ حقیقی کلام درمیان میں نہ آئیگی اسلیئے کہ اشارات اور اوضاع سے مقصود اور مراد کا سمجھ لینا بھی ایک قسم کا کلام ہی ہے اور کبھی کلام حقیقی بھی ہو جایا کرتا ہے اور کلام کے اصلی مدلول کے برخلاف مراد اور مدعا کو بھی دریافت کر لیتا ہے اور جب یہ کامل بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مطلع ہو کر اس رضا کے بموجب کسی کام کو سرانجام دیگا اور اس کی کارگزاری ظہور پذیر ہوگی اللہ تعالیٰ کی عنایات کثرت کیساتھ اسکے حال پر جوش زن ہوگی اور اس بارگاہ کے مقربان تو خود بخود اسکے سفارشی ہیں اور کار آمد آدمی کو بیکار چھوڑنا حکمت کے مخالف ہے ضرور اسکو کسی خدمت کیساتھ عزت بخشیں گے اور وہ خدمت اسکے حال کے موافق ہوگی پھر اسکو اس خدمت پر توقف اور استقرار رہیگا یا ایک بلند مرتبے سے ترقی کر کے اس مرتبے پر پہنچیگا کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہوگا اور اہل ولایت ان امور کے پہنچانے پر مامور نہ ہوں جو ان پر منکشف ہوتے ہیں تو انکو اس مقام میں نبوت کا پرتو حاصل ہو جاتا ہے اور اگر انکے پہنچانے پر مامور ہو جائیں تو پرتو رسالت پر ترقی کر جاتے ہیں اور اگر اسکے باوجود مقابلے اور مجاہدے کا بھی حکم ہو جائے تو اولوالعزمی کے مرتبہ پر مقرر ہو جاتے ہیں اور بعض اس مقام میں خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں اور بعض خلیفۃ اللہ نہیں ہوتے خلیفۃ اللہ وہ ہے جسکو تمام مہموں کے فیصلے کے واسطے نائب کی مانند مقرر کریں اور جو ایسا نہ ہو پس وہ خلیفۃ اللہ نہیں اگرچہ کبھی جو کام کہ خلیفۃ اللہ کے ہاتھوں سے سرانجام پاتا ہے دوسرے کے ہاتھ سے بھی کرا لیتے ہیں ہاں وہ شخص بلاشک صاحب خدمت ہوتا ہے نظائر میں اسکی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کبھی وزارت کا کام اپنے خواص سے لیتا ہے پس اگرچہ اس خواص نے وزارت کے کام کو سرانجام دیا ہے لیکن وزیر نہیں ہوا اور یہ مقام راہ ولایت کا منتہا ہے جسکے بعد ولایت کے لیئے کوئی کمال نہیں۔ واللہ اعلم۔

چوتھا باب سلوک راہ نبوت کے طریق کے بیان میں

اور یہ باب چھ افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ طالب راہ نبوت پر بعد تہذیب اخلاق و ملکات قلبیہ اور ادائے عبادات شرعیہ کے
جس طریق پر کہ دوسرے باب میں معلوم ہو چکا۔ پہلے پہل جو چیز لازم اور ضروری ہے مقام توبہ میں قدم
جمانا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ اولاً اس طریق کے طالب کو چاہیئے کہ تمام منہیات شرعیہ کو خواہ قبیل
اعتقادیات سے ہوں خواہ افعال و اقوال خواہ قبیل اخلاق و ملکات سے خواہ عبادات میں افراط
و تفریط کے قبیل سے ہوں الغرض ان سب کو کتاب و سنت سے تنقیح اور تفتیش کرے اگر خود کتاب و
سنت کا عالم ہے تب تو بات ہی جدا ہے ورنہ علماء محدثین سے استفسار کرے بعد ازاں حضرت
حق کے انعام اور جواد مطلق کی تربیت جو اس ذرۂ بے مقدار کے بارہ میں ارزانی اور مبذول
ہیں اسکو بار بار ملاحظہ دقت اور تصور درست کے ساتھ اپنے ذہن میں خوب مستحکم کرے
اور اپنی کمال عاجزی اور اس بے نیاز مطلق کی طرف نہایت محتاجی کو اپنی بصر بصیرت کے سامنے
پیش کرے بعد ازاں تنہائی میں بیٹھکر اپنے دل میں ملاحظہ کرے کہ ایسے منعم حقیقی اور بے نیاز تحقیقی
کی ناخوشی اور ناراضی بہت بری ہے جیسے کہ یہ حقیر بے مقدار کے حق میں جو سر سے پاؤں تک محض حاجت ہی حاجت
ہے کس قدر قبیح اور نازیبا ہے اور اس ناخوشی کو اپنے ذہن میں اس طرح مستحکم کرے کہ اس منعم حقیقی
کے ناراض ہونے کا ایک امر عظیم اور خطرناک ہونا اسکے ذہن میں قرار پکڑ جائے یہاں تک کہ اگر اسکی
ناخوشی کے وقوع ہونے کا تصور کرے تو اسکے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں پھر اپنے تو دل میں
اس طرح کا خوف اور اعتقاد کرے کہ سب منہیات شرعیہ اسی امر کے موجب ہوتے ہیں جس کے
تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اس امر کو اپنے ذہن میں ایسا مستحکم کرے کہ
ان منہیات کی قباحت اسکے عقل اور دل کو گھیر لے اور اسکے باطن میں ان منہیات کی نسبت
ایک خوف عظیم اور بڑی بیزاری و وحشت بیٹھ جائے یہاں تک کہ اپنے آپ سے ان منہیات کے صادر
ہونے کو تو دل سے ایسا سمجھے جیسا جان اور مال اور آبرو کی ہلاکت اور بربادی کی جگہ میں واقع
ہو جانا۔ بعد ازاں قرآن مجید اور فرقان حمید کی عظمت کا تصور کرے اور تعظیم قلب سے ملاحظہ کرے
کہ ایک صفت ہے صفات ازلیہ ابدیہ سے جسکو عالم امکان کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت
نہیں مگر حضرت حق جل وعلا نے محض اپنی عنایات (مہربانیات) سے زبان عربی کے لباس میں
ملا کر اپنا وصف ... کیا اور کلام خاص کو نازل فرما کر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ

بنایا ہے بمنزلہ اس بات کے کہ ایک بادشاہ عظیم القدر اپنی دستار لیکر اسکا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اور اسکی دوسری جانب ایک ایسے فقیر مفلس اور عاجز بے مایہ کے ہاتھ میں دیدے جو التفات بادشاہانہ کی ہرگز لیاقت نہیں رکھتا تھا اور اسے حکم دے کہ جب کبھی تجھے کوئی حاجت پیش آ جائے تو اس دستار کو ہلا کر اسی ذریعہ سے مجھے اپنی حاجت جتلا دینا کہ فوراً ہم تیری طرف متوجہ ہو کر تیرے حال زار پر اپنی عنایت کو مصروف کریں گے۔ پس اگر اس فقیر کے حال میں اچھی طرح تامل کیا جائے اور کسی قدر قانون ادب سے دوری اختیار کی جائے اور دو اختلاف بات کہی جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ظاہر میں اس فقیر کے ہاتھ میں دستار کا ایک کنارہ ہے لیکن حقیقت میں اسکے ہاتھ میں خود بادشاہ اور اس کی سلطنت ہے غرض کہ اس کلام پاک کی عظمت اس کے ذہن میں اس حد تک مستحکم ہو جائے کہ جب قرآن مجید کی طرف نظر کرے اور اس کلام پاک کا تعلق مصحف کے ساتھ ملاحظہ کرے تو اسکی آنکھ مصحف کی طرف نظر کرنے سے خیرہ ہو جائے اور اسکا سینہ اس کلام کی عظمت سے پاش پاش ہو جائے پھر اگر یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ وہ کلام پاک مصحف کے واسطے سے میرے قابو میں ہے جس وقت اسکی طرف توجہ کروں بے تکلف زبان پر لا سکتا ہوں اور جس وقت چاہوں جان و مال خرچ کئے بغیر اسکو ہاتھ لگا سکتا ہوں اور اپنے سینہ پر رکھ سکتا ہوں البتہ اس کو اس ملاحظہ کے سبب سے اپنے حال پر نہایت تعجب اور بڑی حیرت آتی ہے جیسے ایک بڑا قیمتی یاقوت ایک بے حیثیت مفلس کے ہاتھ لگ جاتا ہے پس اگر اس کو دیکھتا ہے تو اس یاقوت کی درخشانی کی وجہ سے اسکی نظر خیرہ ہوتی ہے اور اگر اپنی مفلسی اور کم مائیگی کا خیال کرکے اس امر کا تصور کرتا ہے کہ میں اسکا مالک ہو گیا ہوں تو حیرانی اور تعجب کے جنگل میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور جب اس کلام پاک کی عظمت جیسی چاہیئے اسکے ذہن میں قرار پذیر ہو گی اور اسی کلام پاک کے سبب سے اس محض بے نیاز کی بارگاہ عالیجاہ میں اپنا رتبہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب چاہیئے کہ توبہ کا عزم مصمم کرے اور اسکا طریق یہ ہے کہ ایام متبرکہ میں سے کوئی دن اختیار کرے قرآن مجید کو اپنے ہمراہ لیکر ایک خالی مکان میں داخل ہو جائے اور بارگاہ رب العالمین میں جو بے نیاز ہے انکسار اور الحاح بے قیاس بجا لا کے۔ کہے کہ اے پروردگار میں ہر طرح سے عاجز ہوں اور تو ہر چیز پر قادر ہے تو بہ ہر چند راہ نبوت کا پہلا قدم ہے مجھے عنایت فرما اور اس عطا میں اپنی عنایات بے غایات کو ملاحظہ فرما نہ میری بے لیاقتی اور بے استعدادی کو کہ استعداد اور

...ن بھی تیرے ہاتھ میں ہے ۔ شعر

تو چوں ساقی شوی درد تنگ ظرفی نماند ۔ بقدر مجبر باشد وسعت آغوش ساغرہا

...زاں نماز تسبیح گناہوں کے کفارہ ہونے اور حصول حقیقت توبہ کی نیت سے کمال خضوع اور توجہ ...سے گذارے اور نماز کے اکثر ارکان میں اپنے دل کو طلب تکفیر سیئات اور حصول حقیقت توبہ کی ...ف متوجہ رکھے بعد ازاں حق سبحانہ وتعالیٰ کے وہی انعامات اور اسکی ناخوشی کی نہایت قباحت ...ور منہیات شرعیہ سے کمال تنفر ملاحظہ کرے پس اگر حالت مرقومۃ الصدر اسکے باطن میں ظاہر ہو جائے ...ور اسکے ظاہر و باطن کو لے لے اور اسکا تمام خیال اور دل اور وہم اس حالت میں مستغرق ہو جائے تو بہتر ورنہ اس امر کو دوسرے دن پر حوالہ کرکے واپس آ جائے پھر دوسرے دن اسی طرح کرے ...کہ وہی حالت ظاہر ہو جائے بعد ازاں اسی حالت کے اثنا میں کلام مجید کی عظمت اور اپنے اور ...ب العزت کے درمیان اسکے بحکم رابطہ ہونیکو ملاحظہ کرے اور جسوقت اس کلام پاک کی عظمت اور ...ب تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان اسکے واسطہ ہونیکی عظمت اسکے سینے کو مالا مال کردے اور اس ...لام پاک کی ملابست کی خوشی اور ابتہاج اسکے دماغ کو لبریز کردے پس اسوقت ایک نظر جو کمال تعظیم ...یا کے ساتھ ملی ہوئی ہو قرآن مجید پر ڈالے اور کہے الٰہی میں نے اس کلام پاک کو تیرے حضور میں شفیع بنایا اور اسے اپنا وسیلہ گردانا اور اس تیرے حبل متین کے ساتھ اپنے آپ کو محکم باندھا بعد ...زاں عزائم شرعیہ کی پیروی کرنے اور منہیات شرعیہ سے "یعنی جو اس قسم کے طالب کے حق میں منہیات ...ہیں کیونکہ ایسے شخص کے حق میں بلا ضرورت رخصت شرعیہ پر عمل کرنا بھی منجملہ منہیات ہے" پرہیز کرنیکو ملاحظہ کرکے عقد توبہ کرے اسکی تصویر اس طرح ہیکہ جیسے کوئی شخص کسی کام کے واقع کرنے یا کسی چیز سے اجتناب کرنیکو اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے اور اس التزام کی پختگی کیلئے اس چیز کی قسم کھاتا ہے جو اس کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ تر محبوب ہے مثلاً اگر مومن پاک ہے تو حق تبارک وتعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اور اگر اسکے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ محبوب اپنا فرزند یا مال یا زر یا جان ہے تو اس چیز کی قسم یاد کرتا ہے (جو اسکے نزدیک احب الاشیا ہے) اور اگر عاشق ہے اپنے معشوق کی قسم کھاتا ہے تو البتہ ضرور ایسی مغلظ قسم کھانے کے بعد اس کام کے کرنے یا اس چیز سے اجتناب کرنیکا پختہ ارادہ فولادی میخ کی طرح اسکے تہ دل سے اٹھتا ہے اور اس کے کلام سے

مختلط ہوتا ہے جسکو عقد یقین کہتے ہیں اس طرح کی قوی ہمت اپنے تہ دل سے اٹھا کر اور قرآن مجید کا
توسل کر کے اپنی زبان سے کہے کہ بار خدایا میں نے تیری عنایت پر توکل کر کے اتباع شریعت کو اپنے
اوپر لازم کرلیا ہے اور جانب شریعت کو اپنے اور اپنے نفس اور مال اور جان اور آبرو اور فرزند و
عیال اور استاد و پیر اور آقا اور تمام مخلوقات کی جانب پر میں نے ترجیح دی ہے اے بار خدایا میں
عاجز محض ہوں اور تیری عنایت پر بھروسہ کر کے اس امر عظیم التزام اپنے ذمے لازم کرلیا ہے پس
محض اپنے کرم سے اس عقد کو پورا کرائیو۔ بعد ازاں ہمیشہ اس شخص کو لازم ہیکہ عقد توبہ کی مراعات
کرتا رہے اور اس امر کی طرف ہمیشہ التفات رکھے کہ میں نے ملک الاملاک کے حضور میں جو فاعل
علی الاطلاق اور عالم السر والخفیات ہے اور شدید العقاب اور سریع الانتقام ہے اس عقد کو منعقد کیا
ہے ایسا نہ ہو کہ ایک سر مو اس سے تجاوز کر جاؤں اور نقض عہد کا داغ ہمیشہ کیلئے میری پیشانی پر
باقی رہ جائے مانند اس شخص کے جس نے ایک بادشاہ عالی جاہ صاحب قدرت و انتقام کے محکمہ
میں مچلکہ لکھدیا ہو کہ فلاں چیز کرونگا اور فلاں چیز نہ کرونگا تو البتہ اس شخص کو ہر حرکت و سکون اور
ہر قول و فعل میں اس مچلکہ کا لحاظ رہیگا یعنی جب کسی فعل یا قول یا کسی حرکت یا سکون کا قصد اس
کے دل میں گزریگا تو پہلے پہل اسکو عقل کی ترازو میں تولیگا کہ یہ امر اس نوشتہ کے موافق ہے یا
مخالف اس تامل کے بعد اس فعل کو وقوع میں لائے گا اور نیز اس طالب کو لازم ہیکہ ایک مناسبت
قوی اور خصوصیت زائد بہ نسبت قرآن مجید کے اپنے دل میں مستحکم کرے مثل مناسبت طالب کے
اپنے شیخ سے مثلاً جو شخص کہ طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کرتا ہے ضرور اسکو حضرت غوث الاعظم
کی جناب میں ایک اعتقاد عظیم حاصل ہوجاتا ہے اور جس وقت اس کی بیعت اس خاندان عالی شان
میں واقع ہوجاتی ہے تو اعتقاد سابق کی نسبت ایک مناسبت زائد اسے حاصل ہوجاتی ہے
کہ اپنے آپ کو آنجناب کے غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور اس عالی جناب کے حلقہ بگوشوں
کی جماعت میں اپنے آپ کو داخل کرتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی عظمت کا اعتقاد اگرچہ ہر صاحب ایمان
پر ایمان کی طرح واجب ہے لیکن اس طالب کو اس کلام پاک سے ایک اور ہی مناسبت ہوجاتی کہ
بعد ازاں اس توبہ کو کسی عزیز کے ہاتھ پر جو اتباع کتاب و سنت اور اجتناب بدعت میں اس زمانہ
میں اپنے امثال و اقران میں ممتاز ہو ظاہر کرے پس قرآن مجید کو تو اپنا شیخ حقیقی جانے اور اس

عزیز کو شیخ ظاہری پس ضرور ہے کہ اتباع قرآن کو اصل جانیگا اور اس عزیز کے اتباع کو اس کی
فرع اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جب اصل و فرع دونوں آپس میں متعارض ہوتے ہیں اسوقت فرع درجۂ
اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے یہ ہے تصویر مقام توبہ کی اس وجہ پر جو اس طریق سے مناسب ہے
اور اس طرز پر عقد توبہ کرنے میں فوائد عظیمہ اور منافع جلیلہ ہیں اور عمدہ منافع سے توبہ میں
استقامت حاصل ہوتا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ تجربہ صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب کوئی طالب
کسی عزیز کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو عنایت خداوندی اس بزرگ کی وجاہت کے سبب
سے اس طالب کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور گناہ کے ارتکاب کے مواقع اور منہیات کی
دلدل کے مکان سے طرح طرح کے لطائف غیبیہ اور حیل قدسیہ سے اسکو باز رکھتی ہے اور
یہ امر دو وجہ سے متحقق ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ عزیز باوجود وجاہت عند اللہ کے کامل النفس
قوی التاثیر اور صاحب کشف صحیح ہوتا ہے پس حق جل وعلا اس بزرگ کو اس طالب کے
مکان منہیات میں واقع ہونے پر مطلع کر دیتا ہے اور گناہوں سے اسکے بچانے کا حکم فرماتا ہے
پس وہ بزرگ کسی نہ کسی تدبیر سے خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں درمیان اس طالب کے اور
گناہ کے حائل ہو جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حق جل وعلا اس سبب سے کہ اس بزرگ
پر بڑی عنایت رکھتا ہے غیب الغیب سے ایک لطیفہ ظاہر فرماتا ہے جو اس طالب کی حفاظت
کا سبب ہوتا ہے اور یہ لطیفہ بوجہ من الوجوہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہوتا ہے اگرچہ اس
عزیز کو اس معاملہ پر مطلق اطلاع نہ ہو بلکہ اس لطیفہ کا اس طور پر ظاہر ہونا کہ اس بزرگ کی طرف
منسوب ہو محض اس بزرگ کی زیادہ وجاہت کیلئے پردۂ غیب سے ظاہر ہوا ہے جیسے منقول ہے
حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب زلیخا کے ساتھ خلوت میں تنہا ہوئے اور اس
دشمن تباہ حال نے حصول وصال میں طمع کیا تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت
دانتوں میں انگلی لئے ہوئے یوسف علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس معاملہ کے درہم برہم
ہوجانیکا سبب بن گئی حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے حال سے مطلق
خبر نہ تھی بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے (بحکم خداوندی) حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت
میں ظاہر ہو کر اس معاملہ کو توڑ تاڑ دیا۔ جب یہ دونوں وجہیں ذہن نشین ہو گئیں پس جاننا

چاہیئے کہ یہ دونوں وجہیں قرآن مجید میں اس طرح متحقق اور ثابت ہیں کہ کسی ممکن میں متصور نہیں کیونکہ حقیقت قرآنی ایک امر ہے امور قدسیہ سے کہ حقائق امکانیہ میں سے کسی کے ساتھ اسکو مشابہت نہیں اسلیئے کہ وہ ممکن اور واجب کے درمیان ایک برزخ ہے اور اسکی وجاہت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حد تک ہے کہ کسی کو اسکا ادراک بھی ممکن نہیں اس وجاہت کے حاصل ہونیکا تو کیا ذکر ہے کیونکہ یہ کلام منجملہ صفات ازلیہ اور کمالات ذاتیہ حضرت حق سبحانہ کی ہے اور جو علاقہ صفات اور ذات کے درمیان ہے اس کا تصور ممکن نہیں پس ضرور ہے کہ حضرت حق کی عنایت اس طالب کی حفاظت کی طرف بہ اکمل وجوہ متوجہ ہوگی خواہ پہلے طریق سے خواہ دوسرے طریق سے یعنی اس طالب کی حفاظت یا تو اس طریق سے ہوگی کہ اسی حقیقت قرآنیہ کی طرف سے جو کہ نور مقدس ہے اس طالب اور امور منکرہ کے درمیان بوجہ من الوجوہ خواب میں یا بیداری میں حیلولت واقع ہو جائیگی یا اس طریق سے کہ حق جل و علا بلاتوسط یہ واسطہ ملائکہ یا ارواح مقدسہ کے بہ سبب برکت توسل قرآن کے اس طالب کی حفاظت کرے گا

دوسرا افادہ۔ جبکہ طالب راہ نبوت نے مقام توبہ میں رسوخ حاصل کر لیا تو اسے لازم ہے کہ ذکر ایمانی اور مراقبہ صمدیت میں قدم بہت راسخ کرے اور ذکر ایمانی کا طریق یہ ہے کہ اول قرآن مجید اور اذکار منقولہ اور ادعیہ ماثورہ کے معانی لغویہ کی تحقیق کرے۔ اگر خود فنون عربیت کا عالم ہے تو بہتر ورنہ اس امر کو اس فن کے محققین سے جو صاحبان اعتبار اور اولوا الایدی والابصار ہوں انکو دریافت کرے اور معانی لغویہ کے حاصل کرنے میں عرب اول کی لغت کے سوا اور کسی کی طرف التفات نہ کرے اور فنون ادب کے متعمقین کی موشگافیوں پر جنہوں نے فضیلت نمائی کیلئے اپنے آپ کو محققین عربیت سے قرار دیا ہے اور اکثر اہل اسلام پر مقصود کا راستہ گم کر دیا ہے فریفتہ نہ ہو کہ وہ بدعت محض اور لہو و لعب میں عمر کا ضائع کرنا ہے۔ بیت

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

بعد ازاں خلاصہ ان معانی کا اور تفصیل ان مضامین کی جس طرح پہلے باب میں مذکور ہوئی ہے ملاحظہ کرے اور اسکو تہ دل میں مستحکم کرے اور اس ملاحظہ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار اور ادعیہ ماثورہ کا زبان سے بین الجہر والاخفا[1] اکثر اوقات میں پڑھنا شروع کرے لیکن جہر مفرط

---

[1] یعنی نہ بہت پکار کر پڑھے اور نہ بہت آہستہ بلکہ بیچ بیچ میں۔

اور اخفائے مفرط بھی وہ بعض بعض اوقات میں مفید ہوتا ہے اور اسکی عادت کر لینا چنداں مفید نہیں اور جہر مفرط کی حد خلل اذان اور تلبیہ سے سمجھنی چاہیئے اور اخفا مفرط کی حد کان[1] سے تصور کرنی چاہیئے اور وسط کی حد کو اس کلام پر قیاس کرنا چاہیئے جو لوگوں کی آپس میں اہل ادب کی محفلوں اور اہل تمیز کی مجلسوں میں واقع ہوتی ہے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ ذکر ایمانی سے مقصود صرف کثرت ذکر کی یا مجاہدہ نفس کا یا صرف ضبط اوقات نہیں بلکہ مقصود اس سے اسی حالت کا پیدا کرنا ہے لیکن بدون تحقق اس حالت کے اس ذکر کو منجملہ ریاضات نفسانیہ کے شمار کرنا چاہیئے الغرض ذکر ایمانی میں اتنی کثرت نہ کرنی چاہیئے کہ ذاکر کی طبیعت اکتا کر ملول اور رنجیدہ ہو جائے بلکہ تدریجاً نفس کو اسکا عادی کرنا چاہیئے

ولیکن مراقبہ صمدیت پس جاننا چاہیئے کہ اس مراقبہ کی اصل مبادی جسطرح کہ پہلے اور تیسرے باب میں مذکور ہوئے ہیں وہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے انعامات اور اس قادر مطلق کے عجائبات قدرت کا ملاحظہ ہے لیکن خوشی اور فرحت کا ہیجان اور اپنے قصور اور احتیاج کا ظہور اور حضرت حق کی عظمت کا انکشاف اور اس حکیم مطلق کی حکمت کا اذعان جو مراقبہ صمدیت کا اصل ٹھکانا ہے وہ ابتدائے احوال میں نعم مشترکہ اور تاثیرات عادیہ کے ملاحظہ کے سبب سے حاصل نہیں ہوتا مثلاً مینہ برسانا اور کھیتوں کا اگانا اگرچہ بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے لیکن چونکہ اس نعمت میں تمام افراد انسانی شرکت رکھتے ہیں لہذا اس امر کے ملاحظہ سے ایک عامی شخص کو حالت مرقومۃ الصدر نہیں پیدا ہوتی اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور اجرام نیرہ فلکیہ کا موجود کرنا اگرچہ قدرت کے ظاہرہ کے اعظم آیات اور حکمت باہرہ کے آثار اور عظمت قاہرہ کے علامات سے ہے لیکن چونکہ یہ امور مذکورہ اکثر اوقات انسان کے سامنے رہتے ہیں اس وجہ سے ان امور کے ملاحظہ سے اسکے ذہن کو کمالات حضرت حق کی طرف انتقال واقع نہیں ہوتا اسی لئے طالب پر لازم ہے کہ ان خاص نعمتوں کا ملاحظہ کرے جو اس کے اپنے نفس یا اس کے امثال کے شامل حال ہیں اور ان عجائب قدرت کا ملاحظہ کرے جو برخلاف عادت میں ظہور میں آئے ہیں اور جو قصص ایسے مضامین پر شامل ہوں انکو مکرر سہ کرر گوش ہوش سے سنے اور انکو بار بار اپنی بصیرت کے منظر کے سامنے حاضر کرے اور دمبدم اپنے آپ کو اس عظیم بالاستحقاق کی عظمت کے سمندر میں غرق اور منعم علی الاطلاق کے انعامات کے بادیہ میں متحیر کرے تاکہ مراقبہ صمدیت کا سر رشتہ ہاتھ میں

[1] یعنی جو کان سے نہ سنائی دے وہ اخفائے مفرط میں داخل ہے۔

آئے اور جب مراقبہ صمدیت اس طریق پر کہ باب اول اور باب ثالث میں مذکور ہوا ہے اسکے ذہن نشین ہو جائے تو بعد ذکر ایمانی سے مخلوط اور ممزوج کرے اگر ممکن ہو تو ذکر ایمانی کے اثنا میں مراقبہ صمدیت کرے ورنہ بعض اوقات ذکر اور بعض اوقات فکر میں مصروف کرے اور اسی طرح ذکر کے حال میں فکر کو ذکر سے ملا جائے اور ذکر ایمانی اور مراقبہ صمدیت میں سے ہر ایک کیلئے بعض امور تائید کرتے ہیں ان موائدات کے سبب سے ذکر و فکر کو رونق ہوتی ہے اور اسکے آثار قوت اور جلدی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور بزرگ ترین مؤیدات سے خدمت خلق ہے بخصوص یتیموں اور مسکینوں اور مفلسوں کی خدمت اور اہل حوائج کی حاجات کا پورا کرنا اور مریضوں اور بیماروں کی خبرگیری کرنا غرض ان لوگوں کے حق میں سعی کرنا جو اپنی حاجتوں کے حاصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہوں اور حصول مطالب کے دروازے انکے منہ پر بند ہو گئے ہوں (اعلیٰ درجہ کا مؤید یہی ہے) آخر کلام یہ ہے کہ جب ذکر اور فکر پر مداومت اور مواظبت کریگا تو سعادت دارین یعنی حب ایمانی کے خزانہ کی کنجی اسکے سپرد ہو جائیگی اور اسی حب کا پیدا ہونا ذکر اور فکر کے کامل کرنیکی علامت ہے یعنی اس حب کے پیدا ہونیکے سبب سے معلوم ہو جائیگا کہ ذکر اور فکر اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔ **تیسرا افادہ**۔ جب حب ایمانی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اسوقت طالب کی ہمت کا بلند پرواز طائر اس راہ کے مشہور ترین نشان اور اس طریق کے واضح ترین علامات پر جسکا نام فنائے ارادت ہے پہنچ جائیگا۔ چنانچہ باب اول میں اسکا مذکور ہو چکا ہے اور اسی کمال کا حاصل ہو جانا حب ایمانی کے مکمل ہونیکی علامت ہے واضح ہو کہ نفس کا ارادہ سے خالی ہو جانا راہ نبوت میں بمنزلہ شغل نفی کے ہے راہ ولایت میں کیونکہ یہ دونو شغل ان دونوں طریق کے اصل الاصول ہیں بیان اسکا اسطرح ہے کہ سلوک راہ نبوت کا کمال یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کا کمال درجہ مطیع و فرمانبردار ہو جائے اور رابطہ عبودیت نہایت مستحکم اور مضبوط ہو جائے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو پتھر اور لکڑی کی طرح اپنے مولیٰ کے ہاتھ میں تصور کرنا اور اپنے نفس کی لوح کو ارادوں اور عزیمتوں کے نقش سے پاک صاف کر دینا پہلے سرے کا انقیاد اور استحکام علاقہ عبودیت کا قوی تر مرتبہ ہے ہاں بعض اوقات بعض فرمانبردار بندے اپنے عقل اور تدبیر کی محافظت کے سبب اپنے مولیٰ کے دربار میں وجاہت حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس وجاہت کا حاصل کرنا اسی صورت میں متصور ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ سے بڑھکر عقلمند ہو پس مولیٰ کسی چیز کا امر فرماتا ہے اور یہ خیر خواہ بندہ اپنی ہوشیاری کے سبب جانتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں

جانے کا نقصان تو نہیں ہے کوئی کارخانہ برباد ہو جائیگا پس اگر یہ غلام اس وقت میں بھی تعمیل فرمائش پر اکتفا کرے اور اپنی عقل اور سمجھ کو دخل نہ دے تو بیشک ملامت اور عتاب سے وہ بالکل بری اور معذور ہے اور اگر اپنے عقل اور فہم کے مطابق کسی قدر مداخلت کرے اور اس مداخلت کے سبب سے کوئی معاملہ معاملات مولیٰ سے خراب نہ ہو پس اگرچہ شرعاً عتاب اور ملامت کا محل ہوگا لیکن اصلاح معاملات مولیٰ میں کوشش کرنیکے سبب جو خیر خواہی کی علامت ہے اپنے مولیٰ کے حضور میں ایک قسم کی وجاہت حاصل کر لیگا اور جب یہ معاملہ عبودیت کا جاہل اور نادان غلام اور مولائے حکیم علی الاطلاق اور عالم السر والخفیات کے درمیان ہو پس اس جگہ سوائے فرمانبرداری اور تعمیل حکم کے کسی اور راستہ میں چلنا اپنے آپ کو ہلاکت اور گنہگاری کے خطرہ میں ڈالنا ہے اور اس جگہ ایک نکتہ ہے جسکا جاننا نہایت ضروری ہے اور وہ ارادہ سے خالی ہونیکے اقسام کا بیان ہے پس جاننا چاہیے کہ ارادہ سے خالی ہونا تین قسم پر ہے قسم اول اور وہ سالکین راہ ولایت کا مقصود ہوتی ہے وہ عبارت ہے خواہش اور ارادہ کے بطلان سے بیان اسکا اس طرح ہے کہ انسان کو مقام فنا میں رسوخ حاصل ہونے کے سبب سے ہر شے کی خواہش اور رغبت باطل ہو جاتی ہے اور توحید افعالی کے انکشاف کے سبب سے عزم اور ارادہ کی بیخ کاٹی جاتی ہے اور اپنے آپ کو تقدیر کے ہاتھ میں اس طرح سمجھتے ہیں جیسے لکڑی پتھر اور جماد بیجان کی طرح اپنے آپ سے گذرے ہوتے ہیں اور گویا اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ دوسری قسم اور وہ راہ نبوت کے ابتدائی سالکوں کے نصیب ہوتی ہے اور وہ اپنے ارادہ کو بالکل مولیٰ کے ارادہ کا تابع کر دینا ہے بیان اسکا اس طرح ہے کہ یہ لوگ خواہش اور رغبت اور ارادہ اور نفرت سے خالی نہیں ہیں ... اور انکی عزم و ارادت بالکل باطل نہیں ہوتی امور مرغوبہ کی طرف شوق اور مکروہ چیزوں سے ... نفرت انکے دل ... سے جوش مارتی ہے لیکن اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لیے اس خواہش اور رغبت اور کراہت اور نفرت کو بدون اجازت مولیٰ کے جاری نہیں کرتے اور اپنے ارادہ کو موافق اقتضاء طبیعت کے ہرگز استعمال نہیں کرتے اور یہ سب کچھ اپنے مولیٰ کی فرمانبرداری کیلئے اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ تیسری قسم اور وہ ان لوگوں کا حصہ ہے جو راہ نبوت کے اعلیٰ مقصود تک پہنچے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مولیٰ کی طرف کے امر کے صادر ہونے تک انتظار میں اپنے ارادہ کو معطل اور بیکار کر رکھنا ہے بیان اسکا اس طرح ہے کہ چونکہ اس راہ کے بلند مرتب والوں

پر رحمت ربانی اور حکمت حقانی منکشف ہوجاتی ہے یعنی اپنے تہ دل سے اس امر کو جان لیتے ہیں کہ جو کچھ انسب و اولی ہے حکمت الہی اسی کا تقاضا کرتی ہے اور کسی اولی اور انسب کو حکمت خداوندی فروگذاشت نہیں کرتی اور ہم جیسے فرمانبردار بندوں کو رحمت الہی ہرگز مہمل اور معطل نہ چھوڑیگی بلکہ ہم بندوں کے حق میں جو کچھ اولی اور انسب ہے اسی کام میں ہم کو لگا دیگی اور اسی کام کا ہمیں حکم دیگی اس لئے اپنے عقلوں اور ارادوں کو کارخانجات الہیہ میں دخل دینا محض لغو اور بیفائدہ کام ہے پس جو شخص کہ مولائے حکیم و رحیم و علیم کے بندوں کے زمرہ میں منسلک ہو اسکا کام یہی ہے کہ اپنے عقل و ارادہ کو اسکے کارخانہ میں مطلق دخل نہ دے بلکہ اپنی نظر کو اپنے مولی کے چہرہ کے برابر کرکے اسکے حکم کا منتظر ہو اور اپنے مولی کی خدمتوں میں سے کسی خدمت معینہ کو اپنی رائے سے اپنے اوپر لازم نہ کرے اور وہ خاص خدمت اپنا شعار نہ بنائے بلکہ خدمت حاضر باشی اور دوام ملازمت کو اپنا شعار جانے اور اپنے مولی کی اوضاع و اطوار سے اسکی مرضی کو پہچان کر ہمیشہ اسکی نظر کے روبرو اپنے آپ کو حاضر رکھے اور ہر وقت اسکے حکم کے صادر ہونیکا منتظر رہے تاکہ جو حکم اسکے مولی کی طرف سے صادر ہو اسی کام میں اپنے آپ کو کمال چستی اور چالاکی سے لگائے۔

چوتھا افادہ جب فنائے ارادہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسکی علامت یہ ہے کہ طالب صدیقین اور شہداء کے زمرہ میں داخل ہوجائے اس وقت مراقبہ عظمت شروع کرے بیان اسکا اس طرح ہے کہ جسطرح سالکان راہ ولایت پہلے ملکۂ یادداشت کے حاصل کرنے میں کوشش کرتے ہیں یعنی جناب حضرت حق سبحانہ وتعالی کی طرف دل کی توجہ لگی رہنا اور بعد ایسے کے کہ یادداشت کا ملکہ انکے نفس کی صلب میں راسخ ہوجاتا ہے اس وقت اسکو بعض صفات کیساتھ ممزوج کرتے ہیں جیسے اس ذات فیض البرکات کا تمام کائنات پر احاطہ کرنا یا مظاہر متعددہ میں ظاہر ہونا یا کثرت کونیہ کا اس ذات سے صادر ہونا یا اس طالب کی نسبت اس ذات کا قرب اور معیت وجودیہ اسی طرح اس طالب یعنی طالب راہ نبوت کو چاہیے کہ بعد حصول ملکۂ یادداشت کے صفت سلطنت اور حکومت کو ضم کرے اور مضمون آیت لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ کو ملاحظہ کرے اور معیت اور قرب علمی

لہ یعنی اسکا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں جانتا ہے تمہارے چھپے اور کھلے کو۔

و اپنے پیش نظر رکھے اور اسکی سلطنت اور حکومت کا انبساط آسمان اور زمین پر اور خشکی اور سمندر اور آبادی اور ویرانہ اور بسیط اور مرکب اور اپنے اندر اور باہر ہر جگہ مساوی اور برابر سمجھے پس جو حرکت اور سکون کہ اس سے یا اسکے غیر سے صادر ہو صرف اس حرکت یا سکون کے صادر ہونے سے یہ مضمون اسکے دل سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اسکو حق تبارک و تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور آپ اپنے کو خلوات[1] اور جلوات بلکہ تمام حالات میں اکیلا اور تنہا نہ سمجھے بلکہ اسکا حال اس آدمی کے حال کی طرح ہوتا ہے کہ اسکے ہمراہ ہمیشہ ایک ایسا شخص لگا رہتا ہے کہ اسکو اس آدمی کے ساتھ علاقہ ابوت کا بھی ہے اور علاقہ تربیت کا بھی اور علاقہ ولایت کا بھی ہے اور علاقہ سلطنت کا بھی اور علاقہ آقائی کا بھی اور استاذی اور پیری کا بھی اور علاقہ محبت اور محبوبیت کا بھی اور یہ سالک صرف قرب وجودی پر اکتفا نہ کرے یعنی محض اس قدر جان لینا کہ وہ شخص میرے ساتھ موجود ہے اس راہ میں کفایت نہیں کرتا بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ شخص دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور مطیع کی اطاعت اور مخلص کا اخلاص قبول فرماتا ہے اور اس پر تحسین اور آفرین کرتا ہے اور آخرت میں ثواب جزیل اور دنیا میں قرب اور وجاہت اس پر عطا فرماتا ہے اور اسکو اپنے خاص غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور گنہگار کی نافرمانی کو رد کرتا ہے اور اس پر لعنت اور نفرین بھیجتا ہے اور آخرت میں عذاب شدید اور دنیا میں دوری اور خواری اسکے نصیب ہوتی ہے اور اسکو کافر نعمتوں کے زمرہ سے شمار کرتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو بھلی سی طاعتوں کے سبب جو کمال اخلاص اور نہایت فرمانبرداری سے ملی ہوئی ہوں معاف کر دیتا ہے اور بڑی بڑی بندگیاں بھولے چھوٹے گناہوں کے سبب سے جو خباثت نفس اور مخالفت حق سے ملے ہوئے ہیں حبط اور برباد کر دیتا ہے غرض کہ نکتہ گیری اور نکتہ نوازی اسکی شان ہے پس مت سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ طالب راہ نبوت کو لازم ہے کہ اس مضمون کو تفصیل اور اپنے ذہن میں تصور کرے ناشناو کلا تصورات متقلبہ سے کیا کام نکلتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حال اس طالب کا اپنے تمام احوال میں اس شخص کے حال کی طرح ہو جاوے کہ جو ایسے شخص کا ملازم ہو جسکے اوصاف جو مذکور ہو چکے ہیں اور اسی طرح حضرت حق سبحانہ کی سلطنت کے تمام کائنات پر انبساط کے ملاحظہ سے صرف یہی مقصود نہیں کہ اسکو اپنے ذہن میں تصور کرے فقط ذہن اور عقل کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح آفتاب ریگستان کے قطعات میں سے ہر ذرہ میں اور سمندر کی امواج میں سے ہر موج میں چمکتا ہے اور

[1] خلوات جمع خلوت بمعنی تنہائی جلوات جمع جلوت بمعنی ظہور

دیکھنے والے کے خیال میں اس طرح گذرتا ہے کہ ایک نور کا دریا موج زن ہے اسی طرح فیض رحمان کی تدبیر واحد جو تمام کائنات پر مبسوط ہے جہان کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں جلوہ گر ہوا اور علویات اور سفلیات میں بلحاظ مجموعی و فرادی نمایاں ہوجائے مثلاً زمین کے جس قطعہ پر اور آسمان کے جس حصہ کے نیچے کھڑا ہو اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہو جس کا ہاتھ پکڑ کر ایک شخص نے دریائے زخار کے محاذات میں زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا رکھا ہو پس اگر وہ دریا کو دیکھتا ہے تو اس کو اس قابل نہیں دیکھتا کہ اسکا بوجھ اٹھا سکے اور اگر ہوا کو دیکھتا ہے تو اسکو بھی ایسا ہی جانتا ہے اور اگر آسمان کو دیکھتا ہے تو وہاں تک اپنا پہنچنا محال سمجھتا ہے پس اپنے ثابت رہنے کا سبب اس شخص کے سوا کوئی دوسری چیز اسکے ذہن میں نہیں آتی۔ پس اپنے پختہ یقین سے جانتا ہے کہ جب تک اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے کسی چیز کی مضرت مجھے نہیں پہنچ سکتی خواہ بحر زخار کی موجیں ہوں یا ہوا کے جھونکے یا آندھیاں اور اگر وہ شخص میرا ہاتھ چھوڑ دیگا تو تمام جہان میرے لئے ہلاکت گاہ ہے کیونکہ دریا کی جس موج پر گرونگا وہیں ڈوب جاؤنگا اور اس امر میں (یعنی میرے غرق کرنے میں) امواج دریا میں سے کسی موج کی خصوصیت نہیں اور یہ ملاحظہ اسکے ذہن میں اسقدر مستحکم ہو کر بیٹھ جائے کہ اگر شیر درندہ یا مست ہاتھی اس پر حملہ کرے یا اسکا دشمن ننگی تلوار اسکے گلے پر رکھدے اس حالت کے اثنا میں وہ طالب یقیناً جانتا رہے کہ جبتک حضرت حق سبحانہ نے قدرت کا ہاتھ میری محافظت سے نہیں اٹھایا تب تک ان امور سے کچھ ضرر مجھے نہیں پہنچیگا اگرچہ ظاہر حال قطعی الوصول ہوں اور جسوقت اس حافظ مطلق نے محافظت کا ہاتھ میرے سر پر سے اٹھالیا اس وقت ہر چیونٹی پائمال اور ہر مگس بیکس میرے ہلاک کرنے میں کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اس طریق کے پیشواؤں نے جو اس مراقبے کے خلاصہ سے کامیاب ہوئے ہیں جیسے انبیاء کرام اور انکے وارثان عظام بڑے بڑے زبردست بادشاہوں کے ساتھ باوجود قلت انصار واعوان کے بے پروا مقابلے کئے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ مشہور و معروف ہے یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ اس طالب پر بسبب قرب اسباب ہلاکت کے خوف اور انکے بعد کے سبب سے اطمینان ہرگز نہیں طاری ہوتا کیونکہ یہ امر تو لوازم بشریت سے خالی ہونیکے حکم میں ہے اور لوازم بشریت سے خالی ہونا اور دنیا میں خصوصاً راہ نبوت کے طالبوں کے حق میں جسکا خلاصہ تکمیل فطرت انسانی ہے ممکن نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسباب مہلکہ کے قرب و بعد کے سبب سے خوف اور اطمینان جو

دلیا ست صادر ہو اور عقل اور بڑی عقل کو پراگندہ کرے اس خطاب پر ماسٹ نہیں ہوا بلا نہ ہو۔ اور
مبتدیان طالبین کے اور اس امر قاصر کی توضیح یہ ہے کہ خوف طبعی اور عقلی کے درمیان امتیاز کرنا ایک مثل
کے بغیر حاصل نہیں ہوتا پس ہم کہتے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص ایک لکڑی ہاتھ میں لیکر اپنے بیٹے کی
آنکھ کی طرف متوجہ کرے اور کہے کہ میں یہ لکڑی تیری آنکھ میں ہرگز نہ ماروں گا میرا مقصود صرف تیرا امتحان
کرنا ہے پس جبتک وہ لکڑی اسکی آنکھ سے دور ہے کچھ تغیر اس لڑکے کے حال میں راہ نہیں پاتا اور جب
وہ لکڑی آنکھ سے قریب ہو جاتی ہے ایک قسم کا تغیر اسکے شامل حال ہوتا ہے اسی لئے بے اختیار
اسکی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں حالانکہ اسکے دل میں یقین ہے اس لکڑی کے نزدیک اور دور ہونے میں
کچھ فرق نہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ اس لکڑی کا ضرر مجھے ہرگز نہیں پہنچے گا خواہ قریب ہو خواہ بعید
اسی لئے اسکے دل میں پریشانی اور بیقراری راستہ نہیں پاتی اور نہ ضرر پہنچنے کا خوف اسکے ذہن میں
نہیں گذرتا پس اسی طرح یہ طالب صادق تمام کائنات کو حضرت حق سبحانہ وتعالی کے ہاتھ میں لکڑی
اور پتھر کی طرح جانتا ہے اور تمام موجودات کو اسکی عظمت کا مظہر سمجھتا ہے اگرچہ خوف زائد
بھی موجود ہے اور نا امیدی کے قرب و بعد کے سبب سے اس پر طاری ہو جاتا ہے کیا تو نے حضرت
زکریا علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں نہیں سنا کہ آنجناب نے باوجود اپنی کلاں سالی اور اپنی بی بی کے
بانجھ ہونے کے جناب واہب العطیات جل جلالہ سے سعادتمند بیٹے کی درخواست اور تمنا کے
طلب میں آپ کو باوجود موانع کے بیٹے کے پیدا ہونے سے کچھ کسی قسم کا استبعاد عارض نہ ہوا۔ تو دعا
کی وہ دعا جو تہ دل سے صادر ہوئی ہے آپ سے مقبول ہوئی اور جب غیب سے فرزند کے پیدا
ہونیکی بشارت ملی اس وقت حصول ولد کے استبعاد کا کلمہ آپکی زبان ہدایت نشان سے صادر ہوا
کہ فرمایا رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۔ یعنی
اے میرے رب میرے کیونکر بیٹا ہوگا حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے نہایت کلاں سالی کو
پہنچ گیا۔ پانچواں افادہ۔ جب مراقبۂ عظمت اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسکے کمال کی علامت یہ ہے کہ قوت
کی روح جو کہ باب اول میں مذکور ہوئی ہے اسکے ساتھ لگ جائے اور بعض اسباب کمال اس مقام میں
وارد کاملہ ہی عنایات ہیں بھی داخل ہو جاتے ہیں اسوقت مراقبہ الوہیت کو شروع کرے اسکی تصویر یہ ہے کہ
حق تبارک و تعالی کے شیون بے شمار ہیں منجملہ انکے شان حکم کی ہے کہ باوجود مخالفین کے سخت مزاولت

کرنیکے انکے مواخذہ اور پاداش میں جلدی نہیں فرماتا اور منجملہ انکے شان عفو ہیکہ ہرچند گنہگار لوگ فاحش ترین قبائح اور بدرنگ ترین معاصی کے مرتکب ہوجاتے ہیں لیکن جب خیانہ کی پیشانی نہایت انکسار کے ساتھ اسکی دہلیز پر رگڑتے ہیں اور اخلاص دل سے توبہ کرتے ہیں تو البتہ وہ رحیم مطلق انکے گناہوں سے درگزر کرکے اس تائب کو اپنی کنف رحمت میں کمال عنایت اور مہربانی سے پرورش کرتا ہے اور اس کے ناشائستہ گناہ کو نسیاً منسیا کردیتا ہے اور عذاب کو انعام سے بدل دیتا ہے اور منجملہ انکے شان فیض عموم کی ہے جیسے بارش کا برسانا اور کھیتوں کا اگانا وغیرہ وغیرہ کہ کامل اور ناقص اور مطیع اور عاصی اور محب اور معاند اور مکلف اور غیر مکلف اسمیں شرکت رکھتے ہیں اور اس کے دریائے رحمت نے سب کو گھیر لیا ہے اور آیت وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اس عموم رحمت کے بیان میں ایک حرف ہے اور منجملہ شیون الہی کے شان وسعت ہیکہ نفس کاملہ انسانیہ میں وسعت حوصلہ اسکا ایک نمونہ ہے جیسا اسکا یہ ہیکہ جس طرح بعض نفوس کاملہ بشریہ وسعت حوصلہ میں نہایت اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم اور رنگارنگ معاملات کے درپیش ہوتے اور طرح طرح کے کارخانوں کے اہتمام سے تنگدل اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہر ہر امر کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر ایک معاملہ کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں اور ہر ایک کارخانہ کو اسی حد پر رکھتے ہیں جو اسکے ساتھ سزاوار ہے نہ اس قدر افراط کرتے ہیں کہ تمام ہمت سے ایک ہی کارخانہ کے اہتمام میں غرق ہوجائیں اور دوسرے کارخانہ کو برباد کردیں یا ایک کارخانے والوں کو اتنا تسلط دیدیں کہ دوسرے کارخانہ والے رعایا کی طرح انکے ہاتھ میں مقہور ہوکر اصل مالک کارخانہ کو فراموش کردیں نہ اتنی تفریط کریں کہ کارخانہ بالکل بے رونق ہوجائے اور اس کارخانہ کے کارندے ذلیل وخوار ہوکر گمنام اور بیکار بیٹھ رہیں اور اسیطرح لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک مزاج اور استعداد والے اور ہر قسم کی غرض اور حاجت والے کے ساتھ اس وضع سے پیش آتے ہیں کہ انکے مناسب حال ہے اور اس قسم کا معاملہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس شخص کی استعداد کا پیالہ لبریز ہوجاتا ہے اور اسکے ذہن میں اسطرح بیٹھ جاتا ہیکہ جو خصوصیت مجھے انکے ساتھ حاصل ہوگی کسی دوسرے کو اگرچہ وہ مجھ سے اعلیٰ اور افضل ہو حاصل نہیں ہوئی الغرض اس کلام کے مغز کو دریافت کرکے وسعت حوصلہ کے معنی کو خوب ذہن نشین کرنا چاہیئے بعدازاں سمجھنا چاہیئے کہ جسقدر کارخانہ

خدائی اور ان نفوس کاملہ میں فرق ہے اسی قدر وسعت الہیہ اور ان بزرگوں کے وسعت حوصلہ میں فرق ہے اور جس کسی نے وسعت الہیہ کا معنی خوب سمجھ لیا وہ جس قدر رنگا رنگ کار خانوں اور گوناگوں معاملات پر اطلاع پائیگا اسی قدر اسکا وسعت الہیہ اسکے ذہن میں قرار پکڑ جائیگا اور منجملہ شئون الہیہ کے دشمنوں کی دشمنی کی پروا نہ کرنا ہے کیونکہ حضرت حق کے دشمن اور اس جواد مطلق کے کافر نعمت اس منعم حقیقی کی مخالفت اور اس مالک حقیقی کے اوامر کی نافرمانی اور اسکے احکام شرعیہ کے مقابلہ اور انبیا علیہم السلام کی تحقیر میں کس قدر کوشش کرتے ہیں اور وہ جواد مطلق اپنی بخشش اور جود کا دروازہ ان بدبختوں پر بند نہیں کرتا اور اپنی ولایت اور کفالت کی حفاظت سے انکو نہیں نکالتا بلکہ اگر بطریق تادیب کے ایک طرح سے ان پر مواخذہ کرتا بھی ہے تو اور ہزار طرح سے بیشمار نعمتوں کا ان پر فیضان کرتا ہے خلاصہ کلام یہ کہ دنیا میں اسکا مواخذہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے جیسے مہربان باپ اپنے نافرمان بیٹے کو ادب سکھلاتا ہے کہ اگرچہ وہ بظاہر وہ مہربان باپ بمقتضائے حکمت وحکومت عاق بیٹے کی سزا پر اقدام کرتا ہے لیکن عین اسی تادیب اور سرزنش میں اسکی خیر خواہی اور شفقت پدری مستور ہے اور بالکل اسکو برباد کرنا نہیں چاہتا اگرچہ خود بیٹا تادیب بھی از قسم لطف وتربیت ہے لیکن مقصود اس مقام میں یہ ہے کہ وہ تادیب ایسی وجہ پر نہیں کرتا کہ وہ عاق بیٹا محض برباد ہو جائے بلکہ ہر مواخذہ اور ہر ملامت میں اسکی خلاصی کا راستہ بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ اگر وہ کافر اپنی خلاصی کا راستہ اس مواخذہ سے ڈھونڈے اور اپنی نمک حرامی سے پچھتا کر باز آئے تو البتہ اس ہلاکت سے نجات کا راستہ اس پر ظاہر ہو جائے اور ان تمام شئون کی اصل علو ذاتی ہے کہ اسکا پرتو نفوس کاملہ پر پڑ جاتا ہے اور علو ہمت کے نام سے نامزد ہوتا ہے کیونکہ جو شخص علو ذاتی میں اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا ہوتا ہے اور وہ ان امور خسیسہ دنیاوی کی آنی جاتی نہیں سمجھتا کہ ان امور کے ہجوم کے سبب سے اسکے دل میں تشویش اور پریشانی راہ پائے یا اسکے معاملات میں تزلزل واقع ہو اسی لیے کمینوں کے گالم گلوچ سے عالی ہمت بادشاہوں کے دل میں غصہ اور کینہ کشی کا خیال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ بزرگ ان کمینوں کو غبار اور خس وخاشاک کی طرح جانتے ہیں اور بدلہ لینے کے لائق نہیں سمجھتے غرض ہم اس علو ذاتی الہی کا شیون مرقومۃ الصدر کی شرح کے لئے منشا اور عالم امکانی میں مطابق قانون حکمت کے انکے آثار کے ظہور کے اعتبار سے الوہیت نام رکھتے ہیں لیکن الوہیت کو ایک درخت کی شکل تصور کرنا چاہیے اور علو ذاتی کو اس درخت کا تخم قرار دینا

چاہیئے اور شیون ذکر، وکو شاخوں اور پتوں کے جا بجا سمجھنا چاہیئے اور عالم امکانی میں ان کے آثار کا ظہور کو قائم مقام پھل کے پس طالب نبوت کو بعد ظہور ثمرات مراقبہ شئونات کے لازم ہے کہ مراقبہ الوہیت کا شغل اختیار کرے اور مراقبہ الوہیت سے صرف یہ مقصود نہیں کہ الوہیت کے معنی کا تصور کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کمال کو تصور کر کے اپنے نفس کے آئینہ میں اسکے انعکاس کی خواہش کرے کہ تخلقوا باخلاق اللہ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور جب معاملات مذکورہ میں سے کوئی معاملہ اس کو پیش آئے مثلاً کسی قوم کی ریاست اسکے سپرد ہو یا مختلف قسم کے معاملات اس پر ہجوم کریں یا کوئی مخالف اس کی مخالفت میں درپے ہو جائے تو اس معنی الوہیت کو سوچ کر مقتضائے اسی شان الٰہی کے موافق تشبہاً باللہ معاملہ کرے غرض کہ اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہو جیسے محبوب کی وضع قطع و نشست و برخاست و رفتار و لباس وغیرہ ہر معاملہ میں اسکے عقل و خیال کو مالا مال کر کے اسکے تمام بدن میں سرایت کر جائے مثلاً جب کسی سے کلام کرتا ہے تو وہی محبوب کا سا لہجہ اس سے جلوہ گر ہوتا ہے اور جب چلتا ہے تو وہی محبوب کی سی رفتار اس سے صادر ہوتی ہے اسی طرح اخلاق الٰہیہ صاحب اس مراقبہ کی صلب نفس سے صادر ہوتے ہیں اور اسکی تمام قوتوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔ فائدہ: مخفی نہ رہے کہ مراقبہ کے آثار ترقی پر ظاہر ہوتے ہیں اول یہ کہ جس چیز کا مراقبہ طالب حق کرتا ہے اس چیز کے لوازم اسکے نفس میں ظاہر ہوتے ہیں اس کی مثال اسطرح ہے کہ کوئی شخص کریم ایک لطیف غذا کھا رہا ہو تو ایک بھوکے مفلس نے سوال کیا اگرچہ اس غذا پر کافی ہو اور نہایت طمع کیا لقمہ اٹھا رہا ہو تو ضرور دیکھ کر وہ کریم النفس اس غذا کا ایک آدھ لقمہ اس مفلس کو دیگا اسی طرح جب طالب حق اپنی بصیرت کو نہایت خواہش اور کمال طلب کیساتھ شیون الٰہیہ میں سے کسی شان پر جیسے عظمت یا الوہیت یا مواقع سبحانیہ میں کسی معاملہ پر جو اسی کریم مطلق اور اس کے خواص بندوں کے درمیان گزرتے ہیں جیسے خلت اور محبوبیت لگائے رہتا ہے تو البتہ اس شان کے لوازم اور اس معاملہ کے آثار میں سے کچھ حصہ طالب کی استعداد کے اندازہ پر اس کے نفس کے آئینہ میں جو ناظر تجلیات حق کے رخ سے مستعد ہے منعکس ہو جاتا ہے مثلاً اگر مراقبہ عظمت کیا ہو تو اسے عالم اعلیٰ میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہو جاتی ہے اور بعض کائنات پر ایک قسم کی سلطنت اور حکومت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر اس نے مراقبہ الوہیت کا کیا ہو تو [illegible] اور بدی کا مقابلہ نیکی سے [illegible] عفو اور حلم کا ملکہ ہاتھ آجاتا ہے اور اگر مراقبہ

ہوگا ہے تو اس پر بعض اسرار و مقامات کا جیسے مکالمہ اور مسامرہ وظاہر ہوجاتا ہے اور دوسرا طریق اس طالب کو
مقبولیت عامہ کا حاصل ہوجاتا ہے اور ظہور خوارق اور ظہور نوافل اور ارواح مقدسہ اور طیب صلحا نبی آدم میں
اسکا ہر دلعزیز ہوجانا اور یہ امر ذیب اول میں ثمرات حب ایمانی کے ذکر میں مفصل لکھا جا چکا ہے تیسرا
طریق نوافل عطایا ہے چنانچہ طریقہ کسی شخص نے ایک منعم کے لذیذ طعاموں اور مزیدار میووں اور عمدہ
پوشاکوں کی طرف آنکھ اٹھائی ہوئی ہو اور ان چیزوں میں سے کسی قدر کے حاصل ہونیکا امیدوار ہو پس ان چیزوں کا
مالک قدر سے ان چیزوں میں سے بھی اسے بخشدے اور کوئی اور چیز بھی جو اس شخص کے مناسب حال ہو
اگرچہ اشیاء مذکورہ کی جنس سے نہ ہو اسکو عطا کرے مثلاً مفلس نے طبیخ کی آنکھ غذا پر اٹھائی ہوئی تھی
اور انہیں سے کسی قدر کے حاصل ہونیکا امیدوار تھا تو اس اطعام کے مالک نے غذا میں سے بھی ایک
قرص اسکو بخشدیا اور کچھ نقد بھی اسے دیدیا تاکہ اپنے حوائج ضروریہ اس نقد کی بدولت [illegible] کرے
اور بعض اوقات میں اسطرح اتفاق پڑتا ہے کہ وہ شخص اس شئے کی لیاقت نہیں رکھتا جس پر اس نے
طبع کی آنکھ لگائی ہوئی تھی مثلاً وہ بیمار ہے اور لذیذ میووں کے حاصل کرنیکی طمع رکھتا ہے پس ان
میووجات کا مالک بحکم مصلحت اس مفلس کو کوئی ایسی چیز جو جنس فواکہ سے نہ ہو جیسے قولنج یا تپاد [illegible] اس کی
آنکھ پر دیکھا اور ان بخشش کو جیسے حاصل ہونیکی امید نہ تھی نوافل عطایا کہتے ہیں اسیطرح طالب حق جب
شیوان ارفی میں سے کسی شئے یا حالات [illegible] میں سے کسی معاملہ کا مراقبہ کرے تو کبھی تو نوافل عطایا
طریق سے ہوتا ہے بالذات حصول ثمرات اس مراقبہ کے یا بدون حصول ان ثمرات کے۔ تو یہ نوافل عطایا
کی تعداد اور تنوع ایسی ہیں کہ حصول اس پر ادراک انکی ضبط نہیں ہوسکتے کیونکہ اس عطیہ [illegible] کی تعیین
اس مراقبہ کے آثار کی مناسبت پہ منحصر نہیں بلکہ اس طالب کی استعداد کی مناسبت پر موقوف ہے مثلاً کوئی
شخص ابتدا سے فنون میں ذکی الطبع نہایت تیز ذہن پیدا ہوا ہے اور طالب ماہ جبروت کے وقت [illegible] اس
مراقبہ عظمت کی مشق کی ایسی اسکے آثار مرتب ہوتے یا نہ ہوتے لیکن اعلیٰ درجہ کی ذکاوت ذہن اور
علوم رفیعہ حقائق نہایت منتظر ہو [illegible] نصیب ہوجاویگی اور اسیطرح جو شخص طہارت فطرت پر پیدا کیا گیا ہے
مکاشفات حقہ کی توفیق اور بصیرت نورانی کا ملکہ حاصل ہوجاویگا اگرچہ امور مذکورہ مراقبہ عظمت کے
[illegible] انکی مناسبت نہ رکھتے ہوں کیونکہ ظہور اس طریق کے افعال اور اعمال کی
[illegible] آپ میں نہیں پاتے تو محرومی کی اصطلاح اور [illegible]

ناامیدی کے کلمے انکی زبان سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ممکن ہے کہ ان ہی اشغال واعمال کی برکت سے کوئی اور امر ان امور سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں انکو حاصل ہو گیا ہو اگرچہ ان اشغال و اعمال کے آثار کی جنس سے نہ ہو اور ان اشغال و اعمال ان امور کے درمیان مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے انکی عقل حقیقت حال پر واقف نہ ہوئی ہو اور اسیطرح اس راہ کے بعض طالب جو گذشتہ اہل کمال کے قصے سنتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں شغل اور عمل کے سبب فلاں کمال حاصل ہوا تھا پھر خود وہ شغل اور اعمال بجا لاتے ہیں اور اس کمال کا کچھ اثر اپنے آپ میں نہیں پاتے تو تعجب اور حیرانی کے دیوانہ میں سرگشتہ ہو جاتے ہیں پس کبھی تو ان قصوں کو جھٹلانے لگتے ہیں اور کبھی اس عمل کے شروط وارکان میں شک کرنے لگتے ہیں کہ شاید یہ عمل اس عمل کا غیر ہو جو اس بزرگ سے صادر ہوا تھا ۔ حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کمال بجنس نوافل عطایا سے تھا نہ اس عمل کے آثار کے قبیل سے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی طَرِیْقِ الرَّشَادِ۔

چھٹا افادہ ۔ جب مراقبہ اُویسیت اپنے کمال کو پہنچا اور اسکے آثار بعض از بعض ظاہر ہوئے اور کمال تکمیل کا مقام اسکے سپرد ہو گیا ۔ اور خلافت عن اللہ کا مرتبہ اسکو نصیب ہوا بعد ازاں بعض کاملوں کو ایک ایسا مقام ظاہر ہوتا ہے کہ تحریر اور تقریر کی خلعت اسکی تصویر کے قد پر کوتاہ اور نازیبا ہے ۔ اور یہ مقام مقام انکشاف وجہ اللہ کا ہے ۔ اور آیۃ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ[1] مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ اسی معنی کی طرف ایک باریک سی رمز ہے ہر چند واضح کرنا اس مقام کا تقریر اور کلام سے متصور نہیں ۔ مصرع ع لذت مے نہ شناسی بخدا تا نچشی ، لیکن اسکا خیال میں لانا اگرچہ تخیل ناقص ہی ہو ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے ۔ بیان اسکا اسطرح ہے کہ ہر امر کا ادراک خواہ وہ امور محسوسہ سے ہو یا امور غیبیہ سے اسکی مثل کے واسطہ سے ہو سکتا ہے مثلاً احساس انوار شہادیہ کا نور بصر سے ہوتا ہے اسی طرح تمام عوارض جسمانیہ محسوسہ کا ادراک آلات جسمانیہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے جنکا نام حواس رکھتے ہیں ۔ اسیطرح ادراک عالم مثال کا قوت خیال کے ساتھ ہوتا ہے جو اس عالم کا نمونہ انسان کے بدن میں رکھا ہوا ہے ۔ اور علیٰ ہذا القیاس ان امور کا ادراک جو بین التجرد والتعلیق ہیں یعنی نہ تو بالکل مادہ سے مجرد ہیں ۔ اور نہ پوری طرح سے مادہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ قوت واہمہ کیساتھ ہوتا ہے جو بین العقل والحواس ہے اور اسیطرح کلیہ عقلیہ اور جزئیات مجردہ کا ادراک قوت عاقلہ سے ہوتا ہے جو تجرد اور لطافت میں ان امور کے مشابہ اور مماثل ہے ۔ اور اسی قیاس پر ہیں تمام لطائف انسانیہ مثلاً

[1] اور روک اپنے نفس کو ساتھ ان لوگوں کے کہ پکارتے ہیں اپنے رب کو [illegible]

تجلی اعظم اور حقائق ملاءِ اعلیٰ کا ادراک لطیفہ سر کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ اور وجود منبسط کا ادراک لطیفہ خفی سے جو کہ حقیقت جامعہ انسانیہ کا لب لباب ہے۔ اور اسکا نام قلب رکھتے ہیں۔ پس یہیں سے سمجھنا چاہیئے کہ دریافت کرنا اس ذات بے کیف و بیچون و بیچگون و بے شبہ و بے نمون کا جو کہ تمام تجلیات سے برتر ہے۔ حتی کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تجلیات کی اصل ہے اور وہ ذات والاصفات جو تمام تنزلات سے معرا ہے۔ حتی کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تنزلات میں سے شامل تر ہے۔ اور وہ ذات پاک جو تمام موجودات کی مماثلت سے کسی صفت میں اصفات منزہ ہے یعنی ذات کے اس مرتبہ کا دریافت کرنا جسکو مجہول مطلق اور ممتنع التصور قرار دیتے ہیں سوائے نور قدسی الٰہی کے کسی اور چیز سے ممکن ہے چنانچہ اس حدیث شریف میں کہ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ فَأَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهِ فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰى وَمَنْ أَخْطَأَ ضَلَّ[1] اسی معنی کی طرف اشارہ ہے پس اسی نور قدسی کو ابتدائے آفرینش سے سعادتمندوں کی عقل میں ودیعت رکھا ہے پس وہ نور حق کا ایک قطرہ نور بصر کے قائم مقام ہے جو مجمع النور میں پوشیدہ ہے اور چنانچہ ابصار دیکھنے کا سبب فی الحقیقت وہی نور ہے۔ اور آنکھ کے تمام پردے بلکہ خود آنکھ کا جرم اس نور کے قالب ہیں اور تمام ظاہری نور جیسے چراغ کا نور اور شمع کا نور اور آفتاب اور ماہتاب کا نور اسکے مؤیدات سے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ نور بصری مجمع النور میں ودیعت رکھا ہوا نہ ہوتا۔ تو البتہ وہ شخص اندھوں کے گروہ میں سے شمار کیا ہوا ہوتا۔ اور اندھے آدمی کو آنکھ کے جسم اور ظاہری نوروں سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس عوام الناس اگرچہ ظاہر حال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ آنکھ کی بدولت یا آفتاب کی روشنی کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر حقیقت امر میں تامل کریں۔ تو البتہ سمجھ لیں کہ ابصار کا آلہ فی الحقیقت وہی نور بصری ہے لیکن چونکہ وہ نور آنکھ کے راستے سے باہر آتا ہے اسلئے سببیت کو آنکھ کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہیں اور چونکہ انوار ظاہرہ اسی نور بصری کے مؤید ہیں۔ اس سبب سے ان انوار کو بھی ابصار کہہ سکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں خود ان ادراک کا اسی نور کے طفیل سے ہوتا ہے چہ جائیکہ دوسرے اشیاء کا ادراک اسی طرح ان ادراک ذات بحت اور توجہ الی اللہ کا سبب وہی قطرہ نور قدسی کا ہے۔ جو ابتدائے ظہور ارواح کے اہل سعادت کو نصیب ہوا تھا اور ایمان کی پیدائش کے بعد لطیفہ عقل کی تربیت پوشیدہ

[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کو ایک ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ نور ڈالا تو جس شخص کو وہ نور پہنچا اس نے ہدایت پائی اور جس کو وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہوا۔

کیا گیا۔ اور اسکے شعاع لطائف باطنہ انسانیہ میں طرح طرح کے اقسام اور گونا گوں رنگوں کیساتھ ظاہر ہوتے
ہیں۔ جیسے آفتاب کا شعاع بسیط مختلف رنگوں اور طرح طرح کی شکل والے شیشوں میں اور وہ نور قدسی
انوار ظاہرہ و غیبیہ کیساتھ جیسے آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اور انبیاء کرام اور علماء ذوی الاحترام اور
اولیاء عظام کا وجود انبساط اور انشراح پاتا ہے یہ معنی نہیں کہ یہ انوار غیبیہ انسان کے نفس میں اس نور
قدسی کے پیدا ہونے کے سبب ہو جاتے ہیں۔ بلکہ وہ نور قدسی تو ازل الآزال سے نفوس کے اندر ودیعت
رکھا ہوا ہے۔ اور یہ انوار غیبیہ اسکے انبساط اور انشراح کا سبب ہو گئے ہیں پس اگرچہ سالکان راہ ولایت
اور طالبان راہ نبوت ابتدائے احوال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ حق جل وعلا کا ادراک لطیفہ قلب
یا لطیفہ سر یا لطیفہ خفی یا انکے اشتغال سے انکو حاصل ہوا ہے یا بسبب نزول کتب سماویہ کے اور وجود
انبیاء اور اولیاء کے انکو توجہ الی اللہ نصیب ہوئی ہے لیکن اگر حقیقت کار کا کھوج لگائیں۔ تو البتہ
جان لیں کہ توجہ الی اللہ کا حقیقی سبب وہی نور قدسی ہے جو ازل الآزال میں انکو نصیب ہوا ہے
اور تمام لطائف باطنہ کو اسی نور نے رونق بخشی ہے اور کتب سماویہ اور انبیاء علیہم السلام کی
حقیقت بھی اسی نور کے سبب انکے ذہن میں قرار پکڑ گئی ہے۔ اسی لیے جو شخص ازل الآزال میں
اس نور سے محروم رہا۔ جیسے ابوجہل اور ابولہب انکے حق میں یہ انوار ظاہرہ و غیبیہ اور لطائف باطنہ
کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اور مادر زاد اندھے کی طرح روز روشن میں ہلاکت کے گڑھوں میں گرتے جاتے
ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اسی نور قدسی کا شعاع لطائف انسانیہ کے رنگ میں ظہور فرماتا ہے
اور اختلاف لطائف کے اندازے سے یہیں اختلاف عظیم راہ پاتا ہے اور ہر لطیفہ میں توجہ الی اللہ کی ایک
قسم اور تجلیات صدہا غیبیہ میں سے ایک قسم کی تجلیات کا انکشاف اور معارف حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے
بھنڈاروں سے ایک قسم کے آثار جو اس لطیفہ کے مناسب ہوتے ہیں ظاہر کرتا ہے اور دوسرے لطیفہ میں
ان امور مذکورہ کی ایک اور قسم ظاہر فرماتا ہے اور اس لطیفہ نورانیہ کو نام جبروت کے نام سے ملقب کرتا
ہیں پس ایسی جبروت کو عقل کے حجرہ میں اس چراغ کی طرح تصور کرنا چاہیے جو مختلف رنگ والے شیشوں
کے بیچ میں روشن کیا ہوا ہو۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا پس جاننا چاہیئے کہ جس طرح اجرام علوی
نور ذات کے واسطے نوردار ہوتے ہیں۔ اگرچہ انکا نور وہی آفتاب کا نور ہے جو ان ستاروں کے بیچ میں اجرام
میں منعکس ہو کر مختلف رنگوں اور گوناگوں لباسوں میں ظاہر ہو کر دیکھنے والے کی نظر میں جلوہ گر ہو گیا

ہے۔ لیکن جب آفتاب افق سے طلوع کرتا ہے تو تمام مختلف الانوار آفتاب کے نورِ بسیط میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور ایک نورانی چادر یک رنگ تمام علویات اور سفلیات کے بساط پر تانی جاتی ہے اور حقیقت اسکی یہ ہے کہ جب انعکاس آفتاب کے اسی نورِ آفتاب کے اصلی مرتبہ میں محو و مضمحل ہو جاتے ہیں اور سب فرش اور اصل یک رنگ ہو جاتے ہیں۔ اسیطرح جب نفس کا کام محبت کے مرتبہ میں جے پہنچ جاتا ہے اور اپنے لطائف باطنہ کے تمام لباس اتار دیتا ہے۔ تو محبت سے ایک مقدس حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ اور لطائف کو اپنا ہمرنگ بنا لیتا ہے۔ اور تمام باطن اس سالک کا سر سے پاؤں تک محبت ہو جاتا ہے اور اسکی مثال اس شخص کی سی مثال ہے جسکے تمام بدن میں تمام نورِ بصری سرایت کر جائے اور اسکا سارا بدن نرگس کی طرح آنکھ ہی آنکھ ہو جائے۔ مانند یہ حال اس حال کا غیر ہے جو سالک راہ ولایت کو ابتدائے سلوک میں طاری ہوتا ہے کہ انکا دل وسعت پکڑ جاتا ہے اور تمام بدن انکا اسمیں گم ہو جاتا ہے۔ پس انکا تمام وجود گویا قلب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حال محبت کے انبساط کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا۔ جو ایک قطرہ کو دریائے محیط کیساتھ ہوتی ہے کیونکہ نہایت اس حال کی یہ ہے کہ تمام وجود سالک کا تجلی قلبی کے ادراک کا آلہ ہو جاتا ہے اور اسکا حال کا مآل یہ ہے کہ اس صاحب کمال کا تمام باطن ذاتِ محبت کے ادراک کا واسطہ ہو جاتا ہے اور ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جس شخص کا تمام وجود قلب ہو گیا وہ اس شخص کے سامنے جسکا تمام باطن محبت ہو گیا کیا رتبہ رکھتا ہے۔ اور جب کوئی شخص کامل اس مرتبہ پر پہنچتا ہے۔ تو جو امور دوسرے لوگوں کیلئے باعث کدورت اور موجب قبض ہوتے تھے۔ اس شخص کے باطن میں مطلق کوئی اثر نہیں کرتے۔ مثال اسکی ایسی ہے کہ کوئی شخص علوم دقیقہ کی مشق و مزاولت کرتا ہے۔ اور اسکا تمام کاروبار قوت عاقلہ سے تعلق رکھتا ہے تو جو امور حواس ظاہرہ کی کدورت کا باعث ہوتے ہیں۔ جیسے آنکھوں کے سامنے پردہ پڑ جانا یا کان کے سوراخ میں روئی دیدینا وہ اسکے کام میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ ہے وہ مضمون جو اس مقام کی تصویر میں احاطہ تحریر اور میدان تقریر میں گنجائش رکھتا ہے ولیکن کنہ اس مقام کی سو وہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ طالبین راہ نبوت کے دلوں کو جس حب ایمانی کے غلبے اور فنائے ارادہ کے رسوخ کے سبب سے خواہشوں اور آرزوؤں کے نقشوں سے صاف اور مبرا ہو جاتی ہیں یہانتک کہ بجز طلب رضائے حق کسی امر کی طلب اور دنیا و جہان کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی رغبت انکے دل میں قرار نہیں پکڑتی۔ اور دنیاوی مرغوبات اور اخروی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف التفات انکے صمیم قلب سے ظاہر نہیں ہوتی۔ یہانتک کہ ایکبار اللہ جل شانہ کا امر انکے تمام جو انکی زبان پر جاری ہوا۔ اگر اسکے مقابلہ میں دونوں جہان کی نعمتیں انکو بخش

ہیں۔ اور مولیٰ کی اطاعت کو دو جہان کی نعمتوں سے زیادہ لذیذ تر ترغیب دنیا تو الگ رہا آخرت میں سب کچھ
کی جاتا ہوگا۔ الغرض اس حال کا صاحب تمام اعمال صرف حضرت ذوالجلال کی رضامندی کیلئے بجا لاتا ہے
اور بس اور آیت مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ انہیں لوگوں کی
شان کا بیان ہے۔ اور جب اس طریق والے سیر محبت کے مقام سے آگے گذر جاتے ہیں اور چند درجوں پر ترقی
کرجاتے ہیں اور بڑے بڑے منصبوں پر پہنچ جاتے ہیں تب انکے دل میں امور لا محبوبیت کی طرف اور بعض
مرغوبات کی رغبت پیدا ہوجاتی ہے اور طبیعت کی ناپسندیدہ چیزوں سے از قسم مکروہات نفرت
پیدا ہوجاتی ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ اپنی طاعات کے مقابلہ میں کسی مرغوب چیز کی درخواست یا کسی
مکروہ چیز کے دور ہونے کی خواہش کرتے ہیں حاشا وکلا کیونکہ یہ بزرگوار لوگ اپنے اعمال کو ایسی چیز نہیں
سمجھتے تاکہ انکے مقابلہ میں کسی چیز کے امیدوار ہوں۔ بلکہ انکی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ عالی جاہ کے اور عالم
میں سے کسی شخص نے بادشاہ کی رضاجوئی کی خاطر بڑی مدت حیران اور سرگرداں رہ کر اور خدمت شاہی
کے مناصب یعنی جیسے سپہگری اور چوبداری وغیرہ واشتغال اور قید وظلیاں کرکے آخرالامر قبولیت اور
رضامندی سلطانی کے مقام تک پہنچکر کفالت وکالت شاہی کا عالی منصب حاصل کیا۔ اور اسکا لقب
وکیل خاص رکھا گیا۔ پس اس حالت میں اسکو یہ مرتبہ حاصل ہوگیا کہ جو جو چیزیں اسکے مولیٰ کے زیر حکومت
اور اسکی سلطنت کے اندر موجود ہیں انکی خواہش کرسکے۔ اور جو نفیس چیز بادشاہی خزانوں میں موجود
ہے اسکی درخواست کرسکتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ اپنے حقوق خدمت کا بدلہ چاہتا ہے یا اپنی
ادائے خدمات کی جزا سمجھتا ہے کیونکہ اس قسم کی طلب اسکے حق میں ایک قبیح عیب ہے کہ اپنے آپ
کو بلند مرتبے سے نیچے گرا کر مزدوروں کے شمار میں داخل کرتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس عہدہ کا مقتضا
یہی ہے کہ اپنی تمام حاجات کو جیسے بغیر طلب مرغوبات اور مکروہات سے پناہ مانگنا ہے اپنے مولیٰ ہی سے
طلب کرے اور بس اسی طرح یہ ارباب کمال جب مرتبہ اصطفا اور اجتبا اور مقبولیت اور محبوبیت پر
کامیاب ہوتے ہیں۔ اور تمام مقعد صدق میں رسوخ قدم انکو نصیب ہوجاتا ہے اور رد و قبول کی ترقی
سے فائز ہوجاتے ہیں اور عہدہ خاص اور رتبہ اختصاص انکا لقب ہوجاتا ہے اس وقت انکے
دل میں امور مرغوبہ دارین کی طرف میلان ہوجاتا ہے اسلئے وہ امور اپنے مولیٰ کے خزانوں میں موجود ہیں
اور بسبب اس بات کے کہ مقام قبولیت میں راسخ القدم ہوچکے ہیں انکو کسی چیز کی طلب سے اندیشہ نہیں
رفیع اور بدیع ہے رکاوٹ نہیں۔ اسلئے ان چیزوں کو طلب بھی کرتے ہیں نہ کہ ان امور کو اپنے اعمال کی جزا
سمجھتے ہیں بلکہ اسلئے کہ علاقہ عبودیت کو زیادہ تر رونق ہوتا ہے

ہے کہ یہ وجہ ہے کہ منظور نظر

طلب کرنا ہے حق میں زیادت قرب کا موجب ہوتا ہے۔ اور بعد اور دوری کا سبب۔ نظم

خشک اندر درخت آنکس دید | سبز تر بیشد آن درخت از نار
غیرت و حسرتی مرد صاحب دل | زینچنیں دان و اینچنیں انگار

مقصد جب اس کمال کے صاحب اس مقام و حال میں پہنچتے ہیں تو بہ سبب اختلاف استعداد جبلی
کے تین فریق ہو جاتے ہیں ایک قوم تو اپنے منصب میں کمال علو اور مقام قبولیت میں نہایت راسخ
القدم ہونے کی وجہ سے دونوں جہان کے مرغوبات اور مکروہات کو اور دو داریں کے مصائب و مشکلات
کو نہایت ادنیٰ اور خسیس امور سے سمجھ کر طلب مرغوب کی طرف اور مکروہ سے بھاگنے اور ازالہ مخافات
اور استحلال مشکلات کی طرف جو کچھ توجہ و التفات انکے تئیں ... ہونا ... نہیں ہوتی۔ اور بسبب ہجوم
سکر محبت کے اور مکروہ اور مرغوب میں تمیز اور فرق نہ کرنے کے سبب سے بلکہ انکے منصب کے کمال
اعلیٰ ہونے اور ان امور مذکورہ کے نہایت ادنیٰ ہونے کے سبب سے الحق کہ انکا مرتبہ ان سے بہت
بلند ہے کہ ایسے امور کی طرف انکے دل کو بھی التفات اور میل پیدا ہو اور انکا اپنے مناصب اور مراتب
کے ساتھ خوش و خرم ہونا اس سے اعلیٰ ہے کہ وہ ... اور خوشی طلب کریں اگرچہ اس حد تک انکو عرض
حاجات کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے کہ فرط عنایت ربانی اور کفالت رحمانی کے سبب ان کی دعا واجب الاجابت
اور انکی شفاعت واجب القبول ہو گیا ہے۔ اور دوسری قوم عرض حاجات اور دعائے حل مشکلات اور طلب
مرغوبات اور دعائے دفع مکروہات اور شفاعات میں سعی کرتے ہیں بنا بر استحکام علاقہ عبودیت اور
اظہار حاجت کے جو مرتبہ عبودیت کا شعار ہے اور اہل اضطراب اور ارباب حاجات پر رحمت اور شفقت
کرنے کیلئے چست و چالاک اور سرگرم ہوتے ہیں اور تیسری قوم بھی فریق ثانی کے ہم مشرب ہوتے ہیں
انکے دل میں طلب مرغوبات اور استحلال مشکلات اور شفاعت ذوی الحاجات کی خواہش پیدا
ہوتی ہیں لیکن بسبب کمال ادب کے اور کفالت حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ پر اعتماد کرکے باوجود کمال
احتیاج کے کہ علم ازلی تمام اشیاء کے اسرار اور ان کے باطن کو محیط ہے زبان حال پر اکتفا کرکے
ان اوقات میں زبان ... لب نہیں لگاتے کہ مقولہ حسبی من سؤالی علمہ بحالی اس قسم
کے بزرگوں کی شان کا بیان ہے۔ ... انکی دعا زبانی قبول فرماتا ہے۔ اور ان کی دلی حاجات
... اپنی طور پر انکے مقتضائے دل کو خود بخود بلا تقریب ظاہر کر دیتا ہے۔ اور انکو بلکہ تمام
... کو اس امر پر مطلع فرماتا ہے کہ اس امر کا کیا تحصیل انکی رضامندی اور ... کی
خواہش کے پورا کرنے کیلئے ہوا ہے۔ اور یہ امر انکے زیادت اعتبار اور کمال اعتقاد کا باعث

... حال کا ... ہوتا ہے۔
... ہے ... کا ... درجات ... کے

ہوتا ہے۔ اور اس معاملہ کے سبب سے اپنے اقران و امثال میں انکو بہت بڑی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔ فائدہ۔ اگرچہ ان تینوں فرقوں میں سے ایک گروہ کو دوسرے دو گروہ پر من جمیع الوجوہ فضیلت دینا غلط محض اور خطائے صریح ہے۔ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ لیکن بلحاظ اعلیٰ بہ زیادتی اعتبار اور وجاہت پر نظر کرکے تیسری قوم کو دوسری پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو اہل فطانت میں سے کسی پر مخفی نہیں۔ اسی طرح بدیں لحاظ کہ قوم ثانی کیلئے علاقہ عبودیت کے مقتضیات ظاہر ہیں۔ اور انکی سعی و شفارش سے عام لوگوں کو فیوض غیبیہ پہنچتے رہتے ہیں۔ رب اور خلقت کے درمیان انکو وسیلہ ہونے کا مقام حاصل ہے قوم ثانی کو قوم اول پر فضیلت حاصل ہے۔ جو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں۔

والعلم عند اللہ۔ **خاتمہ**۔ بیان میں بعض معاملات اور واردات کے جو حضرت سید احمد صاحب قدس سرہ کو دونوں طریق یعنی طریق سلوک نبوت اور طریق سلوک ولایت کے ابتدائے سلوک میں پیش آئے ہیں۔ اگرچہ خود یہ کمالات بداہۃً آیات کریمہ کتاب مستطاب انہیں پر مشتمل ہے اپنی حقیقت پر دلیل قاطع اور برہان ساطع ہیں۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ قال کو حال سے پہچانتے ہیں۔ نہ حال کو قال سے۔ یعنی انکے نزدیک کمال کی خوبی اور معتبر ہونا بسبب اس اعتقاد کے ہوتا ہے جو اس کلام کے قائل کی نسبت تقلیداً انکو حاصل ہو حالانکہ عقلمندوں کو متکلم کا اعتقاد کلام کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے اس کتاب مستطاب کے ذیل میں کسی قدر ایسے کلام کرنیکی ضرورت پڑی۔ جو ان کے ماخذ مضامین کا حال بیان کرے۔ تاکہ ان مضامین کے ناظرین کو بسبب اطلاع پانے کے اس امر پر کہ آنحضرت نے ان مضامین کو کہاں سے حاصل کیا۔ اور کسی شخص سے انکا استفادہ کیا۔ اطمینان حاصل ہوجائے۔ پس جاننا چاہیئے کہ آنحضرت کی جبلت ابتدائے فطرت سے کمال طریق نبوت پر اجمالاً مجبول تھی۔ اور اس طریق کے آثار یعنی مناجات کی لذت پانا خصوصاً نمازیں اور شرع شریف کی تعظیم کرنا اور اتباع سنت کی کمال رغبت اور بدعت کے ساتھ آلودہ ہونے سے کمال نفرت اور طاعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی اور گناہوں سے جبلی کراہت سن خورد سالی میں آپ پر ظاہر رہا کرتی۔ القصہ جبلی طہارت کے آثار آپکی طبیعت کی ترتیب میں نمایاں تھے۔ اور سعادت ازلیہ کے انوار آپ کی جبین مبارک میں روشن تھے۔ تاآنکہ سعادت کے عنفوان کی کنجی جسکی مدد سے ہر دو طریق یعنی طریق نبوت و طریق ولایت کے بند دروازے کھل جائیں۔ آپ کے ہاتھ آگئی اور وہ کنجی کیا تھی۔ یعنی ملازمت جناب ہدایت مآب قدوۃ ارباب صدق و صفا زبدۃ اصحاب فنا و بقا سیدنا و مولانا سندنا و ملجانا رحمۃ اللہ علی العلمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع ہر ذلیل و عزیز مولینا و مرشدنا الشیخ

عبدالعزیز شیخ القرا والمسلمین بطول بقائہ وافر بادہ وسائر المسلمین بجود و عطائہ کی اور آپکو آنجناب
کے سبب سے طریقہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل ہوئی اور حصول بیعت کے بعد اور آنجناب کی توجہات
کی برکت سے آپکو نہایت عجیب معاملات ظاہر ہوئے کہ انہیں وقائع عجیبہ کے سبب طریق
نبوت کے کمالات جو استعداد کے فطرت میں مخزونہ تھے۔ انکی اب تفصیل اور شرح کی نوبت
پہنچی - اور مقامات طریق ولایت بھی اچھی وجہ پر جلوہ گر ہوئے - ان سب معاملات سے اول
اول یہ ہے کہ آپ نے جناب رسالت مآب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور
اور آنجناب نبی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تین عدد چھوارے اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو
کھلائے اس طرح سے کہ ایک ایک چھوارا اپنے ہاتھ مبارک سے لیکر حضرت سید صاحب کے
منہ میں رکھتے تھے اور بعد ازاں کہ آپ بیدار ہوئے - اس رویا کے حقیقت کا اثر ظاہر اپنے
نفس میں پاتے تھے - اور اس خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نبوت حاصل ہوا۔ بعد
ازاں ایک دن جناب ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا۔ پس جناب علی مرتضیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ مبارک سے غسل دیا ہو
آپکے بدن کی خوب اچھی طرح سے شست و شو کی جس طرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست
و شو کرتے ہیں - اور جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک
سے آپکو پہنایا پس اس واقعہ کے سبب سے کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے - اور ابتدا
ازل جو کہ فطرت الٰہی میں پوشیدہ مخفی تھے منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوئے - اور عنایات رحمانی اور
تربیت ربانی بلا واسطہ آپکے حال کی متکفل ہوئی - اور پے در پے معاملات اور بے شمار واقعات
ظہور میں آگئے - یہاں تک کہ ایک دن حضرت حق جل و علیٰ نے آپکا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست
قدرت میں پکڑ لیا - اور کوئی چیز انوار قدسیہ سے جو کہ نہایت رفیع اور بدیع تھی - آپکے سامنے
رکھکے فرمایا کہ ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے - اور اور چیزیں بھی عطا کریں گے - ایک
ایک شخص نے آپکے پاس حاضر ہوکر بیعت کی درخواست کی - اور چونکہ آپ ان ایام میں علی العموم
بیعت نہیں لیا کرتے تھے - اسلئے اس شخص کی درخواست کو قبول نہ فرمایا - جب اس شخص نے
نہایت الحاح اور اصرار کیا - تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ایک چند روز توقف کرنا چاہیے - بعد
ازاں جو کچھ مناسب وقت ہوگا - اس پر عمل کیا جائیگا - پھر آپ اجازت اور استغفار کے لئے
جناب حق میں متوجہ ہوئے - اور طریق کیا کہ بندہ کا درگاہ سے ایک بندہ اس امر کی درخواست

کرتا ہے کہ مجھ سے بیعت کر لے۔ اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ اور اس جہان میں جو کوئی
کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے وہ ہمیشہ دستگیری کا پاس کرتا ہے اور حضرت حق کے اوصاف کو اخلاق مخلوقات
کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے۔ اس طرف سے حکم ہوا کہ خود تجھ سے
ہاتھ پر بیعت کریگا۔ اگرچہ وہ لاکھوں کیوں نہ ہوں۔ ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے القصہ اسی
قسم کے وقائع اور ایسے معاملات سینکڑوں پیش آئے تا آنکہ کمالات طریق نبوت اپنی نہایت بلندی
کو پہنچے۔ اور الہام اور کشف علوم حکمت کے ساتھ انجام پذیر ہوئے یہ ہے طریق استفادہ کمالات
راہ نبوت و لیکن کمالات راہ ولایت کے استفادہ کا طریق پس اول سمجھ لینا چاہیے کہ اولیاء اللہ
کے طریق میں سے ہر طریق میں سے مجاہدات اور ریاضات اور اشغال اور اذکار اور مراقبات متعین
کئے ہوئے ہیں۔ اور ان امور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں ایک قسم کا اثر پیدا کرتا ہے
اور تکرار اشغال کے تکرار کے سبب سے ایک امر مستقر طالب کے نفس میں پیدا ہو جاتا ہے کہ اس
امر کے سبب سے طالب کا عالم قدس سے ارتباط ہو جاتا ہے۔ اور یہی امر حضرت حق جل وعلیٰ کے ساتھ
طالب کے تعلق کا موجب ہوتا ہے۔ اور وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے خواہ اس امر
کی طرف طالب کو توجہ ہو یا نہ ہو۔ ہاں اس امر کی طرف توجہ کے سبب سے اس کے آثار ظاہر ہوتے
ہیں ورنہ تو نفس میں پوشیدہ رہتے ہیں اور اسی امر کو عرف قوم (صوفیہ) میں نسبت کہتے ہیں خلاصہ
اس کا یہ ہے کہ ایک شخص معقول کی کتابوں کی مزاولت کرتا ہے۔ یا دوسرے صنائع میں۔ جیسے
موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو اکثر کچھ مدت کے بعد ایک امر مستقر حادث ہو جاتا ہے
کہ اس کو ملکہ مہارت کہتے ہیں اور یہ ملکہ اس شخص کے نفس میں مستقر رہتا ہے خواہ وہ شخص اس
ملکہ کی طرف التفات کرے یا نہ کرے۔ ہاں البتہ جب یہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرتا ہے۔ اور اس
کو ظاہر کرتا ہے تو اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ پوشیدگی کے پردہ میں مخفی رہتے ہیں۔ جب اس مقدمہ
کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیے کہ اگرچہ [illegible] اس تاثیر پر [illegible] ہے کہ کتاب و سنت کے مضامین
کتب [illegible] اور فنون ادبیہ کی تحصیل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں لیکن بعض نفوس کاملہ کو بطریق خرق
عادت پہنچ گئی ان مضامین لطیفہ پر اطلاع بخشتے ہیں اور اسی کو اصطلاح قوم میں علم لدنی کہتے ہیں
اور [illegible] ایسے [illegible] اس کو [illegible] ہو جاتے ہیں بلکہ بعض ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا داری کے حاصل
کرنے میں وہ مدرسے [illegible] کی قراءت [illegible] استاد [illegible] ہوتے ہیں۔ چنانچہ [illegible]
سے عاری ہی رہ جاتے ہیں القصہ حضرت سید صاحب کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ

[illegible]

کی نسبت عبادو لایت پہلے حاصل ہو گئی۔ لیکن نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ
حضرت مولانا خواجہ عبدالعزیز قدس اسرہ العزیز کی صحبت برکت اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات
کے یکتا منجناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی ارواح مقدس
آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریبا عرصہ ایک ماہ تک آپکے حق میں ہر دو ارواح مقدس کے مابین
فی الجملہ تنازع رہا کیونکہ ہر ایک ان دو عالی مقام اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا
آپ کو تمام اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گذر گیا اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے
کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں۔ اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ
دونوں امام آپکے نفس نفیس پر توجہ قوی اور تاثیر زور اثر ڈالتے رہے پس اسی ایک پہر میں ہر دو
طریقہ کی نسبت آپکو نصیب ہوئی۔ لیکن نسبت چشتیہ پس اسکا بیان اس طرح ہے کہ ایک دن آپ
حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی مرقد منور کی طرف
تشریف لے گئے اور انکی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اسی اثنا میں انکی روح
پر فتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئی۔ اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر
نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے اوائل حصول نسبت چشتیہ کا نصیب ہو گیا۔ پھر اس
واقعہ سے ایک مدت کے گذرنے کے بعد مسجد اکبر آبادی واقعہ شہر دہلی حرسہا اللہ تعالیٰ عن
آفات الزمان میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ کاتب الحروف
بھی اس محفل ہدایت منزل کے آستان بوسوں کی سلک میں مندرج تھا اور سب حاضرین مجلس مراقبہ
کی گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے۔ اور آپ تمام مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے اس مجلس
کے اختتام کے بعد کاتب الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جل وعلا نے محض اپنی عنایت سے
بلا واسطہ کسی کے نسبت چشتیہ کو اختتام تک پہنچا دیا ہے بعد ازاں طریقہ چشتیہ کی تعلیم اور تلقین
کا دروازہ بہت کھولا اور اشتغال کی جد و جہد فرمائی ... کتاب مستطاب ... سے یہ سب طریقہ استفادہ
تینوں نسبتوں کا لیکن باقی نسبتوں کا ... جب نسبت مجددیہ اور نسبت قادریہ وغیرہ واپس جانا چاہئے کہ
کمالات راہ نبوت ارباب کمال ... مرتبہ کی ... پہنچتے ہیں اور ... صاحب انکی
جمعیت کا فور ... اور ... قبول کرتا ہے ... بصیرت قدس اکمل کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ
... کی طرف انتقال کرتے ہیں ... کے حقائق اور دقائق ... استعداد کے مطابق کما حقہ
... تمام نسبتیں ... نبوت کے کمال میں ... محو ہو جاتی
ادراک کرتے ہیں جس کو یارا ...

ہیں صرف اتنی بات ہے کہ کسی چیز کی طرف ادنیٰ سی توجہ منعطف ہوئی تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح وبسط کے ساتھ ان کی بصیرت کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ اس کلام سے اس طریق ولایت پر سالک راہ نبوت کو فضیلت دینا مقصود ہے بلکہ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ سالک راہ نبوت کے نفس میں ایک نور قدسی پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نور کے سبب سے ہر صاحب نسبت کی نسبت کو اگرچہ اس سے افضل اور اعلیٰ ہو ادراک کر سکتا ہے جس طرح جمیع النور میں قوت باصرہ رکھی ہوئی ہے کہ اسی قوت کے سبب سے ہر نورانی جسم کو تیزی اور کمزوری کے مقدار پر ادراک کر سکتا ہے اگرچہ اس کا جسم کا اشراق نور بصری سے اعلیٰ اور اقویٰ ہو۔ واللہ اعلم ولیکن میاں کہ اخذ کرنا پس جاننا چاہیئے کہ اشغال اوراذکار اور مجاہدات اور مراقبات کا مقرر کرنا فی الحقیقت تشریع کا ظل ہے اور بوجہ صاحب قرب فرائض کے مقام میں قائم ہو جاتے ہیں اگر یہ بزرگ از قسم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہونگے تو ضرور ہے کہ شریعت جدیدہ کے صاحب ہوں گے نہیں تو طرق موصلہ الی اللہ کے اوضاع کا معین کرنا فوارہ کی طرح ان کی طبیعت سے جوش مارتا ہے اس میں تعلیم اور تعلم کو گنجائش نہیں۔

فائدہ۔ ان چند کلمات میں جو حضرت سید صاحب کے معاملات اجمالی اشارات پر مشتمل ہیں بڑے بڑے فائدے ہیں اور بڑی منفعتیں ہیں منجملہ ان فوائد کے ایک فائدہ تو وہ ہے جو شروع میں مرقوم ہو چکا اور منجملہ ان کی ہی تحدیث بنعمۃ اللہ (یعنی نعمت الٰہی کا اظہار) کہ امر واما بنعمۃ ربک فحدث کی تعمیل اس میں متصور ہو سکتی ہے اور منجملہ ان فوائد کے غافلین کا بیدار کرنا کہ جو شخص حق جل وعلیٰ کا طالب ہو اور حضرت کی حق طلب صادق اس کے دل سے پیدا ہوئی ہو اس کو اپنے مطلب یابی کے مقام کی طرف ہدایت ہو جاتی ہے اور منجملہ ان کے زمانہ کے جاہلوں کی تنبیہ کرنا ہے کہ انہوں نے ولایت ربانی کو ممتنعات عقلیہ سے شمار کر کے اوائل امت پر اسے منحصر سمجھ کر انقطاع نبوت کی طرح ولایت کے انقطاع کے قائل ہو گئے ہیں۔ فقط

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَّ
صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ ٥

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معبود نہیں سوائے تیرے سب جانتے ہیں
اے خدا تیری خدائی سب مانتے ہیں

حضور ما آقا ہیں آخری نبی تیرے
انکی نبوت سب جانتے ہیں

Mohammed Hanif. Meeraasaheb. NAGARCHI.
Near Pasha-Dewdi, Near Juma-masjid
BIJAPUR-586104.

۱۱۸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں خیال کے متعلق دیوبندی تبلیغی جماعت کا

ص ۵۳ علم غیب معلوم کرنا

ص ۵۹ مسئلہ سلیم ہے

۶۷ ایصال ثواب

Phone No- 9886677732

محمد حنیف۔ جمیر اے صاحب نقارچی